صدائے جرس
سائرس اعظم کے دور میں بنی اسرائیل کی بابل میں محصوری
اور فتح بابل پر مشتمل سحر انگیز تاریخی ناول
تور اکینہ قاضی
ادبیات
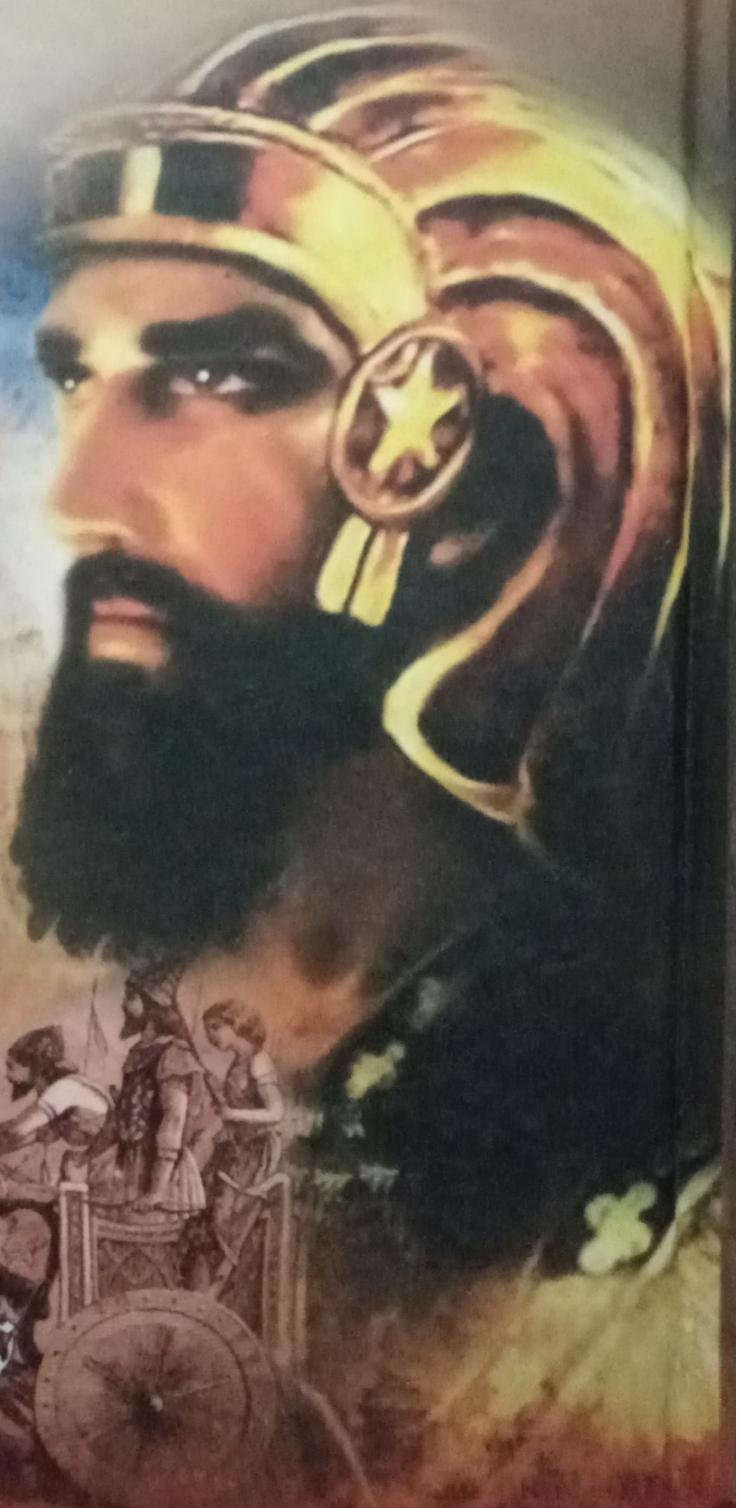
سائرس اعظم کے دور میں بنی اسرائیل کی بابل میں محصوری
اور فتح بابل پر مشتمل سحر انگیز تاریخی ناول

تورا کینہ قاضی

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-37361408, 042-37232788
E-mail: idarasulemani@yahoo.com
www.sulemani.com.pk
facebook.com/idarasulemani

کتاب کا نام	صدائے جرس
مصنفہ	توراکینہ قاضی
ناشر	حافظ عمار وحید سلیمانی
مطبع	آر۔ آر۔ پرنٹرز۔ لاہور
طبع اول	جنوری ۲۰۱۴ء
تعداد	۵۰۰
قیمت	۴۰۰/- روپے

شائع کردہ

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
فون: 042-37361408, 042-37232788
sulemani@gmail.com : sulemani.com.pk

دست یابی

عرضِ مصنف

یہ ۱۹۸۶ء کا ذکر ہے۔

اس وقت مختلف رسائل میں میری تاریخی کہانیاں شائع ہو رہی تھیں۔ ان کہانیوں کی بنیادیں برصغیر کے مسلم و غیر مسلم حکمرانوں کے زمانوں کے واقعات و حادثات پر نہ کھڑی کی جاتی تھیں۔ بلکہ ان کا تانا بانا غیر ملکی غیر مسلم حکمرانوں و قدیم اقوام کے تاریخی پس منظر میں بنا گیا ہوتا تھا جو مدتوں سے برصغیر کی تاریخ اور اسلامی تاریخ کے پس منظر میں بڑے تواتر سے لکھی جانے والی تاریخی کہانیوں، ناولوں اور داستانوں کے مقابلے میں قارئین کے لیے ایک نئی اور دلچسپ چیز ثابت ہوتی تھیں۔

ایرانی حکمران سائرس اعظم کے زمانے سے تعلق رکھنے والا یہ تاریخی ناول بھی میں نے ایک تاریخی کہانی کے طور پر لکھنا شروع کیا تھا۔ میرا خیال تھا یہ کہانی چند صفحات میں سمٹ جائے گی۔ لیکن واقعات، حادثات، تفصیلات و جزئیات کے ساتھ جب یہ کہانی پھیلتی چلی گئی تو میں نے فیصلہ کیا کہ اسے کہانی کے بجائے ایک بھرپور ناول کی صورت میں لکھنا زیادہ مناسب رہے گا۔ اس طرح قارئین کے اشتیاق و تجسس اور دلچسپی کی تسکین بھی ہوگی اور تمام واقعات و جزئیات کا احاطہ کیے یہ کہانی بھی بطریق احسن اپنے انجام کو پہنچے گی۔

۱۹۸۶ء میں میں نے اس کہانی کے کچھ حصے لکھ رکھے تھے۔ اب ستائیس سال بعد اس کے باقی حصوں کی تکمیل کی ہے۔ امید کرتی ہوں کہ یہ تاریخی ناول تاریخ و ادب کے شائقین میں ضرور بھرپور پذیرائی پائے گا اور اشتیاق و دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

تورا کینہ قاضی

راولپنڈی

فہرست ابواب

بابلی سوداگر

اس وسیع وعریض کمرے میں جگہ جگہ طاقچوں پر رکھے چراغوں کی روشنی نے اجالا کر رکھا تھا۔ اس روشنی میں یہودی سوداگر کے کان میں جھولتا ہوا چاندی کا بالا اور تیل سے چپڑے سیاہ وسفید شانوں تک پہنچتے ہوئے گھنگھریالے بال چمک رہے تھے۔ اس نے عام یہودی سوداگروں کی طرح سیاہ رنگ کی عبا زیب تن کر رکھی تھی۔ اس کی نظریں جن میں تحسین وتوصیف کے ساتھ بے پناہ مرعوبیت، ہیبت واحترام کا امتزاج لہریں لے رہا تھا، اس وسیع وعریض کمرے کا جہاں دیواری الماریوں اور طاقچوں پر حفاظت سے رکھی مٹی اور پتھر کی تختیوں اور بھیڑ کی کھالوں کو، جن میں علم وحکمت کے ایسے نادر خزائن پوشیدہ تھے، جن کی قدامت کی انتہا معلوم نہ تھی، اور جہاں بے شمار میزوں پر مٹی اور پتھر کی تختیاں اور کھالیں بچھائے علماء وفضلاء بڑی باریک بینی سے ان پر کھدے اور تحریر کیے نقوش کا مطالعہ کر رہے تھے، جائزہ لے رہی تھیں۔

''تیرا یہ کتب خانہ تو خوب ہے سردار گوبارو۔'' اس نے اپنے قریب کھڑے شاندار وپروقار سنجیدہ رو بوڑھے گوبارو سے مخاطب ہو کر تاثرات سے بھرپور لہجے میں کہا۔ ''میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں اس کی تعریف کا حق ادا کر سکوں۔ صحیح بات یہ ہے کہ میں نے روئے زمین کے اور کسی حکمران کے پاس ایسا کتب خانہ نہیں دیکھا۔'' اس نے ایک طاقچے پر رکھا جلتا ہوا چراغ اٹھا لیا۔ اور اسے ہاتھ میں لیے اپنے سامنے بچھی میز کی طرف بڑھ گیا۔ جس پر مٹی کی ایک بڑی سی سل بچھی تھی۔ چراغ کی روشنی میں وہ اس سل پر کھدی اکدی زبان کی تحریر کو آہستہ آہستہ پڑھنے لگا۔

''میں اشور بنی پال، ساری سرزمینوں کے حکمران نے ان تمام بڑے بڑے کمروں کا

منقش ساز وسامان نکال لیا ہے۔ میں نے زرّیں سازوں اور سونے کی رکابوں والے گھوڑے اور خچر اصطبلوں سے نکال لیے ہیں۔ میں نے کانسی کے کلسوں والے تمام مندروں کو آگ لگا دی ہے۔ میں عیلام کے معبود شوشینک کو اس کے تمام خزائن کے ساتھ اشوریہ اٹھا لے گیا ہوں۔ میں اپنے ہمراہ بتیس بادشاہوں کے سونے کے مجسمے اور سنگ سانڈوں کے وہ مجسمے بھی اشوریہ لے گیا ہوں جو عیلام کے دروازوں پر پہرہ دیتے تھے۔ میں نے عیلام کو تباہ و برباد کر دیا ہے اور اس کے باشندوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ میں نے ان کے تمام مقابر ڈھا دیے ہیں اور ان کے مردوں کی ہڈیاں اپنے ساتھ لے گیا ہوں۔ یہ سب لوگ میرے معبودوں اشور اور عشتار کو برا بھلا کہتے تھے اور ان کی شان میں گستاخی کیا کرتے تھے۔ اب ان تمام مرنے والوں کی روحوں کو کبھی چین نصیب نہ ہوگا۔ اور نہ ہی انہیں کوئی کھانا پانی پہنچائے گا۔"

"اور اب ......" گوبارو نے سنجیدگی سے کہا۔ "اشور بنی پال کا اپنا شہر نینوئی بھی کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے اور وہاں سورج کی کرنیں، ظالم و بے رحم کرنیں، آگ بن کر برستی رہتی ہیں۔"

یہودی سوداگر نے اپنا تیل میں چپڑا سر ہلایا۔

"ہاں ...... اشور بنی پال کے ہاتھوں عیلام کی تباہی کے تین صدیوں بعد نینوئی کی تباہی عمل میں آئی۔ اشوریوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ انتہائی طاقتور قوم ہونے کے باوجود کسی ناگہانی آفت کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ رکھتے تھے۔ وہ آپس میں مصروفِ جنگ وجدل رہتے تھے۔ سارگونوں کے بابل کی مانند انہوں نے بھی بڑی بڑی برائیوں کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ ان حالات میں شمالی پہاڑوں کی طرف سے سامریوں یا سمیریوں نے ان پر حملہ کیا۔ اور ان کی سرزمین پر بے حد تباہی و بربادی مچائی۔ انہوں نے محلات، مکانات، باغات، معبد سب پیوند زمین کر دیے۔"

"اے حزقی ایل تو نے ٹھیک کہا۔" گوبارو نے اپنے سفید بالوں والے خوشنما سر کو

خفیف سی جنبش دی۔ اور دوسری میز کی طرف چلا آیا۔ اور اس پر رکھی ہوئی مٹی کی ایک تختی اٹھالی اور چراغ کی روشنی میں اس پر کھدی ہوئی تحریر کو پڑھنے لگا۔ جو آرامی زبان میں تھی۔

''اے صیہون کی بیٹی! وہ بہت ظالم ہیں! وہ گھوڑوں پر سوار قطار در قطار اس طرح بڑھے چلے آرہے ہیں جیسے کوئی سیلاب آبادیوں کو ملیامیٹ کرنے کے لیے غراتا چلا آرہا ہو۔ انہوں نے ہم پر مصائب کے ایسے ایسے پہاڑ توڑے ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی۔ کھیتوں کی طرف نہ جا! نہ اکیلے دکیلے سفر کر کہ چھپا ہوا دشمن ہر طرف تیری گھات میں ہے۔'' گوبارد نے وہ تختی میز پر رکھ دی۔ ''تیرے پیغمبر یرمیاہ نے بھی سمیریوں کے مظالم کا ایسا ہی رونا رو رکھا ہے۔ ان ظالموں کے حملوں کے بعد خوف ودہشت کی ایسی حکمرانی ہوئی تھی کہ صدیوں تک لوگ اپنے آپ کو لاچار اور غیر محفوظ محسوس کرتے رہے۔'' اس نے میز پر رکھی ایک دوسری تختی اٹھالی۔ ''پھر ان میں دو بہادر اٹھے۔'' وہ تختی پر کھدی تحریر پڑھنے لگا۔ ''ایک تو میڈیا کا حکمران سیازارس تھا اور دوسرا لیڈیا کا حکمران ایلیاتس، کروئی سس کا باپ۔ انہوں نے سمیریوں سے بے شمار جنگیں لڑیں۔ لیکن سمیریوں کا خوف اور دہشت بدستور لوگوں کے دلوں میں جاگزیں رہے۔ پھر میرے آقا بخت نصر نے مصریوں کے خلاف جنگ لڑی اور انہیں عبرت ناک شکست دی۔ اس نے بیرونی حملوں کے خلاف بابل کے دفاع کو مضبوط ومستحکم بنانے کی ٹھانی۔ میں نے بھی جو اس کی فوج کا ایک بلند پایہ مہندس تھا۔ اس کے دوسرے مہندسوں کے ساتھ مل کر اہل میڈیا کے خلاف بابل کو ایک مضبوط قلعے کی شکل دینے کا کام کیا۔ اس دوران دور اندیش بخت نصر نے، دیوتا اس کی کلبلاتی روح کو چین بخشیں، میڈیائیوں کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کرلیا اور اپنی اکلوتی بیٹی مائدانہ سیازارس کے بیٹے استیاگس کے عقد میں دے دی۔ میڈیائی اسے کلدانی کہا کرتے تھے کیونکہ وہ ستارہ شناسوں جیسی دور بین نظر رکھتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بابل کے دفاع کو مضبوط بنانے میں اس نے محض اپنے عوام کی طاقت ضائع کی تھی۔ اس کے برعکس اندرونِ ملک بابل نے تجارت اور صنعت وحرفت میں بے مثال ترقی کی اور ایسی دولت کمائی جو کئی نسلوں کے لیے عیش وآرام سے

زندگیاں گزارنے کے لیے کافی تھی۔"

یہودی سوداگر نے چراغ طاقچے پر رکھ دیا۔

"تیرا آقا بخت نصر......" اس کے لہجے میں دنیا بھر کی نفرتیں اور کڑواہٹیں بھری تھیں۔" بے پناہ ظالم وجابر حکمران تھا۔ بلکہ وہ انسان کے روپ میں کوئی جہنمی درندہ تھا۔ اس نے ارضِ مقدس یروشلم پر چڑھائی کر کے اسے تہہ وبالا کر ڈالا۔ ہم یہودیوں کی مقدس عبادت گاہ ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس کی شاندار و پر شکوہ عمارت پیوند زمین کر ڈالی۔ اس کے تمام نوادرات لوٹ لیے۔ اس نے یہودیوں کے بادشاہ صدقیا کو پابجولاں کر کے اس کے سارے خاندان کو اس کی نظروں کے سامنے قتل کروا دیا۔ پھر صدقیا کی آنکھیں نکلوا دیں! وہ ظالم ہزاروں یہودی مرد عورتوں بچوں کو غلام بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا۔ آہ! اس ظلم پر آسمان کیوں نہ پھٹ پڑا۔ زمین کیوں نہ شق ہوگئی! ظالم وجابر بخت نصر اللہ کے قہر وغضب کا نشانہ کیوں نہ بن گیا! وہ تو اس پہاڑ جیسے بھاری اور ناقابل معافی گناہ کے بعد بھی برسوں تخت اژدر پر بیٹھا بڑے طمطراق سے بڑی بڑی سرزمینوں پر حکمرانی کرتا رہا۔ بڑی بڑی جنگیں جیتتا رہا۔ اور یہودی...... آہ مظلوم ومقہور یہودی! وہ اس کے زیر حکمرانی ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتتے ہوئے بابلیوں کی غلامی کے طوقوں کے بھاری بوجھ تلے سسکتے کراہتے رہے۔ ان کے زعما چاہِ بابل میں قید وبند کی سختیاں جھیلتے جیتے مرتے رہے۔ ربِّ موسیٰ وہارون کا یہ انصاف بھی خوب ہے! جن بندوں کو وہ اپنے محبوب ترین بندے کہا کرتا تھا۔ جنہیں اس نے اقوامِ عالم میں سربلند کیا۔ جن پر اس نے بے پایاں نوازشات وانعامات نازل کیے وہ اب یوں ایک کافر قوم کی غلامی کا عذاب بھگت رہے ہیں۔ وہ اب اپنے وطن واپس نہیں جاسکتے۔ ارضِ مقدس یروشلم کو دوبارہ آباد نہیں کرسکتے۔ ہیکل سلیمانی کو دوبارہ نہیں تعمیر کرسکتے۔ کتنے قابل رحم ہیں وہ! جانے اللہ کب تک اس ذلت وخواری کی زندگی کو ان کا مقدر بنائے رکھے گا!"

گوبارو نے یہودی سوداگر کے اس نالے کو انتہائی صبر وسکون کے ساتھ سنا۔ پھر جب

اس نے لب کشائی کی تو اس کا لہجہ اپنے اندر خاص معنی خیزیاں اور گہرائیاں سمیٹے ہوئے تھا۔
''تو جانتا ہے اے حزقی ایل کہ مجھے کس نے عیلام کا خوشتر پاداں (نائب) بنایا ہے؟''

یہودی سوداگر نے الجھن بھری نظروں سے اسے گھورا، ''اس ہخامنشی بادشاہ نے۔ کیوں؟''

''تو تیرے دل کے اندھیرے غاروں میں امید کی کوئی کرن کیوں نہیں جگمگاتی؟''
گوبارو کا لہجہ ملامت اور سرزنش کا رنگ لیے ہوئے تھا۔ ''کیا تیرے سدا کے قنوطی، مایوسیوں بھرے ذہن میں کسی خوش آئند خیال کی سرشاری نہیں پیدا ہوتی؟ تو آخر یہ کیوں سوچتا ہے کہ تیری قوم یونہی بابلیوں کی غلامی کے بوجھ تلے سسکتی کراہتی رہے گی؟ آزادی اور خودمختاری کی زندگی گزارنے کا حق اس سے ہمیشہ چھنا رہے گا؟ تو میرا یہ کتب خانہ دیکھتا ہی ہے۔ ان مٹی اور پتھر کی تختیوں پر، ان کھالوں پر تمام قدیم اقوامِ عالم کے عروج وزوال کی تاریخ محفوظ ہے۔ یہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کوئی قوم ہمیشہ سربلند نہیں رہتی اور نہ ہی کوئی قوم ہمیشہ پستی و مذلت کے گڑھوں میں گری رہتی ہے۔ ہر کمال کو زوال ہے اور ہر زوال کو کمال۔ یہ سائرس ہخامنشی جو ہے۔ اس کا باپ کمبی سس ایک قطعاً گمنام اور معمولی سا قبائلی سردار تھا۔ پارس گرد جیسی پہاڑوں میں گھری ہوئی ایک مختصر سی بستی کا حکمران۔ کسی کو کیا یہ معلوم تھا کہ اس ادنیٰ سے اور تقریباً گمنام سے حکمران کا فرزند آگے چل کر ایسا عظیم المرتبت اور پرشکوہ شہنشاہ بن جائے گا؟ معمولی سے سردار کمبی سس کے بیٹے نے میڈیا اور لیڈیا دونوں کو فتح کرلیا۔ میڈیا کا حکمران استیاگس اس کی قید میں کبھی کا زندگی کے جھمیلوں سے آزاد ہوچکا ہے۔ جبکہ لیڈیا کا حکمران کروئی سس اب اس کا ایک ادنیٰ سا مشیر بنا ہر جگہ اس کے ساتھ گھسٹتا پھرتا ہے یا اگبتانا میں پڑا رہتا ہے۔ اس نے باختریا سے مراکنڈا (موجودہ سمرقند) تک کا اور ساردیس سے یونانی ساحلوں تک کا علاقہ اپنی قلمرو میں شامل کرلیا ہے۔ چھوٹے بڑے تمام علاقوں کے حکمران اور سردار اس کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں اور اس کی

فوج کے عہدیدار بنے ہوئے ہیں۔ اب سے چند سال پہلے کیا کوئی مورخ یا وقائع نگار یہ سوچ سکتا تھا کہ اسی زمانے میں اچانک ہی ایسی تبدیلیاں جنم لیں گی کہ قدیم و پرشکوہ حکمران خانوادوں کے تخت یوں اچانک الٹ جائیں گے اور ان کی جگہ ایک قطعی غیر معروف سا شخص، ایک معمولی سا سردار سائرس ہخامنشی ایک عظیم و پرشکوہ حکمران اور بے مثل فاتح بن کر ابھرے گا؟"

"تو نے ٹھیک کہا۔" یہودی سوداگر نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔ "یہی قانونِ فطرت ہے کہ نہ کوئی طاقتور سدا طاقتور رہ سکتا ہے۔ نہ کوئی زیر دست سدا زیر دست۔"

"اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ زیر دستوں کو بعض زبردستوں کے ہاتھوں ہی اپنی ذلت و خواری کی زندگی سے نجات مل جایا کرتی ہے۔" گوبارو معنی خیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

یہودی سوداگر نے عمیق نگاہی سے اس کی طرف دیکھا۔

"تیرا مطلب کیا ہے سردار گوبارو؟"

"تو نہیں سمجھا؟" گوبارو نے تیز نظروں سے اسے گھورا۔ "میں نے تو سن رکھا تھا کہ یہودی بڑے تیز فہم ہوتے ہیں۔ سائرس ہخامنشی کے اس عروج سے تو کیا مطلب لیتا ہے؟"

یہودی سوداگر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اسے ایک جھٹکا سا لگا۔ پھر وہ ایک دم ہی چلا اٹھا۔

"میں سمجھ گیا! آہ میں سمجھ گیا۔ تیرا مطلب ہے سردار گوبارو کہ یہ ہخامنشی بادشاہ ہم یہودیوں کو بابلیوں کی غلامی سے نجات دلائے گا!"

"ہاں ہاں۔ لیکن یہاں سے چل۔ یہ جگہ ایسی باتیں کرنے کے لیے مناسب نہیں۔"

گوبارو بے صبری سے اسے سیڑھیوں کی طرف دھکیلتے ہوئے بولا۔

"سردار گوبارو۔" جب وہ دونوں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے فراخ کمرے میں، جہاں سورج کی روشنی نے خوب اجالا پھیلا رکھا تھا پہنچے تو یہودی سوداگر نے اپنے کپکپاتے

ہاتھ سے گوبارو کا بازو پکڑ لیا۔ ''رب موسیٰ وہارون کی قسم! ہم یہودی کبھی سائرس ہخامنشی کے اس احسان کو نہ بھولیں گے۔ لیکن کیا وہ واقعی ہمیں بابلیوں کی غلامی سے نجات دلا دے گا؟ کہیں وہ بھی دوسرے فاتحین کی طرح ہمیں اپنا غلام تو نہیں بنا لے گا؟''

''کیا باتیں کر رہا ہے تو اے حزقی ایل؟'' گوبارو ملامت بھرے لہجے میں بولا۔ ''اس ہخامنشی بادشاہ کی فتوحات کی پوری تاریخ تیرے سامنے کھلی پڑی ہے تو نے یہ کہاں دیکھا ہے کہ اس نے کسی مفتوح قوم کو اپنا غلام بنا لیا ہو؟ وہ ایک رحم دل فاتح ہے۔ وہ مظلوم اقوام کا نجات دہندہ ہے۔ اس کے زیر حکومت کسی پر جبر نہیں۔ کوئی کسی کا غلام نہیں۔ کسی کا زیر دست نہیں۔ تجھے کیا یہ سب کچھ دکھائی نہیں دیتا؟ آخر تو بھی تو اس کی وسیع وعریض سلطنت میں دور دراز کے تجارتی سفروں میں مصروف رہتا ہے۔''

لیکن یہودی سوداگر کی چوڑی پیشانی سے تفکرات کی شکنیں کم نہ ہوئیں۔

''تو جو کچھ کہہ رہا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ شاید اس ہخامنشی بادشاہ کے ہاتھوں بابل کے غلام یہودیوں کو اپنی اس ذلت آمیز زندگی سے نجات مل جائے۔ ان مظلوموں کو ان کا ہر ہمدرد مدتِ دراز سے یہی کہتا چلا آرہا ہے۔ ''مشرق کی طرف دیکھو۔ وہاں سے تمہارا نجات دہندہ آنے والا ہے۔'' اس نجات دہندہ کی آمد کی امید میں یہودی ہر روز کبار نہر کے کنارے کھڑے ہو کر مشرق کے پہاڑوں کو دیکھتے ہیں۔ لیکن سردار گوبارو...... ہخامنشی بادشاہ کے لیے بابل کی تسخیر کیسے ممکن ہو سکے گی؟ اس کی فصیلیں تو ناقابل شکست ہیں۔''

گوبارو کے آبرو پر تفکر انداز میں کمان ہو گئے۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے سر کو اوپر نیچے جنبش دی۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔ ''عظیم بخت نصر کی تعمیر کردہ دوہری فصیلیں ایمگور بل اور نمیتی بل ہر بڑے سے بڑے حملے کو روکنے اور طویل سے طویل محاصرے کا سامنا کرنے کی قوت رکھتی ہیں۔ ان کی بلندی آسمانوں کی خبر لا رہی ہے اور بنیادیں گویا پاتال تک چلی گئی ہیں۔ شہر میں داخلے کے جو پیتل کے بھاری بھرکم لمبے چوڑے

دروازے ہیں انہیں توڑا جانا ممکن نہیں ......" اس نے سر جھٹکا اور یہودی سوداگر کی طرف دیکھا۔ "لیکن پھر بھی ہخامنشی بادشاہ اپنا کام کرنا جانتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بابل فتح کرنے کے بعد وہ شاہ نبونائی کے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو اس نے استیاگس کے ساتھ کیا تھا۔ یعنی اسے عمر بھر کے لیے حوالہ زنداں کر دے گا۔ مگر اس کے بیٹے بل شزر کو وہ ہرگز معاف نہ کرے گا۔"

"میں نے سنا ہے کہ نبونائی نے بل شزر کو اپنے ساتھ حکومت میں شریک کر لیا ہے۔" یہودی سوداگر بولا۔ "یعنی اب ایک اقلیم میں دو بادشاہ ہو گئے ہیں۔ وہ اب اپنے ملک کے استحکام اور مضبوطی کی کوششیں کر رہے ہیں۔ انہوں نے غزہ سے سمندری ساحلوں تک پھیلی ہوئی تمام افواج کو بابل بلوا لیا ہے۔ رتھ بانوں، نیزہ بازوں اور تیغ زنوں کی بھاری تعداد اب بابل میں جمع ہو گئی ہے۔ ان کی ان فوجی تیاریوں کا مطلب یہی ہے کہ انہیں ہخامنشی بادشاہ کی طرف سے بابل پر حملے کا خطرہ ہے۔"

"حیرت ہے!" گوبارو بڑبڑایا۔ "میں نے تو سنا تھا کہ بل شزر اپنے باپ کا شدید ترین مخالف ہے۔ جسے وہ ایک کمزور اور نااہل حکمران سمجھتا ہے اور اس تاک میں لگا رہتا ہے کہ اس کی کسی نہ کسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسے معزول کر دے اور خود تخت اژدر پر بیٹھ جائے اور دوسرا بخت نصر بن جائے۔ بابلی مسلح افواج کی کمان اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے علاوہ اساگیلہ (ایوانِ مذہبی زعماء و عمائدین) کے عہدیداران کی تائید و حمایت بھی اسے حاصل ہے۔ شاید اب بابل کو یوں خطرے میں پا کر دونوں باپ بیٹوں نے اپنے اپنے اختلافات بھلا کر یوں ایکا کر لیا ہے۔"

"ہاں ......" یہودی سوداگر بولا۔ "نبونائی احمق شخص نہیں۔ اس نے کسی شاطر کا دماغ پایا ہے۔ تجھے معلوم ہی ہے کہ وہ عظیم بخت نصر کا کوئی حقیقی نواسہ نہیں۔ البتہ اس کی ماں جو حران میں سین دیوتا کے معبد کی پجارن تھی، کلدانی تھی۔ اور تجھے معلوم ہے ......" اس کے لہجے میں معنی خیزی پیدا ہو گئی۔ "اس نے زبرجد کی ایک تختی تیار کروائی ہے۔ جس پر اس نے

یہ پیش گوئی کندہ کروائی ہے۔ ''میرے قدموں میں سائرس ایرانی کا سر جھکے گا۔ اس کی تمام سلطنت میرے قبضے میں آ جائے گی۔ اس کے تمام خزائن میرے تصرف میں ہوں گے۔'' یہ تختی تیار کروا کے اس نے انتہائی ذہانت اور عیاری کا ثبوت دیا ہے۔ اس پر کندہ تحریر پڑھنے کے بعد اسا گیلہ کے درباریوں نے سمجھ لیا ہے کہ اس طریقے سے اس نے اپنے بیٹے بل شزر پر سبقت حاصل کرنے اور اس سے اس کا اعزاز چھیننے کی کوشش کی ہے۔ اگر بل شزر ہخامنشی بادشاہ پر کسی قسم کی فتح حاصل کرے گا تو اس کا اعزاز سیدھا اس کے باپ کو جائے گا۔ جس نے زبرجد کی اس تختی پر پہلے ہی سے اپنی فتح کی پیش گوئی کندہ کروا رکھی ہے۔''

گوبارو کے بردبار چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

نبونائی کی چالاکی میں واقعی کوئی کلام نہیں۔ میرا خیال ہے سائرس ہخامنشی جب اس تختی کو دیکھے گا تو ضرور اسے پڑھنا پسند کرے گا۔''

''وہ آج کل کیا کر رہا ہے۔ شمالی علاقوں کی مہمات سے تو وہ واپس آ چکا ہے۔''

''آج کل تو وہ کچھ نہیں کر رہا۔ اس لیے ہی تو تو مجھے یہاں اپنے علاقے میں دیکھ رہا ہے۔''

''وہ اگر بابل کے بے کس و مجبور یہودیوں کو بابلیوں کی غلامی سے نجات دلا دیتا ہے۔'' یہودی سوداگر کے لہجے میں امید و حسرت کا رنگ پیدا ہو گیا۔ ''تو ایسی صورت میں وہ اپنے وطن یروشلم واپس جا سکتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر وہ اپنے اجڑے ہوئے تباہ شدہ شہر کو دوبارہ تعمیر کر سکتے ہیں۔ شاید ہخامنشی بادشاہ انہیں ہیکل کے نوادرات بھی واپس دلا دے جو ظالم بخت نصر وہاں سے لوٹ لایا تھا۔ جنہیں اس نے اس نام نہاد ''دیوتاؤں کے زنداں'' میں سجا دیا تھا۔ اس زنداں میں تیرا دیوتا شوشینک بھی قید ہے۔''

''شوشینک کو اشور بنی پال یہاں اس کے معبد سے اٹھوا کر نینوئی لے گیا تھا۔'' گوبارو بولا۔ ''پھر عرصۂ دراز بعد، کوئی تین صدیوں بعد میرے آقا بخت نصر کا باپ نبوپلاسر بھاری فوج کے ساتھ نینوئی پر حملہ آور ہوا اور اسے تباہ و برباد کرنے کے بعد دوسرے دیوتاؤں کے

ساتھ شوشینک کو بھی اس کے معبد سے اٹھوا کر بابل لے گیا۔ بخت نصر نے مجھے عیلام دوبارہ آباد کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ لیکن شوشینک کو یہاں اس کے معبد میں واپس پہنچا دینے کی میری درخواست قبول نہ کی۔" اس نے اپنے ہاتھ زور زور سے آپس میں رگڑے "شاید سائرس ہخامنشی کی فتح بابل کے بعد شوشینک ہمیں واپس مل جائے۔ تو نے اس کا عظیم الشان معبد دیکھا ہی ہے۔ اس کے بغیر وہ کتنا اجاڑ اور سنسان معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں۔ تجھے کیا معلوم ہے کہ سائرس ہخامنشی کا بابل کی طرف کوچ کرنے کا کب تک ارادہ ہے؟"

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔ لیکن اس نے جب بابل کا قصد کیا تو میں ضرور اس کے ہمرکاب ہوں گا۔" گوبارو بولا۔

یہودی سوداگر جب اپنے میزبان سے رخصت ہو کر اس کے محل سے باہر نکلا تو اس کا کوزپشت غلام الیاسف جو صنوبر کے درختوں کے جھنڈ تلے بیٹھا اس کے مال اسباب سے لدے گدھوں اور خچروں کی نگرانی کر رہا تھا، اس کے پاس چلا آیا۔

"اب کیا کوچ کیا جائے مالک؟"

"ہاں ...... اور ہمارا سفر ذرا تیزی سے ہونا چاہیے۔"

کوزپشت الیاسف نے فوراً ہی اس کی سواری کا خچر اس کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔

یہودی سوداگر اس پر سوار ہو گیا۔

الیاسف نے مال بردار جانوروں کو سڑک کی طرف ہنکایا اور اپنے گدھے پر سوار اس قافلے کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

یہودی سوداگر حزقی ایل بابل کا قدیم باشندہ تھا۔ اس کا خاندان جو بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے ایک قبیلہ بنی نفتالی کی ایک شاخ تھا۔ صدیوں پہلے دشت تیہ سے نکل کر بابل کے نواح میں آ کر آباد ہوا تھا۔ اس خاندان نے وہاں رہتے ہوئے زمانے کے سرد

وگرم جھیلنے کے ساتھ ہی یہودیوں کی مخصوص ہوشیاری، عیاری، ذہانت، موقع شناسی اور مصلحت کوشی سے کام لیتے ہوئے نہ صرف تجارت وکاروبار کے میدان میں بے حد ترقی کی تھی بلکہ شاہانِ وقت کے درباروں میں اعلیٰ عہدے اور اثر ورسوخ بھی حاصل کیا تھا۔ شاہانِ وقت کے مزاجوں میں دخیل بھی رہے تھے۔ لیکن پھر اس خاندان کے افراد نے مصر، کنعان اور صحرائے عرب ہجرتوں کا سلسلہ شروع کردیا جس کے نتیجہ میں بابل میں ان کی تعداد بتدریج کم ہونے لگی۔ یہاں تک کہ نبوپلاسر، بخت نصر کے باپ کے زمانے میں وہاں صرف حزقی ایل کا خاندان ہی باقی رہ گیا۔ اس کا خاندان باپ ماں اور دو بہنوں پر مشتمل تھا۔ اس کی بہنیں عمر میں اس سے چھوٹی تھیں۔ اس کا باپ بے حد دولت مند تاجر تھا جو دور دراز کے تجارتی سفروں پر جایا کرتا تھا۔ اس کے گھر میں دولت کی ریل پیل تھی۔ محل نما رہائش گاہ میں بے شمار کنیزیں اور غلام تھے۔ شاہانہ طرزِ رہائش تھی۔ اس کے باپ ارمیاہ کی شاہِ بابل نبوپلاسر کے دربار تک رسائی تھی۔ لیکن وہ کوئی باقاعدہ درباری نہیں تھا۔ نہ ہی سرکاری سطح پر کسی اثر ورسوخ کا حامل تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبوپلاسر یہودیوں کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں اس کے مقبوضہ علاقوں اور فلسطین میں یہودیوں نے فتنہ فساد شر انگیزی، بدامنی اور غارت گری کا بازار گرم کیے رکھا جس پر اسے بار باران کی سرکوبی کے لیے فوجیں بھیجنی پڑتی رہیں۔ یہودیوں کے خلاف اکثر مہمات کی کمان خود اس نے بھی کی۔ اس نے باہر کے یہودیوں کی بابل اور نواحی شہروں میں آبادکاری بھی روک دی اور وہاں صدیوں سے آباد بے شمار یہودی خاندانوں کو ملک بدر کردیا۔ ارمیاہ کا خاندان اس جلا وطنی سے محفوظ رہا۔ اس وجہ سے کہ ایک تو اس کے افراد ہی گنے چنے تھے دوسرے ارمیاہ کا دامن حکومت وقت کے خلاف کسی سازش، ریشہ دوانی اور شر انگیزی سے آلودہ نہیں تھا۔ لیکن یہ ضرور ہوا کہ بابل اور نواحی شہروں میں باقی رہ جانے والے یہودیوں کی طرح اس کا مال ودولت اور املاک بحق سرکار ضبط کرلی گئیں۔ ان کے پاس صرف رہائش گاہیں ہی باقی رہنے دی گئیں۔ لیکن ان یہودیوں نے جلد ہی تجارت وکاروبار کے ذریعے اپنے لیے پھر

دولت کے انبار جمع کر لیے اور پہلے کی مانند شان وشوکت سے رہنے لگے۔ نبو پلاسر کے بعد اس کا بیٹا بخت نصر یا نبوکد نصر بابل اور نواحی علاقوں کا حکمران بنا۔ اس وقت حزقی ایل کے باپ ارمیاہ کو انتقال کیے کافی مدت گزر چکی تھی۔ اور حزقی ایل جوانی کی عمر کو پہنچ چکا تھا۔ اپنے باپ کی طرح وہ بھی بڑا ہوشیار اور لائق تاجر تھا۔ ارمیاہ نوعمری ہی سے اسے اپنے ساتھ دور دراز کے تجارتی سفروں پر لے جاتا تھا اور اسے تجارتی وکاروباری گر بتایا کرتا تھا۔ ان سفروں نے حزقی ایل میں شوقِ سیادت پیدا کر دیا تھا۔ اگر کاروباری سفر درپیش نہ ہوتے تب میں وہ اکثر بابل سے باہر دور دراز کے علاقوں کی سیاحت کرنے ان کے سیاسی تمدنی معاشرتی معاشی ومذہبی حالات کی تاریخ کا علم حاصل کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ ان سیاحتی سفروں نے جہاں اس کے علم وفضل میں اضافہ کیا وہاں مختلف ملکوں کے باشندوں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے میں بھی مدد دی۔ ان میں سے اکثر اپنے ملکوں کے اہم حکومتی عہدیدار اور بارسوخ افراد تھے۔ اپنے علاقوں کے نائب، مذہبی زعماء، افواج کے سالار، امراء ووزراء تھے۔ ان سے میل جول نے حزقی ایل کو بے حد فائدہ پہنچایا تھا۔ تجارتی میدان میں اسے ہر جگہ خاص مراعات حاصل ہوگئی تھیں اور ہر طرح سے تحفظ بھی۔

حزقی ایل کی دونوں چھوٹی بہنوں کی شادیاں بابل ہی میں اعلیٰ اور معزز یہودی خاندانوں میں ہوگئیں۔ خود اس نے اپنی ماں کے بے پناہ اصرار کے باوجود کافی عرصہ تک شادی نہ کی۔ بلکہ کاروباری سفروں اور سیر وسیاحت ہی میں مصروف رہا۔ اس دوران بابل کی اپنی ہمسایہ ریاستوں سے چھوٹی بڑی جنگیں ہوتی رہیں۔ اس کے مقبوضات کی سرحدوں پر یہودی اودھم مچاتے اور شر انگیزی کرتے رہے۔ جس پر بابل کی طرف سے ان کے خلاف فوجیں بھیجی جاتی رہیں۔ بخت نصر خود ایک مرتبہ زبردست فوج لے کر یہودیوں کی سرکوبی کے لیے گیا۔ اس نے اہل میڈیا اور اہل مصر کے خلاف بھی جنگیں لڑیں۔ یہودیوں کو کچلنے کے لیے اس نے یروشلم پر جو حملہ کیا تو اس نے ان کی قسمت کا فیصلہ اس طرح کیا کہ یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ ہیکل سلیمانی پیوند زمین ہوگیا۔ یہودی بادشاہ صدقیا سمیت

لاکھوں یہودی غلام بنا کر بابل لے جائے گئے۔ یہودی بادشاہ وزعماء کو چاہ بابل میں قید کر دیا گیا جبکہ یہودی مرد عورتوں اور بچوں کو بابلیوں کی غلامی میں دے دیا گیا۔ اس طرح کہ ہر بابلی گھرانے کو کوئی نہ کوئی یہودی غلام یا کنیز مل گئی۔ جو یہودی ایسی غلامی سے بچ رہے انہیں ادھر ادھر بیگار بھگتنے پر لگا دیا گیا۔ ان کی حالت سب سے بدتر تھی۔ لیکن انہی میں سے بے شمار یہودی ایسے تھے جنہوں نے اپنی فطری ہوشیاری، چالاکی اور ذہانت کو بروئے کار لاتے ہوئے چھوٹے پیمانے پر خرید وفروخت تجارت اور کاروبار شروع کر دیے اور ترقی کرتے کرتے بڑے امیر کبیر کاروباری اور تاجر بن گئے۔ انہوں نے بابل، سپار، حران اور اروک میں جائیدادیں خرید لیں مقامی عورتوں سے شادیاں رچالیں اور وہیں بس گئے۔ ان کی اولادیں وہیں پھلنے پھولنے اور صنعت وحرفت وتجارت وکاروبار کے میدانوں میں قدم جمانے اور مال ودولت بنانے لگیں۔ ان یہودیوں کو دوسرے یہودیوں کے برعکس اپنے وطن یروشلم کی یاد ایسا نہ ستاتی تھی۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ انہیں اپنے وطن جانے اور اسے پھر سے آباد کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن وہ بھی اپنے لیے کوئی نجات دہندہ ضرور چاہتے تھے۔ جو انہیں مکمل طور پر شخصی ومذہبی آزادی دلا سکے۔ یروشلم سے بخت نصر کے لوٹ کر لائے ہوئے ہیکل سلیمانی کے نوادرات انہیں واپس دلا دے۔ یہودیوں کو اپنے وطن واپس جانے کی آزادی دے دے۔ حزقی ایل ایسے ہی یہودیوں میں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یروشلم اب برسہا برس سے بخت نصر کی موت کے عرصۂ دراز بعد تک سے بھی کھنڈر اور ملبے کا ڈھیر بنا چلا آرہا تھا۔ ہیکل سلیمانی کے تو آثار بھی مٹ چکے تھے۔ وہ پیوند زمین ہو چکا تھا۔ اس کی بے شمار مقدس اشیاء اور انبیاء کی یادگاروں کے ساتھ ہی تابوتِ سکینہ بھی جانے کہاں گم، غائب ہو چکا تھا جس میں موسیٰ وہارون علیہم السلام کے تبرکات، من کا مرتبان سلویٰ کی ہڈیاں اور اصل تورات کا نسخہ محفوظ تھا۔ یروشلم کی تباہی کے بعد غلام بنا کر بابل لائے گئے یہودی پیغمبروں عمائدین وزعماء نے جس تورات کو جمع کیا تھا وہ اصل تورات کے وہ اسباق تھے جو ان کے حافظے میں محفوظ تھے۔ یہ تورات اپنی اصل اور مکمل صورت کی نہیں تھی۔ پھر بھی یہودی اسے

غنیمت سمجھتے تھے۔ یروشلم کی تباہی کے وقت جو یہودی وہاں سے جانیں بچا کر ادھر اُدھر بھاگ لیے تھے اور بابلیوں کی غلامی سے بچ گئے تھے۔ انہوں نے بعد میں واپس آ کر ہیکل سلیمانی کی بنیادیں تلاش کرنے اور تابوتِ سکینہ کا کھوج لگانے کی اپنی سی کوششیں کی تھیں۔ لیکن انہیں ناکامی ہی ہوتی رہی تھی۔ ایسے ہی یہودیوں نے تباہ شدہ یروشلم کے کھنڈرات اور ملبے کے ڈھیروں کو کچھ صاف کر کے وہاں اپنی بستیاں بسا لی تھیں۔ ان کی تعداد ایک تو بہت کم تھی۔ پھر ان کی معاشی حالت بھی ایسی نہ تھی کہ وہ یروشلم کو پھر سے اٹھا کھڑا کرتے۔ ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو کرتے۔ اس کے لیے ان کی نظریں اپنے انہی ہم کیشوں پر مرتکز تھیں جو بابل میں خوب پھل پھول رہے تھے اور اپنے لیے مال و دولت کے ڈھیر جمع کر رہے تھے۔ لیکن بابلی یہودیوں کی کثیر تعداد اس حق میں نہ تھی کہ اس کھنڈر بنے شہر کی تعمیر نو کے لیے اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی ہوئی دولت صرف کرے۔ صحیح مذہبی راہنمائی نہ ملنے کے سبب انہیں ویسے بھی اپنے مذہب سے اتنا لگاؤ نہ رہ گیا تھا۔ انہوں نے صرف دولت کمانے کو ہی اپنا مقصد حیات سمجھ لیا تھا۔ اور بابل کو اپنا وطن۔

پھر اپنی ماں کے پیہم اصرار پر حزقی ایل نے شادی کر لی۔ اس کی بیوی سپار کے نہایت امیر کبیر یہودی خاندان سے تعلق رکھتی تھی جو اسی کے خاندان کی مانند صدیوں سے وہاں آباد تھا۔ اس کی شادی کے تھوڑے عرصہ بعد اس کی ماں انتقال کر گئی۔ اب اتنے بڑے شاندار مکان میں وہ اور اس کی بیوی ایارخہ تنہا رہ گئے۔ ایارخہ حسین بھی تھی اور مغرور اور بد دماغ بھی۔ جس کے ہاتھوں گھر کی تمام کنیزیں اور غلام تنگ رہتے تھے۔ اس کی بدکلامی، بدمزاجی اور آئے دن کے لڑائی جھگڑوں سے حزقی ایل بھی بے حد تنگ رہتا تھا۔ لیکن فطرتاً وہ متحمل مزاج اور ٹھنڈے دل و دماغ کا مالک تھا۔ اس لیے ان کے تعلقات بگاڑ سے بچے رہے۔ ایارخہ کی تنہائی کے خیال سے حزقی ایل خود تجارتی سفروں پر نہ جاتا تھا بلکہ اپنے معتمد ملازموں کو مالِ تجارت دے کر ان سفروں پر بھیج دیتا تھا۔ اس طرح اسے خاطر خواہ منافع نہ ہوتا تھا لیکن وہ اسے غنیمت سمجھتا تھا۔

ایارخہ سے شادی کو کئی سال گزرنے کے باوجود حزقی ایل اولاد کی نعمت سے محروم رہا۔ لیکن اس پر بھی وہ صابر و شاکر تھا۔ اس نے کبھی ایارخہ سے اس کی شکایت نہ کی نہ اسے کچھ کہا۔ لیکن اب یہ ضرور ہونے لگا کہ اس نے اپنے تجارتی قافلوں کے ساتھ خود بھی دور دراز کے سفروں پر جانا شروع کر دیا۔ ایسے مواقع پر ایارخہ یا تو اپنی ماں بہنوں کو اپنے پاس بابل بلوا لیتی تھی یا خود ان کے پاس سپار چلی جاتی تھی۔ یوں حزقی ایل اس کی طرف سے مطمئن رہتا تھا۔

اپنے زمانۂ حکومت میں بخت نصر نے بابل کے دفاع کے لیے دوہری فصیلیں ایمگور بل اور نمیتی بل تعمیر کروائی تھیں۔ ان میں پیتل کے بھاری بھرکم بڑے بڑے دروازے نصب تھے جن کا توڑا جانا ممکن نہیں تھا۔ ایمگور بل کے بڑے بڑے پشتوں اور پھاٹکوں کے قریب سے جن پر ہر دم مسلح محافظوں کا پہرہ رہتا تھا۔ ایک نہر، کبار نہر بہتی تھی۔ جس کے کنارے ہر دم موت اپنا راگ الاپتی رہتی تھی۔ بابل کے محکمہ جاسوس کے سربراہ ریموت کے آدمی ہر روز گلیوں بازاروں میں گھوم پھر کر یہودی فقیروں، کوڑھیوں، اندھوں، فاقہ مست معذوروں اور بیماروں کو ہانک کر اس جگہ بھیج دیتے تھے۔ ریموت اپنے ان آدمیوں کو ''صفائی کرنے والا عملہ'' کہا کرتا تھا۔ یہ عملہ شہر بھر سے بھانت بھانت کے غلیظ انسانوں کو اکٹھا کر کے انہیں ایمگور بل کے مشرقی دروازے سے نیچے نہر کے کنارے بلند ہوتے ہوئے کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں کی طرف دھکیل دیتا تھا۔ اور انہیں حکم دیتا تھا کہ وہاں بیٹھ کر اپنا پیٹ بھر لیں۔ کوڑے کرکٹ کے ان ڈھیروں کے پاس بیٹھ کر یہ غلیظ لوگ اپنے سروں پر منڈلاتی کرگسوں کو اپنے کمزور بازوؤں سے مسلسل دور ہٹانے کی کوششیں کرتے رہتے تھے۔ اور راہ گیروں سے بڑی دردناک آواز میں بھیک مانگا کرتے تھے۔ کوئی راہ گیر رحمدلی کے جذبات سے مغلوب ہو کر کانسی کا ایک چھوٹا سا سکہ ان کی طرف اچھال دیتا تھا تو اسے چھیننے کے لیے آپس میں کتوں کی طرح لڑنے لگتے تھے۔

بابل کے امیر کبیر یہودی اپنے ان ہم کیشوں سے کوئی ہمدردی نہ رکھتے تھے۔ وہ ان

کے ساتھ دھتکارے ہوئے کتوں جیسا سلوک کرتے تھے اور ان کے قریب سے یوں گزر جاتے تھے گویا وہ اچھوت تھے۔ یا انہیں ان سے کوئی بیماری آ چمٹنے کا ڈر رہتا تھا۔ لیکن اسی نہر کے کنارے کوڑے کرکٹ کے عظیم ڈھیروں سے ہٹ کر یہودی زعماء نے ایک تنگ وتاریک سا کمرہ بنا رکھا تھا۔ جسے وہ اپنی عبادت گاہ کہا کرتے تھے۔ اس کمرے کی تاریکیوں میں بابل کے سرکردہ یہودی عبادت کے بہانے درحقیقت حکومت بابل کے خلاف سازشیں تیار کیا کرتے تھے۔ اور اس سلسلے میں ایسی کڑی راز داری برتتے تھے کہ ریموت کے آدمی باوجود کوشش کے ان کی سازشوں کی بو نہ سونگھ پاتے تھے۔ حزقی ایل کبار نہر کے کوڑے کے ڈھیروں پر منڈلاتے غلیظ یہودی فقراء ومساکین کی طرف جانے سے حتی الامکان گریزاں رہتا تھا۔ لیکن اس تنگ وتاریک کمرے میں ضرور جایا کرتا تھا جہاں عبادت کے بہانے بابلی حکومت کے خلاف سازشیں تیار ہوا کرتی تھیں۔ اس سے پہلے اس کا باپ اس سازش گاہ میں منعقد ہونے والی خفیہ مجالس میں شرکت کیا کرتا تھا۔ اب اس کی موت کے بعد حزقی ایل نے اس کی جگہ لے لی تھی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر تھی کہ بابلی یہودی خواہ وہ امیر تھے یا غریب اپنے دلوں میں بابلیوں کے خلاف شدید نفرت کے جذبات رکھتے تھے۔ اور ان کی غلامی سے چھٹکارا پانا چاہتے تھے۔ اس تنگ وتاریک کمرے میں اسی مقصد کے لیے تدبیریں سوچی اور سازشیں تیار کی جاتی تھیں۔ جو عرصہ دراز گزرنے کے باوجود کوئی نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی تھیں۔

اندرونِ شہر چونکہ یہودیوں کو اپنے معبد بنانے کی ممانعت تھی۔ اس لیے انہوں نے کبار نہر کے کنارے جب عبادت گاہ کے نام پر یہ چھوٹا سا کمرہ بنایا تھا تو اس پر حکومت وقت نے کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ یہ کمرہ اتنا چھوٹا سا اور تنگ وتاریک سا تھا کہ ایک ہی وقت میں بہت کم لوگ اس میں سما پاتے تھے۔ پہلے پہل تو شہر کے یہودی ٹکڑیوں کی صورت میں جا جا کر اس میں عبادت کرتے رہے جو ربیوں اور کاہنوں کی نگرانی اور اقتدا میں کی جاتی تھی۔ پھر ان کی جانب سے ان کی وہاں آمد کی حوصلہ شکنی کی جانے لگی۔ جس پر عام

یہودیوں نے آہستہ آہستہ وہاں جانا چھوڑ دیا۔ وہاں اب امیر کبیر اور سرکار دربار میں کچھ اثر ورسوخ رکھنے والے یہودی ہی حاضری دینے لگے۔ یہ حاضری اس طرح ہوتی تھی کہ انہیں اس معبد کے ''ربیوں'' اور ''کاہنوں'' کی طرف سے خفیہ طور پر وہاں پہنچنے کے لیے پیغامات بھیجے جاتے تھے۔ جس پر وہ سب وقت مقررہ پر وہاں حاضری دینے پہنچ جاتے تھے۔ پھر وہاں بے حد دھیمی آوازوں اور سرگوشیوں میں جو مختلف النوع سازشوں کے تانے بانے بنے جاتے تھے انہیں ریموت کے جاسوس باوجود سرتوڑ کوششوں کے سننے سمجھنے سے قاصر رہتے تھے۔ وہ اپنی ان کوششوں میں ناکامی پر ریموت کو آ کر یہی خبر دیا کرتے تھے کہ یہودی واقعی وہاں عبادات کے لیے ہی جمع ہوتے تھے۔ اپنی مقدس کتاب کے ابواب پڑھتے تھے۔ لیکن ریموت کو یہ اطلاعات ہرگز مطمئن نہ کرتی تھیں۔ وہ انتہائی چالاک اور اڑتی چڑیا کے پر گننے والا آدمی تھا۔ اس نے بابل کے محکمہ جاسوسی کا سربراہ بننے سے پہلے ہی یہودیوں کی اس نام نہاد عبادت گاہ پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ اس نے عام یہودیوں کو وہاں عبادت کے لیے جاتے پھر ان کے بجائے بابل کے سرکردہ امیر کبیر یہودیوں کو وہاں آمد ورفت رکھتے دیکھا تھا تو چونک اٹھا تھا۔ اس نے تاڑ لیا تھا کہ اس عبادت گاہ میں عبادت نہیں بلکہ ایسے کام ہو رہے تھے جو بابلی حکومت کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے تھے۔ اس نے پہلے خود ان کاموں کی سن گن لینے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہا تھا پھر جب وہ محکمہ جاسوسی کا سربراہ بن گیا تو اس نے اپنے نہایت ہوشیار اور چالاک آدمیوں کو اس عبادت گاہ میں برپا ہونے والے یہودیوں کے ان خفیہ اجتماعات کی سن گن لینے پر مقرر کر دیا۔ اس کے آدمی بھی اس کی بدقسمتی سے اب تک ان یہودیوں کے خلاف کسی قسم کے ثبوت حاصل نہ کر سکے تھے۔ جس پر ریموت نے یہ کیا تھا کہ ان تمام سرکردہ یہودیوں کی نقل وحرکت کی نگرانی کروانی شروع کر دی تھی۔ حزقی ایل اس نگرانی سے اس لیے بچا رہ گیا تھا کہ ایک تو وہ اپنے تجارتی سفروں کی وجہ سے بابل سے زیادہ تر غیر حاضر رہتا تھا۔ پھر وہ اس معبد کا کوئی باقاعدہ حاضری دینے والا نہیں تھا۔ وہ اس معبد میں ایسے خفیہ اجتماعات کو خطرناک سمجھتا تھا۔ وہ کئی مرتبہ وہاں اجتماعات میں سب کو

خبردار کر چکا تھا کہ انہیں اس مخصوص تنگ و تاریک کمرے کے بجائے کسی اور محفوظ جگہ پر ایسے خفیہ اجتماعات برپا کرنے چاہئیں۔ بصورت دیگر ان کے ساتھ ہی بابل اور نواحی شہروں کی تمام یہودی آبادی بھی حکومتی غیظ وغضب کی لپیٹ میں آ جائے گی۔ لیکن اس کی تنبیہات پر اب تک کوئی توجہ نہ دی گئی تھی۔

اس شام حزقی ایل اسی معبد یا سازش گاہ میں حاضری دینے کے بعد کبار نہر کے کنارے بکھرے ہوئے کوڑے کے ڈھیروں اور غلیظ کوڑھیوں بھک منگوں فقیروں کے جھمگٹوں سے بچتا بچاتا واپس جا رہا تھا کہ اسے کوڑے کے نیچے سے ایک ڈھیر کے قریب کچھ فقراء و مساکین کسی چیز کے گرد حلقہ بنائے کھڑے دکھائی دیئے۔ ان میں ہنسی قہقہوں کی آوازیں بھی بلند ہو رہی تھیں اور باتوں کی بھی۔ حزقی ایل از راہِ تجسس ان کی طرف بڑھ گیا۔ اسے دیکھ کر غلیظ لوگوں کی ٹولی ایک طرف ہٹ گئی۔ حزقی ایل نے دیکھا وہاں کوڑے کے ڈھیر کے نیچے ایک نومولود بچہ کپڑوں میں لپٹا ہوا پڑا تھا۔ شاید کوئی بن بیاہی ماں اپنا گناہ چھپانے کے لیے اسے وہاں ڈال گئی تھی کہ وہاں وہ کتوں اور گدھوں کی خوراک بن جائے۔ حزقی ایل نے کسی نامعلوم جذبے سے مغلوب ہو کر آگے بڑھ کر اسے اٹھا لیا اور اسے اپنی آستین میں لپیٹ کر سینے سے لگائے تیز تیز چلتا ہوا ایمگو ربل کے پشتے عبور کر کے شہر میں داخل ہو گیا اس نے ان غلیظ بھک منگوں، فقیروں، رذیلوں کے تمسخرانہ قہقہوں اور فقرہ بازیوں کی طرف سے کان بند کر لیے تھے۔ شہر میں داخل ہو کر وہ جان پہچان کے لوگوں سے چھپتا، بچتا اپنے گھر پہنچ گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کا سامنا اپنی بیوی ایارخہ سے ہوا۔ اس نے اسے اس بچے کے بارے میں بتایا اور اپنا فیصلہ سنایا کہ وہ اس کی پرورش کرے گا۔ اسے اپنا بیٹا بنا کر رکھے گا۔ وہ بھی اسے ماں کی محبت اور پیار دے، وہ دونوں بے اولاد تھے۔ اس بچے کی صورت میں اللہ نے انہیں گویا اولاد کی نعمت سے سرفراز کر دیا تھا۔ اس لیے انہیں اس کی قدر کرنی چاہیے اور اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ ایارخہ یوں ایک بے حسب ونسب بچے کی زبردستی کی ماں بنائے جانے پر بے حد چراغ پا ہوئی۔ اس نے اس سے شدید جھگڑا کیا۔ اور

اسے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ ہرگز ہرگز اس کسی کے گناہ کے پھل کو اپنے گھر میں نہیں برداشت کر سکتی۔ وہ اسے جہاں سے اٹھا لایا تھا وہیں ڈال آئے۔ اس نے حزقی ایل کو ایسی ایسی دھمکیاں دیں اور ایسا ادھم مچایا کہ تنگ آ کر اس نے اس بچے کو بیٹا بنا کر رکھنے کے بجائے غلام بنا کر رکھنے پر رضامندی ظاہر کردی۔ چنانچہ وہ بچہ کنیزوں اور غلاموں کے درمیان پرورش پانے لگا۔ حزقی ایل نے اس کا نام الیاسف رکھا تھا۔ وہ ایک بے حد خوب صورت بچہ تھا۔ اس کا رنگ خوب سرخ وسفید اور آنکھیں بڑی بڑی اور روشن تھیں۔ اس کی ناک ٹھوڑی اور ہونٹوں کی بناوٹ اس کے یہودی النسل ہونے کی گواہی دیتے تھے۔ وہ چند ماہ کا ہوا تو ایک کنیز کی گود سے گر گیا۔ اسے زخم اور چوٹ تو زیادہ نہ لگے۔ لیکن اس کی پشت پر کوبڑ ابھر آیا اور وہ کوزپشت ہوگیا۔ حزقی ایل اس پر خصوصی توجہ دیتا تھا۔ بڑے ہونے پر اس نے اسے یہودیوں کے خاص مدرسے میں داخل کروا دیا جہاں وہ بڑی محنت سے ہر طرح کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ حزقی ایل کی بیوی کو اس کی طرف حزقی ایل کی ایسی توجہ ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ ہمیشہ الیاسف سے چڑی رہتی تھی اور اس سے نہایت ہتک آمیز سلوک کرتی تھی اور کبھی کبھی اس کی پٹائی بھی کر ڈالتی تھی۔ پھر چند سال گزرنے کے بعد جب خدا نے اسے ایک حسین وجمیل بیٹی حرقا سے نوازا اور وہ بھی بڑی ہو کر ہر دم کبڑے الیاسف سے چمٹی رہنے لگی تو ایارخہ کی الیاسف سے نفرت میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ وہ حرقا کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کرتی اور اس سے اس کی غیبت اور مذمت کرتی رہتی لیکن حرقا پر کوئی اثر نہ ہوتا وہ الیاسف کے ساتھ کھیلنے کودنے ملنے جلنے سے کبھی باز نہ آتی۔ جو اس کے لیے بڑا پرخلوص اور محبت کرنے والا ہجولی تھا۔ جو ہر کام اس کی مرضی کے مطابق کرتا تھا اور اس کی خوشی خوشنودی کو عزیز رکھتا تھا۔

پھر الیاسف نے مدرسے کی تعلیم مکمل کرلی۔ حزقی ایل نے اسے اروک بھجوا کر گھڑ سواری اور سپاہیانہ تربیت بھی دلوا دی۔ جوانی کو پہنچ کر الیاسف بے حد وجیہہ وحسین نوجوان نکلا تھا۔ وہ کوزپشت ہونے کے باوجود دراز قد تھا۔ طاقت ور اور مضبوط جسم کا مالک تھا۔ حزقی

ایل اسے عمدہ لباس پہنواتا تھا اور بڑے آرام وآسائش سے رکھتا تھا۔ الیاسف حسین اور وجیہہ ہونے کے ساتھ ہی بے حد عمدہ اخلاق واطوار کا مالک بھی تھا۔ وہ بے حد شریف طبع، نیک فطرت، نرم دل، بہادر اور ہر کسی کے کام آنے کا جذبہ رکھنے والا تھا۔ اسے لوگوں کی زبانی اپنی اصلیت کا علم ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ حزقی ایل کا بے حد ادب واحترام کرتا تھا اور اس کا خوب اطاعت گزار اور تابع فرمان تھا۔ اپنے دل میں اس کے لیے بے پناہ احسان مندی کے جذبات رکھتا تھا۔ اس کی بیوی ایارخہ کے ادب واحترام میں بھی کوئی کمی کوتاہی نہ کرتا تھا۔ اس کے ظلم اور ناروا سلوک کو خاموشی اور صبر سے جھیل لیتا تھا۔

پھر حزقی ایل کی بیوی ایارخہ انتقال کر گئی۔ اس وقت تک حرقا عنفوانِ شباب کو پہنچ چکی تھی۔ اور بے حد حسین وجمیل دوشیزہ بن چکی تھی۔ حزقی ایل اور ایارخہ نے اسے زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے ساتھ ہی بہترین ادب آداب سکھائے تھے۔ عمدہ اطوار اور رکھ رکھاؤ کی تعلیم دی تھی۔ اس لیے اس میں شاہانہ وقار جیسی جھلک تھی۔ غرور وتکبر تھا۔ لیادیا پن اور تمکنت تھی۔ بابل کے سرکردہ یہودی خاندانوں کے حسین وطرحدار لائق فائق نوجوان اور غیر یہودی امیر کبیر خاندانوں کے شہزادے، نواب زادے، اعلیٰ فوجی عہدیدار اس سے شادی کے تمنائی تھے۔ لیکن اس نے ابھی تک کسی کو پسند نہ کیا تھا۔ پھر حزقی ایل بھی اتنی جلد اس کی شادی کر دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس کے اس فیصلے کی ایک وجہ بابل کے سیاسی حالات بھی تھے۔

حزقی ایل اب الیاسف کو اپنے ساتھ تجارتی سفروں پر لے جانے لگا تھا۔ باہر کے علاقوں کے لوگ جہاں اس کی بے پناہ مردانہ وجاہت سے مرعوب ہوتے تھے وہاں اس کے کبڑے پن پر اس سے ہمدردی بھی محسوس کرتے تھے۔ بابل میں تو اس کے کبڑے پن کا نقص لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے ترس اور ہمدردی کے جذبات ابھارنے کے ساتھ ساتھ انہیں اس کا مضحکہ اور تمسخر اڑانے پر بھی مجبور کر دیتا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے اس کی ذات لوگوں کے لیے قابل رحم وہمدردی ہونے سے زیادہ ان کے بھونڈے مذاق وتضحیک کا

ہدف بنی رہتی تھی۔ مزید برآں لوگ اکثر اسے کوڑا کرکٹ کے ڈھیروں کی پیداوار، ناجائز اولاد ہونے کا طعنہ دے دے کر بھی اسے چھیڑتے اور چڑاتے رہتے تھے۔ وہ جب کم عمر تھا تو اپنی اس تضحیک وتحقیر پر اکثر رونے لگتا تھا۔ بے حد شرمندگی اور ندامت محسوس کرتا تھا۔ لیکن اب اس نے ان سب باتوں کی پرواہ کرنی چھوڑ دی تھی۔ وہ کسی کو جواب نہ دیتا تھا نہ لڑائی جھگڑا کرتا تھا۔ اس کا یہ رویہ دیکھ کر لوگ بھی اب اسے کم ہی چھیڑتے اور ستاتے تھے۔

حزقی ایل کی الیاسف سے محبت ویسی ہی پہلے جیسی تھی۔ اب تو وہ اسے بیٹے کی طرح عزیز رکھتا اور اس سے نہایت شفقت ومحبت برتتا تھا۔ بیوی کی موت کے بعد اب اس کے لیے اپنے جذبات ظاہر کرنے میں کوئی روک ٹوک نہ رہی تھی۔ اس کی الیاسف سے بے پایاں محبت شفقت اور خبر گیری ووابستگی دیکھ کر گھر کے غلام اور کنیزیں اور حزقی ایل کے دوست احباب کبھی کبھار اس شک میں مبتلا ہوجاتے تھے کہ کہیں الیاسف حزقی ایل ہی کی اولاد تو نہیں تھا؟ لیکن اس کی بے داغ جوانی، سلیم الفطرتی اور پارسائی کی زندگی اس شک کی نفی کردیتے تھے۔ ایسا ہی شک کبھی کبھار الیاسف کے ذہن میں بھی پیدا ہوا کرتا تھا۔ لیکن وہ اسے فوراً ہی جھٹک دیتا تھا۔ اس نے حزقی ایل کی تمام تر پدرانہ شفقتوں کے باوجود کبھی اس سے بیٹے کی طرح بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کی تھی۔ نہ اسے کبھی باپ کہہ کر پکارا تھا۔ بلکہ وہ اسے ہمیشہ اپنا آقا اور مالک سمجھتا اور اسے ان ہی القابات سے پکارتا تھا۔ حزقی ایل نے اس پر کبھی اعتراض بھی نہ کیا تھا۔ جہاں تک اس کی بیٹی حرقا کا تعلق تھا تو اس کے تعلقات الیاسف سے ویسے ہی تھے جیسا کہ بچپن میں ہوا کرتے تھے وہ اب بھی اسے اپنے ایک مخلص دوست اور ہمدرد کا مقام دیتی تھی اور اپنے دکھ درد سب اسے سنایا کرتی تھی۔ اُسے اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ الیاسف اس کے گھر میں کیا مقام رکھتا تھا نہ ہی اس سے کوئی مطلب تھا کہ اس کا حسب نسب کیا تھا۔ وہ اس سے ایک بے غرض و پر خلوص، ہمدرد اور بے لوث ساتھی کی حیثیت سے محبت رکھتی تھی۔ اور اس سے بے حد اپنائیت محسوس کرتی تھی۔ اس سے زیادہ اس کے دل میں اس کے لیے اور کوئی جذبہ موجود نہیں تھا۔ الیاسف بھی اپنے مقام

سے آگاہ اسے مالکن کا درجہ دیتا تھا اور اس کا بے حد ادب احترام کرتا تھا اور اس کے اور اپنے درمیان فاصلہ رکھتا تھا۔ وہ اس کا دوست بھی تھا اور راز دار بھی۔ جس پر وہ ہر طرح سے اعتماد کرتی تھی۔ اور اس کی طرف سے مطمئن رہتی تھی۔

حرقا کی ماں ایارخہ کا خاندان سپار کا ایک امیر کبیر قدیم یہودی خاندان تھا۔ ایارخہ کا باپ اخزیاہ ایک امیر کبیر تاجر تھا اس کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ تینوں بیٹے ہارون، شمعون اور راعون بھی اپنے باپ ہی کی مانند دولت مند اور با رسوخ تاجر تھے۔ ان کی شادیاں سپار ہی کے معزز یہودی خاندانوں میں ہوئی تھیں۔ تین بیٹیوں ایارخہ، ماریا اور شمورا میں ایارخہ حزقی ایل بابلی یہودی سے بیاہی گئی تھی جبکہ ماریا اور شمورا اروک اور حران کے امیر کبیر یہودی خاندانوں میں بیاہی گئی تھیں۔ ایارخہ کو اللہ نے صرف ایک ہی بیٹی حرقا سے نوازا تھا جبکہ اس کے باقی بہن بھائیوں کے کثیر تعداد میں بیٹے اور بیٹیاں تھے۔ جب تک ایارخہ زندہ رہی تھی اس کا اپنے سب بہن بھائیوں سے میل جول رہا تھا۔ ان کے بچے حرقا کے اچھے ساتھی اور ہمجولی تھے۔ ایارخہ کی موت کے بعد ان کا آپس کا میل جول کچھ کم ضرور ہوگیا تھا لیکن ان کے تعلقات میں ویسی ہی گرم جوشی اور خلوص تھا۔ حزقی ایل کو جب بھی تجارتی سفروں سے فرصت ملتی تھی تو وہ حرقا کو اس کے ان ننھیالی رشتہ داروں سے ملوانے لے جایا کرتا تھا۔ اس کے بچپن کے ہم جولی بھی اب جوانی کی عمروں کو پہنچ چکے تھے۔ ان کے درمیان حیا، جھجک اور گریز کے باوجود ویسی ہی محبت اور گرم جوشی تھی۔ حرقا کو اپنے ننھیالی بچپن کے ساتھیوں میں اپنی اروک میں رہنے والی خالہ ماریا کے بیٹے زمران سے شروع ہی سے انسیت اور لگاؤ رہا تھا۔ اب جبکہ وہ دونوں عنفوانِ شباب کو پہنچ چکے تھے تو اس انسیت اور لگاؤ نے ایک گہرے اور عمیق جذبے اور وابستگی کا رنگ اختیار کرلیا تھا۔ زمران ایک خوش رو، خوش وضع اور خوش اطوار نوجوان ضرور تھا۔ لیکن اسے مذہبی تعلیم سے نہ کچھ سیکھنے سے دلچسپی رہی تھی نہ تجارت وصنعت وحرفت سے، اسے صرف اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کا شوق تھا۔ اس نے اپنے اصطبل میں ملک ملک کے اور نسل نسل کے گھوڑے جمع کر رکھے تھے جن کی دیکھ

رنگیہ اور سواری اس کے دلچسپ مشاغل تھے۔ اس کے ان مشاغل سے، بلکہ اس لہولعب اور نکمے پن سے جیسا کہ اس کا باپ کہا کرتا تھا، اس کا باپ سخت ناراض اور تنگ رہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح میدانِ تجارت میں قدم رکھے۔ کاروباری معاملات میں دلچسپی لے۔ خود کمائی کرے۔ لیکن زمران پر کسی پند ونصیحت، ڈانٹ ڈپٹ، سمجھانے بجھانے کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ اسے اپنی ماں کی پشت پناہی بھی حاصل تھی۔ جس کا سب سے چھوٹا بیٹا ہونے کی وجہ سے خوب لاڈلا اور پیارا تھا۔ اس کی ماں ماریا جو اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی۔ اپنے تمام بچوں کی شادیوں سے فارغ ہوچکی تھی۔ اب زمران ہی باقی رہ گیا تھا جس کی کہیں شادی کرتے ہوئے وہ اس خیال سے متذبذب تھی کہ زمران ابھی تک کچھ کمائی کرنے کے قابل نہ ہو پایا تھا۔ اور ہر ضرورت کے لیے اپنے باپ کا دست نگر تھا۔ وہ خود زمران کی توجہ کئی مرتبہ اس طرف دلا چکی تھی لیکن وہ اسے بھی ٹال گیا تھا۔ ماریا کی نظریں اس کے لیے حرقا پر تھیں۔ اپنی بہن کی یہ بیٹی اسے شروع ہی سے بے حد عزیز رہی تھی اس کی دلی خواہش زمران کے لیے اسے بیاہ لانے کی تھی۔ لیکن زمران کی بیکاری، نکمے پن اور لاپرواہ فطرت کو دیکھتے ہوئے وہ حزقی ایل سے اس بابت بات کرنے سے اب تک ہچکچاتی چلی آرہی تھی۔ ادھر حرقا کے لیے بابل میں جو ایک سے بڑھ کر ایک اعلیٰ رشتوں کا تانتا بندھا ہوا تھا اس نے بھی اسے شدید فکر اور پریشانی میں مبتلا کر رکھا تھا۔ یہی فکر اور پریشانی حرقا کو بھی ہر دم بے چین کیے رکھتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا باپ ایک ایسے شخص سے جو خود ایک سکہ بھی نہ کما سکتا تھا، جو جوانی کی عمر کو پہنچنے کے باوجود بھی اپنے باپ کا محتاج اور دست نگر تھا، محض رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہوئے ہرگز اس کی شادی نہ کرے گا۔ اس نے خود اس کی زبانی کئی مرتبہ سنا تھا کہ وہ اس کی شادی بابل کے ایسے امیر کبیر بارسوخ یہودی خاندان میں کرنا چاہتا تھا جہاں وہ عزت ووقار کے ساتھ، اپنی حکومت اور اختیارات کے ساتھ زندگی گزار سکے۔ اس نے اپنے ان خدشات کا اظہار زمران سے بھی کیا تھا۔ لیکن اس پر بھی وہ ویسا ہی لاپرواہ اور لاابالی ہی رہا تھا۔ جس پر حرقا کو بے حد غصہ بھی آیا تھا اور

اس کی مایوسی اور فکر میں اضافہ بھی ہوتا گیا تھا۔ اس کے بعد یہ ہونے لگا تھا کہ زمران نے اس سے ملنے بابل آنا کم کر دیا تھا۔ وہ جب اپنی خالہ سے ملنے اروک جاتی تو وہاں بھی زمران سے کبھی کبھار ہی اس کی ملاقاتیں ہو پاتیں۔ وہ زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہا کرتا تھا۔ اس کے اس رویے نے حرقا کو پریشان اور الجھن زدہ کرنے کے ساتھ ہی دکھ اور کرب میں بھی مبتلا کر دیا تھا۔ وہ یوں محسوس کرنے لگی تھی جیسے زمران کے جذبات اب اس کے لیے پہلے جیسے نہیں رہے تھے۔ وہ ایک بدلتا ہوا شخص بن گیا تھا۔ اپنے ان خدشات، تفکرات اور نا امیدیوں کا اظہار وہ الیاسف سے کرتی رہتی تھی۔ جو نہایت توجہ اور ہمدردی سے اس کی باتیں سنا کرتا تھا اور نہایت اچھے الفاظ میں اسے تسلیاں دلاسے دیتا اور اس کی دل بستگی کی باتیں کرتا تھا اور اس کی مایوسیاں دور کر کے اسے مستقبل کی طرف سے اچھی امیدیں دلاتا تھا۔ وہ خود ایک ملازم ایک غلام تھا اس لیے زمران کو کچھ نہ کہہ سکتا تھا اور اپنی مالکن، بچپن کی ساتھی اور رفیق کے کرب کو اپنے دل پر لیے خاموش ہی رہا کرتا تھا۔

حزقی ایل گھر سے باہر رہنے والا آدمی تھا۔ اپنے طور وہ یہ سمجھ کر مطمئن رہتا تھا کہ اس کی بیٹی جو ہر دینی و دنیوی تعلیم سے آراستہ ہو چکی تھی تمام تر ناز و نعم سے رہ رہی تھی اپنی زندگی سے خوش اور مطمئن تھی۔ اسے صرف اپنے گھر بار کی کرنا ہی باقی رہ گیا تھا اور اس کی فکر اس اکیلے کو ہی کرنی تھی۔ اسے نہ تو حرقا اور زمران کے تعلقات کا علم تھا نہ زمران کے بارے میں حرقا کے تفکرات و خدشات کا۔ اس لیے وہ تجارتی سفروں پر جاتے ہوئے حرقا کو کنیزوں اور غلاموں کے ساتھ گھر پر اکیلا چھوڑ جاتا تھا۔ پہلے پہل اس کی عدم موجودگی میں زمران اس سے ملنے اروک سے آجایا کرتا تھا۔ لیکن پھر اس کی آمد میں وقفے پڑنے لگے تھے۔ اس کی وجہ وہ اپنی گھوڑوں کے اصطبل کی مصروفیت بتاتا تھا۔ جسے صاف دل حرقا مان لیتی تھی۔

اس سال حزقی ایل نے بابل سے باہر کئی تجارتی سفر کیے تھے۔ ان تمام سفروں میں وہ الیاسف کو بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس کے پیچھے زمران ایک بار بھی حرقا سے ملنے بابل نہ آیا تھا جبکہ اس کی خالائیں اور ماموں ان کے بیٹے بیٹیاں اس سے ملنے آتے رہے تھے۔

اس کا حرقا کو دکھ بھی تھا اور شدید پریشانی بھی۔ زمران کی اس بے اعتنائی پر اس کے ذہن میں شکوک وشبہات کے افق بھی سرسرانے لگے تھے۔ اور وہ ہر دم بے چین ومضطرب سی رہنے لگی تھی۔ اس مرتبہ جب حزقی ایل تجارت سفر پر جانے لگا تھا تو جانے سے پہلے اسے سپار بوڑھی نانی اور نانا کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ جو اس سے بے پناہ پیار کرتے تھے۔ ان کے ہاں رہتے ہوئے اس کی اپنے ماموؤں اور خالاؤں سے اور اپنے بچپن کے ہجولیوں سے بھی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ زمران بھی کئی مرتبہ اروک سے وہاں آیا تھا لیکن حرقا کو تنہائی میں اس سے ملنے کا کوئی موقع نہ مل سکا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن بابل سے اس کے باپ نے چند مقرر غلام اسے بابل واپس لے جانے کے لیے آن پہنچے۔ کیونکہ حزقی ایل اس کا باپ اپنے طویل سفر سے گھر واپس آچکا تھا۔

عیلام سے بابل کی طرف جاتے ہوئے حزقی ایل کا ذہن برابر پراگندہ خیالوں کی آماجگاہ بنا رہا۔ اس نے سرزمین ایران کے کئی سفر کیے تھے۔ وہ ایرانی بادشاہ سائرس ہخامنشی کے مفتوحہ علاقوں میں بھی پھر آیا تھا۔ اس نے بغور اس کے طرزِ حکمرانی کا جائزہ لیا تھا۔ اسے ہر پہلو سے دیکھا بھالا تھا اور دل ہی دل میں یہ اعتراف کیے بنا نہ رہ سکا تھا کہ یہ ایرانی بادشاہ بابلی عظیم حکمرانوں تلگات پلاسر اور نبو پلاسر سے زیادہ بلند درجے کا منتظم اور بخت نصر سے زیادہ عظیم فاتح تھا۔ اس نے کسی مفتوحہ علاقے میں ہلاکت وتباہی وبربادی نہیں مچائی تھی بلکہ رحمدلی اور عفو ودرگزر سے کام لیا تھا اور اس علاقے میں بہترین نظم ونسق قائم کیا تھا۔ اس نے کسی پر ظلم اور کسی کے ساتھ بے انصافی نہ ہونے دی تھی۔ گزشتہ زمانوں کے فاتحین ارض کے برعکس اس کے سپاہی بھی بے حد مہذب اور شائستہ اطوار تھے جو کسی کی تحقیر وتذلیل نہ کرتے تھے۔ اسے خوب معلوم تھا کہ اس نے میڈیا اور لیڈیا کے حکمرانوں کے ساتھ کیا کیا تھا۔ ان کی رعایا کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا۔ اس نے استیاگس حاکم میڈیا کی بیوی بخت نصر کی دختر مامدانہ کی کیسی عزت وتکریم کی تھی۔ وحشی سمیری اقوام اور شمالی خونخوار اور اجڈ جنگ

جوؤں کو زیر کرنے کے بعد ان کے ساتھ اس کا رویہ کیسا رہا تھا۔ اور آیونی اور یونانی ساحلی اقوام کے ساتھ......تو گوبارو کا کہنا غلط ہرگز ثابت نہ ہوسکتا تھا کہ فتح بابل کے بعد وہ مظلوم ومقہور یہودیوں کے ساتھ انصاف اور رحم دلی کا سلوک کرے گا۔ انہیں ذلت آمیز غلامی سے نجات دلا دے گا اور یروشلم واپس جانے کی آزادی دے دے گا۔ لیکن فتح بابل کیا اتنی ہی آسان تھی؟ اب تک اس ایرانی بادشاہ نے جو جنگیں لڑی تھیں کھلے میدانوں میں لڑی تھیں، پہاڑوں میں لڑی تھیں، صحراؤں میں لڑی تھیں۔ اسے کسی قلعہ بند شہر کا محاصرہ کرنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ ایمگور بل اور نمیتی بل جیسی دوہری فصیلوں کا سامنا کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ پھر وہ بھلا بابل کیونکر فتح کرسکتا تھا جس کے دفاعی انتظامات ایسے ہی زبردست تھے؟ گوبارو نے بھی اس بارے میں مبہم سی باتیں کی تھیں۔

تمام راستے حزقی ایل ایسی ہی سوچوں اور تفکرات میں مستغرق رہا۔ الیاسف جو اس کا مزاج شناس تھا اسے چھیڑنے سے مجتنب ہی رہا۔ راستے میں مسافر خانوں اور سراؤں میں قیام کے دوران بھی حزقی ایل پر یہی استغراق طاری رہا۔ یہاں تک کہ طول وطویل راستہ سمٹ گیا اور وہ بابل کے قریب جا پہنچے۔ پہاڑوں میں بنے ہوئے اس لمبے چوڑے بل کھاتے درے سے باہر نکلنے کے بعد جب الیاسف کی نظریں دور آسمان کی خبر لاتی بابل کی عظیم دوہری فصیلوں پر پڑیں تو اس نے کچھ بے چینی سی محسوس کی۔

بابل کئی شہروں کا ایک شہر تھا۔ اپنے اندر ایک سلطنت تھا۔ بڑے وسیع وعریض رقبے کا شہر تھا۔ جس میں بخت نصر کے تعمیر کردہ معلق باغات، شاہی محلات، عمائدین سلطنت امراء وروساء کی الگ تھلگ شاندار صاف ستھری آبادیاں، معابد، رصد گاہیں، کاروباریوں اور تجار کے شاندار دفاتر، دنیا بھر کی چیزوں سے بھرے چھوٹے بڑے بازار، عدالتیں، تفریح گاہیں، قحبہ خانے، کاروان سرائیں، فوجی چھاؤنیاں، اسلحہ ساز کارگاہیں، شاندار سڑکیں، پل اور آب واہیں موجود تھیں۔ شہر کی صرف سڑکیں ایسی تھیں کہ باہر سے آنے والا ہر اجنبی شخص ان کی ایسی عمدہ اور بہترین تعمیر اور کثرت دیکھ کر حیرت زدہ سا ہوجاتا تھا۔ ان سڑکوں کا سلسلہ شہر

کے گوشے گوشے تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ کچے راستے تو کہیں دیکھنے میں نہ آتے تھے۔ انہی سڑکوں میں ایک سڑک شاہراہ اداد تھی جو عظیم معبد کے سامنے سے شروع ہو کر شاخ در شاخ شہر کے ہر حصے میں پھیلتی چلی گئی تھی۔ اس کی ایک ذیلی شاخ مڑتی بل کھاتی بڑی بڑی عمارات اور ایک نہر کے پل کے اوپر سے گزرتی ایک نسبتاً ویران اور الگ تھلگ سے علاقے میں جا نکلتی تھی جہاں شہر کے امراء و روساء کی مختصر سی آبادی واقع تھی۔ اس جگہ بڑے شاندار محل نما رہائشی مکانات بنے ہوئے تھے۔ حزقی ایل کی محل نما رہائش گاہ اسی جگہ واقع تھی۔ یہ بے حد پرامن اور پرسکون علاقہ تھا۔ یہاں کے مکین ایک دوسرے سے کم ہی میل جول رکھتے تھے۔ اور یہ بات ان کے حق میں اچھی بھی تھی۔

شہر کے مشرقی دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد حزقی ایل کا قافلہ ایک کاروان سرائے میں جا کر رک گیا۔ حزقی ایل کو وہاں حکومتی اہل کاروں سے محصولات اور دیگر معاملات طے کرنے تھے اس لیے اس نے الیاسف کو اس ہدایت کے ساتھ گھر روانہ کر دیا کہ وہ وہاں جا کر دو چار معتمد غلاموں کو حرقا کو سپار سے لانے کی ہدایت کر دے۔

الیاسف گدھے پر سوار ہو کر فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ پہاڑوں سے نکل کر بابل کی فصیلوں پر نظر پڑتے ہی اس نے جو بے چینی سی محسوس کی تھی اس میں اب اضطراب کا اضافہ بھی ہو گیا تھا۔ مختلف جگہوں سے گزرتے، گلیاں بازار طے کرتے وہ جب شارع نرگال کہلانے والی اس چھوٹی سی سڑک پر پہنچا جس کے دونوں طرف بڑے بڑے رہائشی مکانات بنے ہوئے تھے تو اس کی نظریں ایک دم ہی غیر ارادی طور پر سڑک کے ایک طرف بنے ہوئے سفید پتھروں کے شاندار مکان کے جھروکے کی طرف اٹھ گئیں۔ اس جھروکے کے جنگلے کے پیچھے دروازے پر سیاہ حریری پردہ پڑا تھا۔ غیر ارادی طور پر الیاسف نے گدھے کی لگامیں کھینچ دیں اور اس پردے کو دیکھنے لگا۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ تنفس کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ پیشانی پر پسینے کے قطرات جگمگانے لگے تھے۔ وہ کسی مسحور کی طرح اس سیاہ حریری پردے کو تکے جا رہا تھا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ اس وقت وہ سڑک بالکل ویران

پڑی تھی ورنہ اس کی یہ حرکت جو قابل اعتراض ہی تھی لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کر کے جانے کس فتنہ فساد کا دروازہ کھول دیتی۔ اس مکان کے شاندار پھاٹک پر بھی اس وقت کوئی دربان وغیرہ نہ دکھائی دے رہا تھا۔ پھر الیاسف کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک برف سے سفید حسین نسوانی ہاتھ نے اس سیاہ حریری پردے کو ذرا سا ایک طرف سرکایا۔ صرف اتنا کہ اس میں ایک پتلی سی درز نمودار ہوگئی۔ پھر وہ ہاتھ فوراً ہی غائب ہوگیا۔ پھر وہ درز اوپر کی طرف سے کچھ چوڑی ہوئی اور اس میں چہرہ نمودار ہوا۔ لیکن یہ صرف آنکھیں تھیں۔ کیونکہ باقی تمام چہرہ سیاہ نقاب میں مستور تھا۔ وہ بڑی بڑی روشن اور حسین آنکھیں الیاسف پر جم گئیں۔ ان میں دکھ، مایوسی اور حسرت کا وہی امتزاج تھا جو وہ اب تک دیکھتا رہا تھا۔ وہ شدید بے چینی، اضطراب اور گھبراہٹ سی محسوس کرتے ہوئے ان آنکھوں کو تکتا رہا۔ پھر ان آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسوؤں کے دو قطرات نکلے اور سیاہ نقاب میں گم ہوگئے۔

اس وقت عقب سے بلند ہونے والی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اسے چونکا گئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ چند گھڑ سوار اس کی طرف چلے آرہے تھے۔ سب سے اگلا گھڑ سوار جو شاندار سفید گھوڑے پر سوار تھا وہ سپاہیانہ لباس میں ملبوس ادھیڑ عمر پروقار اور بڑا بارعب شخص تھا۔ شاید وہ کوئی بڑا فوجی عہدیدار تھا۔ وہ اور اس کے ساتھی گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس مکان کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ اور گھوڑوں پر سے اترنے لگے۔ الیاسف نے جھروکے کی طرف دیکھا۔ سیاہ حریری پردہ برابر ہو چکا تھا۔ اس نے گدھے کو ایڑ لگائی اور وہاں سے آگے روانہ ہوگیا۔ اس کے دل پر ایک بوجھ سا آپڑا تھا۔

اس قصے کو عرصہ گزر چکا تھا۔

الیاسف کو بخوبی یاد تھا کہ بچپن میں جب اس کا مالک حزقی ایل اسے ساتھ لیے اس راستے سے گزر کر کہیں جایا کرتا تھا تو اس سفید مکان کے اس جھروکے کے سیاہ حریری پردے میں سے یہی بڑی بڑی روشن سیاہ حسین آنکھیں اسے دیکھا کرتی تھیں۔ پہلے پہل تو اس نے ان کی طرف توجہ نہ دی تھی لیکن جب ہر مرتبہ اس سڑک پر سے گزرتے ہوئے اس سفید

مکان کے جھروکے سے وہی آنکھیں اسے دکھائی دینے لگیں تو وہ چونک گیا تھا۔ اسے حیرانی بھی ہوئی تھی اور پریشانی بھی۔ ساتھ ہی الجھن بھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ آخر یہ کیا اسرار تھا۔ اس جگہ سے گزرتے آخر کیوں ہر مرتبہ وہ آنکھیں اسے دکھائی دے جاتی تھیں گویا اس کی وہاں آمد کا انتظار کررہی ہوں۔ بڑے ہوتے ہوتے یہ گتھی سلجھنے کے بجائے مزید الجھتی ہی چلی گئی تھی۔ وہ ان آنکھوں کے خیال سے شدید مضطرب، بے سکون اور الجھا ہوا سا رہنے لگا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ کوشش کی تھی کہ اس سڑک پر سے گزرتے ہوئے ہرگز اس جھروکے کی طرف نظر نہ اٹھائے لیکن جانے کس جذبے یا تحریک کے زیر اثر وہاں سے گزرتے ہوئے اس کی نظر خود بخود اس جھروکے کی طرف اٹھ جاتی تھی۔ وہ اب ان آنکھوں کے تاثرات کو پہچاننے لگا تھا۔ ان میں دکھ کے تاثرات ہوتے تھے، محرومی کا کرب ہوتا تھا، حسرت کا رنگ ہوتا تھا۔ وہ کبھی یہ نہ سمجھ سکا تھا کہ آخر ایسا کیوں تھا۔ ان آنکھوں کی مالک خاتون آخر کون تھی؟ وہ اسے یوں کیوں تکا کرتی تھی؟ اس کی آمد کی ایسی منتظر کیوں رہتی تھی۔ وہ یقیناً کوئی بے حد حسین خاتون ہی ہوسکتی تھی اس کے حسین ہاتھ اور آنکھوں سے یہی ظاہر ہوتا تھا۔ جانے وہ یہودی النسل تھی یا بابلی؟ بت پرست اور کافر؟ اسے بھی اس میں دلچسپی پیدا ہوتی جارہی تھی۔ وہ اس کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کچھ کھوجنے کی خواہش اس کے دل میں سر اٹھانے لگی تھی۔ اس تجارتی سفر کے دوران وہ اسی کے خیال میں مستغرق اور اس کا بھید معلوم کرنے کی تدبیریں سوچتا رہا تھا۔

گھر پر تمام غلاموں اور کنیزوں نے اس کا پرجوش استقبال کیا۔ وہ ان ہی کی گودوں میں کھیلا کودا بڑا ہوا تھا اور وہ اسے اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ اسود نامی بوڑھا حبشی غلام تو اس پر فدا تھا اور اس پر جان چھڑکتا تھا۔ جب ملنے ملانے کا مرحلہ طے ہوچکا تو اس نے الیاسف سے استفسار کیا:

''مالک نہیں آئے تمہارے ساتھ؟''

''وہ محصولات اور دیگر امور طے کرنے کے لیے کارواں سرائے میں ٹھہر گئے ہیں۔

شام کو آ جائیں گے۔ بابا اسود...... آپ چند آدمیوں کو چھوٹی مالکن کو گھر واپس لانے کے لیے سپار روانہ کر دیجیے۔ یہ مالک کا حکم ہے۔''

''ہاں ضرور......''

پھر جب الیاسف نہا دھو کر لباس تبدیل کر کے اپنے کمرے سے باہر نکلا تو دستر خوان چنا جا چکا تھا۔ کھانے کے دوران وہ غلاموں اور کنیزوں کو اپنے سفر کا حال سناتا رہا۔ جسے وہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے سنتے رہے۔ ان سب کو سیاسیاتِ عالم سے خاص دلچسپی تھی۔ دنیا میں رونما ہونے والے تمام واقعات سے انہیں خوب آگاہی رہتی تھی۔ انہوں نے کرید کرید کر اس سے دنیا کی ایک نئی ابھرتی ہوئی طاقت، ایرانی بادشاہ سائرس ہخامنشی کے بارے میں، اس کی فتوحات کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اس کے آئندہ اقدامات کے بارے میں اظہارِ خیال کیا۔ یہ مختلف علاقوں سے پکڑ کر بابل لائے گئے لوگ جو غلام اور کنیزیں بنا کر فروخت کر دیے گئے تھے۔ یروشلم سے پکڑ کر لائے گئے یہودیوں ہی کی مانند اپنے لیے کسی نجات دہندہ کے منتظر تھے۔ اس کی آمد، اس کے بابل فتح کر لینے سے خود ان کی غلامی تو ختم نہ ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے آقاؤں کے زرخرید تھے۔ لیکن ان کے آقا ضرور ان کافروں بت پرستوں کی غلامی سے آزاد ہو سکتے تھے اور اپنے وطن یروشلم واپس جا سکتے تھے۔ وہاں کے حالات خود ان کے لیے بھی سازگار اور موافق ثابت ہو سکتے تھے کہ وہاں ان کے آقاؤں کو ہر طرح کی آزادی نصیب ہو سکتی تھی۔

کھانے کے دوران ان میں دھیمی آوازوں میں ایرانی بادشاہ کے بابل پر ممکنہ حملے کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں اور اس کی فتح اور کامیابی کی خواہشات کا اظہار کیا جاتا رہا۔

کھانے سے فارغ ہو کر الیاسف اپنے کمرے میں آ گیا۔ وہ کچھ دیر سو کر تھکن اتار لینا چاہتا تھا۔ اس کا کمرہ خوب روشن ہوادار کھلا اور شاندار طریقے سے آراستہ پیراستہ تھا۔ جب تک حزقی ایل کی بیوی زندہ رہی تھی۔ وہ گھر کے غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ ایک معمولی سے کمرے میں رہتا رہا تھا۔ لیکن بیوی کے مرنے کے بعد حزقی ایل نے جہاں اس کا

ایک بیٹے کی طرح خیال رکھنا اور اس پر تمام تر محبتیں اور شفقتیں نثار کرنی شروع کی تھیں وہاں اس کے رہن سہن کا بھی اعلیٰ درجے کا اہتمام کرنا شروع کر دیا تھا۔ کنیزوں اور غلاموں کو اس کا حکم تھا کہ وہ حرقا کی ہی مانند اس کا ادب واحترام کیا کریں۔ اس کا خیال رکھا کریں۔ ہر چند کہ الیاسف انہیں ہرگز اپنے ملازموں اور خدمت گزاروں کا درجہ نہ دیتا تھا۔ بلکہ ماؤں اور باپوں کی طرح ان کی عزت واحترام کرتا تھا۔

جب وہ سو کر اٹھا تو اس وقت شام ہونے کو آرہی تھی۔ اس کا ذہن اور طبیعت دونوں ہلکے پھلکے ہو چکے تھے۔ اس نے ہاتھ منہ دھویا اور کمرے سے باہر نکلنے کو ہی تھا کہ محل کی ایک بوڑھی کنیز عمورہ اندر داخل ہوگئی۔ وہ یہودی النسل تھی۔ جسے ایک بابلی سوداگر بچپن میں اس وقت اپنے ساتھ بابل لے آیا تھا جب کنعان میں اشوریوں کے حملوں کے سبب زبردست تباہی وبربادی پھیلی ہوئی تھی اور لوگ اپنی جانیں بچانے کے لیے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ اس افراتفری میں عمورہ اپنے خاندان سے بچھڑ کر بابلیوں کے ایک تجارتی قافلے کے ہاتھ لگ گئی تھی جو اسے اپنے ساتھ بابل لے آیا تھا۔ وہاں اسے غلاموں کی منڈی میں فروخت کر دیا گیا تھا۔ عمر بھر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوتے ہوتے وہ حزقی ایل کے باپ کی ملکیت میں آ گئی تھی۔ اس وقت وہ بوڑھی ہونے کو آرہی تھی۔ اس کی کوئی اولاد بھی نہیں تھی۔ اس لیے اس نے حزقی ایل کی بیٹی حرقا اور الیاسف کی اپنے بچوں کی طرح پرورش کی تھی۔ الیاسف سے تو اسے خاص لگاؤ تھا جسے وہ حقیقی بیٹے کی طرح چاہتی تھی۔ الیاسف بھی اس کا بے حد احترام وادب کرتا تھا اور اسے ماں کا درجہ دیتا تھا۔ اسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ مؤدبانہ بستر سے اٹھ گیا۔

”کیسے آئیں اماں ...... کیا کوئی کام ہے؟“

عمورہ نے کمرے میں طاقچے پر رکھے چراغوں کو روشن کیا۔ جس سے نیم تاریک کمرے میں اجالا ہوگیا۔ چراغ روشن کر چکنے کے بعد عمورہ الیاسف کی طرف مڑی، اس کی بوڑھی سیاہ آنکھوں میں کچھ عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ عمیق نگاہی سے اسے یوں دیکھنے لگی گویا وہ کئی

اجنبی ہو۔ اس کی نظریں کچھ کھوجتی کریدتی سی تھیں۔ جن سے الیاسف کو الجھن سی ہو رہی تھی۔

"کیا بات ہے اماں؟ آپ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟"

بوڑھی عمورہ نے گویا اس کی بات نہ سنی۔ وہ بدستور اسے ویسی ہی کھوجتی کریدتی نظروں سے تکے جا رہی تھی۔

"عجیب بات ہے ...... وہ بڑبڑائی۔ "بہت ہی عجیب بات ہے۔ جانے کیا اسرار ہے؟"

"کیا؟" الیاسف نے بے چینی سے استفہام کیا۔ "آپ کچھ بتاتی کیوں نہیں اماں؟"

کہیں دور پہنچی ہوئی عمورہ گویا واپس آ گئی۔

"کچھ نہیں ......" وہ سنبھل کر بولی۔ "آہ...... کچھ نہیں ...... شاید یہ میرا بڑھاپا ہے جس کے سبب میں یوں بہک گئی۔"

الیاسف نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑ لیے۔

"صحیح بات بتایئے اماں ...... دیکھئے مجھ سے کچھ نہ چھپایئے۔ آپ کا یہ رویہ مجھے مسلسل پریشانی اور بے سکونی میں مبتلا کیے رکھے گا۔"

عمورہ نے گہری سانس لی۔ وہ کچھ الجھن زدہ اور متذبذب سی دکھائی دینے لگی۔

"بیٹا الیاسف ......" اس نے کچھ بیٹھی بیٹھی سی آواز میں لب کشائی کی۔ "تمہیں معلوم ہے میری ہم وطن علوکہ سردار ایشیاع کے گھر کی کنیز ہے؟"

"ہاں آپ نے بتایا تھا ......" الیاسف نے متحملانہ جواب دیا۔ اس کی بے چینی اور اضطراب میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"میں اس سے ملنے گئی تھی۔ سردار ایشیاع کا گھر شارع نرگال پر واقع ہے۔"

شارع نرگال کے نام پر الیاسف کو اپنے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی محسوس ہوئیں۔ اس کا عضو عضو کان بن کر بوڑھی عمورہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ عمورہ کہہ رہی تھی۔

''سردار ایشیاع یہودی ضرور ہے لیکن یروشلم کا مہاجر نہیں بلکہ بابل کے قدیم یہودی باشندوں کی اولاد سے ہے۔ شارع نرگال میں جو یہودی خاندان بستے ہیں وہ سب بابل کے قدماء ہیں۔ ان کی شادیاں بھی آپس میں ہوتی رہتی ہیں۔ یاسپار، حران، اروک اور نواحی شہروں کے قدیم یہودی خاندانوں میں ......''

الیاسف کو اپنا صبر و تحمل جواب دیتا معلوم ہو رہا تھا۔ یہ بوڑھی عمورہ کی عادت تھی۔ مطلب کی بات پر آنے سے پہلے وہ خوب لمبی چوڑی تمہید باندھا کرتی تھی۔

''اماں پھر؟ آپ سردار ایشیاع کے گھر گئی تھیں پھر؟'' اس نے بمشکل تمام اپنی جھنجھلاہٹ اور بے صبری کو لگام دیتے ہوئے متحملانہ استفہام کیا۔ مگر عمورہ اپنی رو میں کہتی گئی۔

''سردار ایشیاع کی شادی اروک کے قدیم یہودی خاندان میں ہوئی تھی۔ یہ خاندان نہایت دولت مند اور با رسوخ خاندان ہے۔ اپنی جوانی میں میں کئی مرتبہ اروک گئی تھی جہاں مجھے ان لوگوں سے ملنے جلنے انھیں دیکھنے بھالنے کا موقع ملا۔ اس خاندان کے خالص یہودی النسل مرد و زن حسن و وجاہت میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ یہ بنی اسرائیل کی اس شاخ سے تعلق رکھتے ہیں جو غیر اقوام سے تال میل سے ہمیشہ مجتنب رہی۔ اپنے خون کو خالص رکھا۔ بچ بچا کر اس سرزمین پر آ کر آباد ہو گئی ......''

الیاسف کا دل چاہنے لگا کہ وہ سر پکڑ کر بستر پر بیٹھ جائے۔ عمورہ کی تقریر کی طرف سے کان بند کر لے۔ لیکن وہ مجسمہ تحمل و برداشت بنا اسے سنتا گیا۔

''یہ بنی عمون کی شاخ تھی۔ جب یہ لوگ یہاں پہنچے تو یہ دیکھ کر ان کو شدید حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی کہ نہ صرف بابل بلکہ نواحی شہروں میں بھی خالص اور سچے کھرے اسرائیلیوں کی بڑی تعداد آباد تھی۔ یہ بنی نفتالی، بنی جد، بنی آشور اور بنی افرائیم کی نسلیں تھیں۔ ان میں آپس میں ہی شادیاں ہوتی رہیں۔ دوسرے یہودی خاندانوں سے شادیوں سے یہ لوگ اس خیال سے مجتنب رہے کہ جانے وہ خالص اسرائیلی ہوں گے یا نہیں۔ اسی

لیے ان کا حسن وجمال ناک نقوش انداز وطور وطرائق رسوم ورواج ویسے کے ویسے ہی قائم اور محفوظ رہے۔ سردار ایشیاع کا خاندان بھی ایسا ہی خاندان ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک سرکردہ قبیلے بنی یہودا کی شاخ سے اس کا تعلق ہے۔ خالص اور کھرا یہودی النسل خاندان ہے یہ۔ بیٹا الیاسف تم نے سردار ایشیاع کو دیکھا ہوگا؟''

''نہیں اماں میں نے انہیں نہیں دیکھ رکھا۔ نام ضرور سن رکھا ہے۔'' الیاسف نے اسے موضوع پر آتے دیکھ کر کچھ اطمینان کی سانس لی۔

''تم اسے دیکھو گے بیٹا الیاسف تو مرعوب ہوئے بنا نہ رہ سکو گے وہ حقیقی معنوں میں فرزند اسرائیل ہے۔ نہایت وجیہ وحسین، شاندار وپروقار، بڑی آن بان والا ...... اس کی بیوی اصفاہ بھی ایسی ہے حسین وجمیل، طرح دار، خوش اندام وخوش اطوار ......انہی کے گھر کام کرتی آرہی ہے میری وہ قدیم سہیلی علوکہ......''

''پھر؟'' الیاسف کا صبر وتحمل پھر جواب دینے لگا۔ ''آپ اس سے ملنے گئی تھیں پھر؟''

''دراصل وہاں ایک محفل برپا ہوئی تھی جس میں علوکہ نے مجھے اپنی مالک کی اجازت سے بلوا بھیجا۔ اک محفل نشاط جس میں اس علاقے کے رہنے والے تمام لوگ شامل ہوئے۔ واہ! اس محفل نشاط کی شان وشوکت کا کیا کہنا!'' عمورہ سر دھننے لگی۔ ''واقعی دولت سے ہر کام ممکن ہے۔ دولت نہ ہو تو ......''

''اماں پھر؟ آپ اس محفل نشاط میں گئی تھیں پھر؟'' الیاسف نے بے صبرانہ بات کاٹی۔

''تمہیں معلوم ہی ہے بیٹا الیاسف کہ ہم یہودیوں میں ...... جو پکے کھرے یہودی ہیں۔ مخلوط اجتماعات پسند نہیں کیے جاتے۔ مردوں عورتوں کی الگ الگ محافل برپا ہوتی ہیں۔ عورتوں کے اجتماع کا انتظام محل کے عقبی حصے میں کیا گیا تھا۔ وہاں مجھے ایک سے ایک اعلیٰ اور سرکردہ یہودی غیر یہودی عمائدین کی خواتین کو دیکھنے کا موقع ملا۔ بابلی بت پرستوں کافروں کی بیویاں تو برائے نام ہی خوب صورتی کی مالک ہیں۔ صحیح معنوں میں حسین وجمیل

کہلانے کی مستحق یہودی عورتیں ہیں۔ خالص یہودی خون والی۔ جنہیں دیکھتے کسی مرد کی نیت نہ بھرے۔ اس محفل میں ایک سے ایک بڑھ کر حسین وطرح دار عورت موجود تھی۔ لیکن جس عورت کے بے پایاں حسن وجمال کے سامنے سب کا حسن وجمال ماند پڑ رہا تھا وہ سردار عمون کی بیوی تھی...... جمیلہ......" اتنا کہتے کہتے عمورہ گویا کسی خواب سے چونکی اور آنکھیں پھاڑے یوں الیاسف کو دیکھنے لگی جیسے اسے اب دیکھا ہو۔ اس کی نظریں وہی کھوجتی کریدتی نظریں بن گئیں۔ چہرے کے تاثرات تبدیل ہوگئے۔

الیاسف نے شدید جھنجھلاہٹ محسوس کی۔ اسے شدید غصہ آنے لگا تھا۔

"اماں پھر؟ اس محفل نشاط میں وہ حسین خاتون آئی ہوئی تھی پھر؟ اس سے کیا آپ کی باتیں ہوئیں؟ دیکھئے اماں...... عورتوں کے معاملات سے مجھ کیا لینا دینا۔ آپ مطلب کی باتیں کیجیے ورنہ مجھے اجازت دیجیے۔"

عمورہ نے جیسے اس کی بات نہیں سنی۔

"وہ عورت...... اس کی بیٹی......" اس کی آنکھیں الیاسف پر گڑ سی گئیں۔ "یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی...... "یہ...... یہ کیسے ہوسکتا ہے؟"

"کیا؟" الیاسف غصہ دباتے ہوئے بمشکل تمام بولا۔ "کیا کیسے ہوسکتا ہے......"

لیکن عمورہ بظاہر اس پر نظریں جمائے کہیں دور پہنچی ہوئی تھی۔ اس کے جھریوں زدہ بوڑھے چہرے پر سوچ وتفکر کے ساتھ ساتھ تشکیک وشبہات کے سائے بھی لہرا رہے تھے۔

"بتایئے نا اماں کیا بات ہے؟" الیاسف نے اسے کندھوں سے پکڑ کر ہلکے سے جھنجھوڑا۔

اسی وقت ایک غلام کمرے میں چلا آیا۔

"الیاسف...... تمہیں مالک یاد کررہے ہیں۔"

"تو وہ آگئے؟ چلو میں آتا ہوں......" الیاسف نے عمورہ پر ایک تیز نظر ڈالی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

تاریک راز

حرقا کی کنیزیں بڑی مستعدی سے اس کے ملبوسات جوتے آرائشی اشیاء اور دیگر چیزیں صندوقوں میں قرینے سے رکھنے میں مصروف تھیں۔ حرقا ایک طرف بیٹھی انہیں کام کرتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے باپ حزقی ایل کے بھیجے ہوئے غلام اسے بابل واپس لے جانے کے لیے کل ہی سپار پہنچے تھے۔ انہوں نے جب اسے اس کے باپ کے طویل تجارتی سفر سے واپس آنے کی اطلاع دیتے ہوئے اسے گھر واپسی کی ہدایت کے بارے میں بتایا تھا تو وہ ایک دم ہی شدید پریشان اور مضطرب ہو اٹھی تھی۔ اتنی محبت کرنے اور جان چھڑکنے والے باپ کی گھر واپسی کی خوشی اسی پریشانی اور اضطراب میں دب گئی تھی۔ اس شدید بے چینی اور اضطراب میں اس سے نہ ٹھیک طرح سے کھایا پیا جاسکا تھا نہ امن وچین کی نیند نصیب ہوسکی تھی۔ انتہائی محبت کرنے والے نانا اور نانی کی ناز برداریوں اور پرشفقت باتوں سے بھی اسے چڑ اور اکتاہٹ سی محسوس ہوتی رہی تھی۔ اسے سپار آئے کئی ماہ گزر چکے تھے۔ وہاں رہتے ہوئے اس کی خالائیں ماموں اور ان کے بیٹے بیٹیاں سب اس سے ملنے آتے رہے تھے۔ لیکن زمران ایک دو مرتبہ کے سوا ایک بار بھی اس سے ملنے نہ آیا تھا۔ ان دونوں مرتبہ اسے اس سے کچھ کہنے سننے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ کیونکہ وہ تمام وقت نانا اور نانی کے ساتھ ہی بیٹھا رہا تھا۔ اس کا رویہ اس کے ساتھ ویسا ہی گرم جوش اور اپنائیت کا رنگ لیے ہوئے تھا۔ لیکن اسے پھر بھی ایک خلش سی ستا رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس سے کھل کر صاف صاف باتیں کرلے، اس کے دلی رجحان، اپنے بارے میں اس کے خیالات اور فیصلے سے آگاہ ہوجائے تاکہ اس کا مدتِ دراز کا اضطراب، پریشانی دکھ اور تفکرات دور ہوسکیں۔ سپار میں رہتے ہوئے وہ ایسے موقع کے لیے کوششیں بھی کرتی رہی تھی۔ لیکن اسے مایوسی ہی

ہوئی تھی۔ اور اب اس کے باپ کے بھیجے ہوئے خدام اسے بابل واپس لے جانے کے لیے آن پہنچے تھے۔ وہ اب زیادہ دن سپار میں نہ رک سکتی تھی۔ چنانچہ اس نے واپسی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اس کی نانی تیرازہ اور نانا اخزیاہ اس کی جدائی کے خیال سے بے حد افسردہ اور ملول دکھائی دے رہے تھے۔ ایارخہ، حرقا کی ماں ان کی بے حد عزیز اور پیاری بیٹی تھی جو جوانی میں ہی قبر میں اتر گئی تھی۔ اپنی اس بیٹی کی نشانی حرقا انہیں دل وجان سے عزیز تھی۔ جب تک وہ ان کے پاس سپار رہی تھی ان کے بڑے سے گھر میں خوب گہما گہمی اور رونق رہی تھی۔ اس کے جانے کے بعد ان کے بڑے سے گھر میں ایک بار پھر تنہائی اور ویرانی نے ڈیرے ڈال لینے تھے۔ یہ حرقا سے ان کی بے پناہ محبت اور پیار ہی تھا جو اس کی جدائی کے خیال سے ان کے دل بیٹھے جا رہے تھے۔

نانی تیرزاہ حرقا کے قریب ہی دیوان پر بیٹھی کنیزوں کو حرقا کے صندوق بھرتے دیکھ رہی تھی۔ اس کی زبان بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ وہ مسلسل حرقا سے جدائی کا رونا روئے جا رہی تھی۔

"اکیلے اور بوڑھے لوگوں کی بھی کیا زندگی ہے۔ جب تک بچوں کی شادیاں نہیں ہو جاتیں گھر میں کیا چہل پہل اور رونق رہتی ہے۔ شادی کے بعد اگر کوئی بیٹا ماں باپ کے ساتھ رہ جائے تو یہ بھی بہت غنیمت ہوتا ہے کہ اس کے بیوی بچوں سے گھر میں رونق ہوتی ہے۔ یہاں تو ہمارے تمام بیٹیاں بیٹے بیاہ کر دور دور چلے گئے۔ اب اتنا بڑا گھر ہے اور ہم بوڑھے میاں بیوی...... کوئی بچہ ایسے میں ہمارے پاس چند دنوں کے لیے رہنے کے لیے آجائے تو کیا ہی خوشی ہوتی۔ مردہ دل دوبارہ زندہ ہو جاتے ہیں۔ زندگی بھرپور طور پر گزارنے کی امنگ دل میں بیدار ہو جاتی ہے۔ اپنا نکما ناکارہ وجود پھر سے کار آمد معلوم ہونے لگتا ہے۔ رب موسیٰ وہارون علیہم السلام کی قسم بیٹی حرقا تم نے تو یہاں رہتے ہوئے ہم میاں بیوی کو گویا حیاتِ نو بخش دی......"

حرقا اپنی نانی کی کوئی بات نہ سن رہی تھی اس کا ذہن برابر زمران کے ناقابل تفہیم

روپے میں الجھا ہوا تھا۔ وہ اس سے ملنے کی تدبیریں سوچے جا رہی تھی۔ اب جبکہ اس کے جانے میں تھوڑا سا ہی وقت باقی رہ گیا تھا وہ اس سے جلد سے جلد مل لینا چاہتی تھی۔ لیکن اسے اس کی کوئی تدبیر سجھائی نہ دے رہی تھی۔ اسے اس وقت بڑی شدت سے الیاسف یاد آرہا تھا وہی اس موقع پر اس کے کام آسکتا تھا اور اس کی زمران سے ملاقات کی کوئی سبیل نکال سکتا تھا۔ اگر اروک سپار سے اتنی دوری پر نہ ہوتا تو خود اس کے لیے خالہ ماریا کے گھر جا کر زمران سے ملاقات کر لینا بالکل آسان ہوتا۔ لیکن کیا واقعی وہاں اس کی زمران سے ملاقات ہو جاتی؟ زمران کے رویے سے تو اب یوں معلوم ہونے لگا تھا جیسے وہ دانستاً اس سے ملاقات سے کتراتا ہو......

"تو ہماری بیٹی جا رہی ہے......" بوڑھے اخزیاہ کی آواز نے حرقا کی سوچیں بکھیر دیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب ہی دیوان پر آ کر بیٹھ گیا۔ نانی تیرزاہ کی طرح اس کی زبان بھی رواں ہو گئی۔

"تم تو ہمارے گھر کی تمام رونقیں اپنے ساتھ لے جاؤ گی عزیز بیٹی ...... کیا ہی پر رونق اور گہما گہمی والے دن رہے ہیں جب تک تم یہاں رہتی رہی ہو۔ اس مردہ بڑے گھر میں گویا زندگی کی لہریں دوڑ گئی تھیں۔ اس کا گوشہ گوشہ حیاتِ نو کی حرارت سے سرشار مسکرا اٹھا تھا۔ تمہارے اکیلے وجود نے اسے زندگی کی بھرپور رعنائیوں، حرارتوں، رنگینیوں سے بھر دیا تھا۔ ہم بوڑھی جانوں میں بھی زندگی کی تازہ لہر دوڑا دی تھی۔ تمہاری بدولت ......"

بوڑھا اخزیاہ سٹھیائی ہوئی عمر کا خاصا حصہ گزار لینے کے بعد ذہنی رو کے بہکاوے کے ساتھ غیر متعلق اور بے معنی مطلب کی باتیں کرنے کے مرض میں مبتلا تھا۔ حرقا اس کی باتوں پر توجہ دینے کے بجائے اپنے ہی خیالات میں الجھی رہی جن کی تان بار بار اس سرے پر پہنچ کر ٹوٹتی رہی کہ کاش اس موقع پر الیاسف اس کی مدد کے لیے وہاں پہنچ جائے۔ یہ شدید اور پُر قوت خواہش حسرت بن کر اس کی روح کا غبار بنتی رہی۔ الیاسف تو وہاں سے بہت دور بابل میں تھا۔ وہ بھلا کیسے جان سکتا تھا کہ اسے اس وقت اس کی مدد کی بہت سخت ضرورت

تھی۔ وہ انہی پریشان خیالیوں میں مستغرق رہی۔ بوڑھی تیرزاہ اور بوڑھے اخزیاہ کی زبانیں بھی مسلسل رواں رہیں۔ کنیزیں اپنا کام کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ ان کا کام ختم ہوگیا۔ صندوق سب بھر گئے۔ اس کے ساتھ ہی حرقا بھی اپنی پراگندہ خیالیوں کے گرداب سے باہر نکل آئی اس وقت اخزیاہ کہہ رہا تھا۔

"ابھی کل ہی تو تمہارے غلام اتنا طویل سفر طے کرکے یہاں پہنچے ہیں۔ ان کی تھکاوٹ ابھی دور نہیں ہوئی انہیں دو چار دن یہاں رک کر تھکن اتار لینے اور آرام کر لینے دو۔ اس کے بعد ان کے ساتھ بابل چلی جانا......"

حرقا خود بھی یہی چاہتی تھی۔ چنانچہ وہ انکار نہ کرسکی۔ لیکن دو چار دن گزر جانے کے بعد بھی اس کی بابل روانگی ممکن نہ ہوسکی کیونکہ ایک غلام شدید بخار میں مبتلا ہوکر بستر پر پڑ گیا۔ اس کا علاج معالجہ ہونے لگا۔ اس کی تندرستی تک حرقا کا سپار میں قیام طول کھینچتا گیا۔

زادِ سفر سے لدے برق رفتار گھوڑے پر سوار الیاسف شاہراہِ اداد سے گزرتا ہوا معلق باغات کی طرف جانے والی سڑک کی طرف مڑا پھر چکر لگا کر شارع نرگال پر آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک دم گھوڑے کی لگامیں کھینچ دیں۔ اس کے دل کی دھڑکنیں یک بارگی بے ترتیب ہوگئی تھیں۔ اس جانی پہچانی پتلی ویران مڑتی بل کھاتی سڑک پر پہنچتے ہی اس کا عموماً یہی حال ہوجایا کرتا تھا۔ اسے کچھ دور سڑک کے موڑ پر وہی سفید پتھروں والا عالی شان مکان دکھائی دے رہا تھا جس کی اوپر کی منزلوں پر جھروکے بنے ہوئے تھے۔ انہی میں وہ مخصوص جھروکہ بھی تھا جس پر سیاہ حریری پردہ پڑا رہتا تھا۔ وہ گھوڑا روکے متذبذب سا کھڑا اس طرف دیکھتا رہا۔ وہ اس جگہ سے کترا کر نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن بے پناہ تجسس بار بار آڑے آ رہا تھا۔ اس تجسس میں اشتیاق بھی تھا اور اضطراب بھی۔ سیاہ پردے کے پیچھے سے جھانکتی ان سیاہ بڑی بڑی روشن حسین آنکھوں کا تصور اسے بار بار اس طرف کھینچ رہا تھا۔ غیر ارادی طور پر اس کے ہاتھ لگاموں پر ڈھیلے پڑ گئے۔ گھوڑا اسے آگے بڑھنے کا اشارہ سمجھ کر

ہلکی رفتار سے اس پتلی ویران سڑک پر آگے بڑھنے لگا۔ ساتھ ہی الیاسف کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہوتی گئیں۔ مکانات اس کی نظروں کے سامنے سے گزرتے گئے۔ پھر وہ سفید پتھروں کا مکان آ گیا۔ اس کی اوپر کی منزل پر بنے اس مخصوص جھروکے کے سامنے پہنچتے ہی الیاسف نے بے اختیار گھوڑے کی لگامیں کھینچ دیں۔ اور اس جھروکے کے اندرونی دروازے پر پڑے سیاہ حریری پردے کو دیکھنے لگا۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ حلق خشک ہوا جا رہا تھا۔ وفورِ اشتیاق سے وہ بے تاب ہوا جا رہا تھا۔ اس کی نظریں کسی مسحور کی طرح اس سیاہ حریری پردے پر جمی تھیں۔ اسے دنیا ومافیہا کی کوئی خبر نہ رہ گئی تھی۔ پھر ایک دم ہی ایک بھاری ہاتھ اس کے کندھے پر پڑا۔ ساتھ ہی اس نے ایک غصہ بھری کرخت آواز سنی۔

"اے کبڑے! تو ادھر کیا دیکھ رہا ہے؟"

الیاسف چونک کر مڑا۔ اس کے قریب ہی ایک سیاہ فام گھڑ سوار جو غلام معلوم ہوتا تھا، کچھ مشکوک کچھ متجسس سی غصہ بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں ......" الیاسف سنبھلتے ہوئے بولا۔ "میں دیکھ رہا تھا کہ اس شاندار گھر کے جھروکے کتنے خوبصورت بنے ہوئے ہیں۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ کس کا گھر ہے؟"

اس حبشی غلام کے چہرے کا تناؤ دور ہو گیا۔ اس پر کچھ خوشگوار سی کیفیت بکھر گئی۔

"تجھے نہیں معلوم؟ حیرت ہے! یہ سردار عمون کی رہائش گاہ ہے جو بابلی فوج کے اعلیٰ عہدیدار ہیں۔ ملازمت کی تو انہیں ضرورت نہیں کہ ان کے پاس مال و دولت کی کمی نہیں۔ یہ سپاہیانہ زندگی سے محبت انہیں فوج میں لے گئی۔ اس وقت وہ شرقی پہاڑوں کی طرف اس اجڈ اور وحشی ایرانی بادشاہ کے آئندہ اقدامات کی سن گن لینے گئے ہیں۔"

الیاسف نے عمیق نگاہی سے اس کی طرف دیکھا۔

"تو شاید ان کے گھر سے تعلق رکھتا ہے؟"

"ہاں میں ان کا غلام ہوں۔ ان کے گھرانے کا قدیمی نمک خوار...... میں شہر گیا ہوا تھا

واپس آیا تو تجھے یہاں کھڑے دیکھا۔ واقعی یہ جھروکے بہت خوب صورت بنے ہوئے ہیں۔ اس آبادی کے کسی گھر کے ایسے جھروکے نہیں ......" وہ غلام بولا اور بغیر مزید کچھ کہے اپنے گھوڑے کو موڑ کر اس مکان کے کھلے ہوئے بڑے سے دروازے سے اندر چلا گیا۔

الیاسف نے اس مخصوص جھروکے کی طرف دیکھا۔ اس پر بدستور سیاہ جریری پردہ پڑا تھا۔ وہ کچھ دیر منتظر نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر مایوسانہ سر کو جنبش دیتا ہوا گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھ گیا۔ اسی وقت اس جھروکے کا سیاہ حریری پردہ ایک طرف ہٹا اور سرتاپا سیاہ لباس میں ملبوس ایک خوش قامت خاتون جس نے اپنے چہرے کو نقاب میں اس طرح چھپا رکھا تھا کہ اس کی صرف آنکھیں ہی دکھائی دیتی تھیں، پردے میں سے نکل کر باہر جھروکے کے جنگلے کے قریب جا کر کھڑی ہوگئی اور دور جاتے الیاسف کو دیکھنے لگی۔ وہ اسے اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک وہ دور سڑک کا موڑ مڑ کر نظروں سے غائب نہ ہوگیا۔ اس کی حسین آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ وہ جھروکے سے نکل کر کمرے میں چلی آئی۔ اس نے اپنا سیاہ لبادہ سیاہ لباس اتارے اور دیوان پر بیٹھ گئی۔ اس کی حسین آنکھوں سے بدستور آنسو رواں تھے۔ اس کے دہکتے سرخ رخسار بھیگ رہے تھے۔ اس نے تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔ وفورِ رنج وکرب سے اسے اپنا وجود ٹوٹتا بکھرتا محسوس ہو رہا تھا۔ زمین پر تاریکیاں مسلط ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ان تاریکیوں میں ڈوبتی چلی گئی۔

ایمگوربل کے پشتوں میں سے گزرتا سیدھی سڑک کی طرف بڑھتا الیاسف اس وقت کچھ الجھن زدہ، حیران وپریشان سا تھا۔ اس حبشی غلام نے جب سردار عمون کا نام لیا تھا تو اس وقت اسے کچھ یاد نہ آیا تھا نہ اس نے اس پر توجہ دی تھی۔ لیکن اب شہر سے باہر نکلنے کے بعد اسے جب حبشی غلام کی باتیں یاد آنے لگی تھیں تو سردار عمون کے نام پر وہ بری طرح چونک گیا تھا۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ اس نے اس نام کو کب اور کس کی زبانی سنا تھا۔ اس شام بوڑھی عمورہ نے اسے شارع نرگال پر واقع ایک گھر میں ایک محفل طرب برپا ہونے کا حال

سنایا تھا جس میں اس نے سردار عمون کا نام لیا تھا جس کی بیوی اس محفل نشاط میں پہنچی ہوئی تھی۔ اک عجیب سنسناہٹ سی اس کے رگ و پے میں دوڑنے لگی۔ اس نے بے اختیار گھوڑے کی لگامیں کھینچ دیں۔ تو وہ اسی سردار عمون کا گھر تھا۔ اور وہ حسین سیاہ آنکھوں والی اس کی بیوی تھی جو یوں سیاہ حریری پردے کے پیچھے سے اسے دیکھا کرتی تھی! اس نے تیزی سے سانس بھری۔ اس کے دل کی دھڑکنیں یکبارگی بے ترتیب ہوگئیں۔ اس خاتون کے حسن و جمال کا نقشہ بوڑھی عمورہ نے خوب کھینچا تھا۔ لیکن اس کا رویہ کیسا پر اسرار اور عجیب سا ہوگیا تھا جب وہ اس کے چہرے میں جانے کیا کھوجنے لگی تھی۔ گویا وہ اس میں کچھ تلاش کر رہی ہو۔ کچھ ڈھونڈ رہی ہو۔ ایکو ربل کے پشتوں میں سے گزرنے کے بعد اس نے کبار نہر کے کنارے غلیظ ڈھیروں کے درمیان بنے ہوئے یہودی مزدوروں کے ٹوٹے پھوٹے مکانات کے سلسلے کو عبور کیا اور گھوڑا کھلی سڑک پر ڈال دیا۔ حزقا کو سپار سے لانے والے غلام ابھی تک اسے ساتھ لیے بابل نہ پہنچے تھے جس پر پریشان ہو کر اس کے آقا حزقی ایل نے اسے حالات کی خبر لینے اور حزقا کو لانے سپار روانہ کر دیا تھا۔ کھلی سڑک پر پہنچ کر اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ اس کے ساتھ ہی پرانے خیالات نے پھر اس کے ذہن پر یلغار کر دی۔

اس کے چہرے کو کھوجتی کریدتی عمیق نظروں سے دیکھتے ہوئے عمورہ کا رویہ کچھ عجیب سا ہو رہا تھا۔ وہ اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے کسی اجنبی کو کسی ناواقف کو دیکھ رہی ہو۔ جیسے پہلی مرتبہ اسے دیکھ رہی ہو۔ اس کی آنکھوں میں تجسس تھا، دلچسپی تھی، ساتھ ہی تشکیک و تذبذب کی کیفیت تھی۔ الیاسف کو یاد آیا کہ اس نے اس حسین خاتون کی بیٹی کا بھی ذکر کیا تھا۔ اور اس تذکرے کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں کے وہ تاثرات اور بھی گہرے ہوگئے تھے۔ اس کا کیا مطلب ہوسکتا تھا؟ باوجود اس کے اصرار کے بھی اس نے صاف طور پر کچھ نہ بتایا تھا۔ مبہم سی اور الجھی الجھی ہوئی سی ہی باتیں کی تھیں۔ اسے بعد میں عمورہ سے ملنے اور اس بارے میں کچھ پوچھنے کچھ جاننے کا موقع نہ مل سکا تھا کیونکہ وہ دوسرے ملازموں کے ساتھ

اس تجارتی سفر سے لائے ہوئے مالِ تجارت کو بابل کی منڈیوں میں پہنچانے اور سودے کرنے میں مصروف ہوگیا تھا۔ اس دن رات کی مصروفیت نے اسے اچھی طرح سے آرام کر لینے اور ستانے کی بھی مہلت نہ دی تھی نہ کسی دوسری طرف دھیان دینے دیا تھا۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہ ہوسکا تھا کہ آیا اس کی مالکن بچپن کی ساتھی حرقا گھر آچکی تھی یا نہیں۔ پھر جب ایک دن حزقی ایل نے اسے بلوا کر اسے سپار جا کر حرقا کو ساتھ لانے کا حکم دیا تھا تو اس وقت اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ ابھی تک گھر واپس نہ پہنچی تھی۔ اس خبر سے وہ پریشان بھی ہوا تھا اور فکر مند بھی۔ اگر حرقا بیمار ہوتی یا اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہوتا تو سپار سے کوئی غلام آ کر انہیں اس کی خبر کر دیتا۔ لیکن اس طرف تو بالکل خاموشی تھی۔ بوڑھے اخزیاہ یا خود حرقا کی طرف سے کوئی آدمی نہ آیا تھا۔ اس نے فوراً ہی سپار جانے کی تیاری شروع کر دی تھی۔ جانے سے پہلے اس نے بوڑھی عمورہ سے ملنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ جانے کہاں غائب تھی کہ گھر میں کہیں بھی نہ مل سکی تھی۔ یوں اسے اس خاتون سردار عمون کی بیوی کے بارے میں کچھ جاننے کا نہ موقع مل سکا تھا نہ عمورہ کے پراسرار الجھے ہوئے سے رویے کی وجہ معلوم ہوسکی تھی۔

سیدھی سڑک پر سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے الیاسف انہی پراگندہ خیالیوں اور ذہنی الجھنوں کے گرداب میں چکراتا رہا۔

شارع نرگال کے دونوں کناروں پر بنے شاندار مکانات کی کھلی ہوئی کھڑکیوں اور دالانوں میں بنے طاقچوں پر رکھے چراغوں کی روشنی باہر سڑک پر نیم اجالا سا کر رہی تھی۔ اس نیم اجالے میں مکانات کے سائے اور ہیولے خاصے ڈراؤنے اور ہیبت ناک سے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سڑک اس وقت بالکل ویران پڑی تھی۔ کبھی کبھار کوئی گھڑ سوار یا پیدل شخص وہاں سے گزر جاتا تھا تو سڑک کا مہیب سکوت کچھ دیر کے لیے ٹوٹ جاتا تھا۔ اس پُراسرار سے نیم اجالے اور سکوت میں بوڑھی عمورہ سیاہ چادر میں ملفوف محتاط روی سے چلتی

ہوئی اسی سڑک پر واقع سردار ایشیاع کے عالی شان محل نما مکان کی طرف بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ دن کے وقت اس کا علوکہ سے ملنا ممکن نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہ زیادہ تر گھر کے باہر کے کاموں میں مصروف رہتی تھی۔ صرف رات کا وقت ہی ایسا ہوتا تھا جب اسے ملنے ملانے کی فرصت میسر ہوتی تھی۔

سردار ایشیاع کا وسیع وعریض گھر اس طرح بنا ہوا تھا کہ اس کے پچھلے حصے میں غلاموں کنیزوں کے لیے الگ الگ رہائش گاہیں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں چھوٹی چھوٹی راہداریاں بنی ہوئی تھیں۔ جن کے دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ اس حصے میں باہر سے داخل ہونے کے لیے بھی الگ الگ دروازے بنے ہوئے تھے۔ عمورہ نے وہاں پہنچ کر کنیزوں اور ملازماؤں کے رہائشی حصے کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ دروازہ کھل گیا۔ ایک ادھیڑ عمر عورت نے چراغ کی روشنی میں باہر جھانکا۔ عمورہ اس کے سامنے آ گئی۔

"کیا علوکہ اس وقت گھر پر ہی ہے؟"

"ہاں ...... کیا تمہیں اس سے ملنا ہے؟" اس عورت نے مشکوک نظروں سے اسے گھورا۔

"ہاں ...... میں اس وقت ایک نہایت ضروری کام سے اس کے پاس آئی ہوں۔" عمورہ نے کہا۔

وہ عورت ایک طرف ہٹ گئی۔

"آؤ اندر آ جاؤ......"

عمورہ اندر داخل ہوگئی۔ اس نے گہری نظروں سے اس عورت کو دیکھا۔

"تم شاید نئی نئی یہاں آئی ہو؟"

"ہاں ...... میں چند دن ہوئے آیونیا سے یہاں لائی گئی ہوں۔ میں یہاں کسی کو نہیں پہچانتی۔" عمورہ نے سر ہلایا اور راہداری میں داخل ہوگئی۔

"مجھے علوکہ کا رہائشی حصہ معلوم ہے۔ تم تکلیف نہ کرو۔ میں خود وہاں چلی جاؤں گی۔"

علوکہ اس وقت اپنی کوٹھڑی میں چراغ کی روشنی میں اپنے کسی کپڑے کی مرمت میں مصروف تھی۔ عمورہ کو دیکھ کر اس نے اپنا کام سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیا اور اس کے بیٹھنے کے لیے پلنگڑی پر جگہ بنا دی۔

''اس وقت میں تمہیں ہی یاد کر رہی تھی۔ اچھا ہوا تم آ گئیں۔ کچھ وقت تو ہنسی خوشی گزر جائے گا۔ ہماری ملاقاتیں ویسے بھی طویل طویل وقفوں کے بعد ہی ہوتی ہیں۔''

ان کے درمیان دلچسپ اور پر لطف باتیں چھڑ گئیں۔ بوڑھی علوکہ چونکہ باقی سب کنیزوں ملازماؤں سے زیادہ معمر اور ان کے نزدیک بمنزلہ بزرگ تھی۔ اس لیے وہ اس کی خدمت بھی کیا کرتی تھیں اور اس کا ہر کام بھی۔ عمورہ کی آمد کے تھوڑی دیر بعد ایک کنیز فواکہات اور مشروبات کا ایک تھال لیے کوٹھڑی میں چلی آئی اور اسے عمورہ کے سامنے ایک تپائی پر رکھ کر چلی گئی۔

ناؤ نوش کے ساتھ ہی عمورہ نے اس محفل نشاط کا تذکرہ چھیڑ دیا جو سردار الیشیاع کے گھر برپا ہوئی تھی جس کا تذکرہ اس نے الیاسف سے کیا تھا۔

''وہ محفل نشاط واقعی یادگار قسم کی تھی۔ مجھے تمہارا ممنون ہونا چاہیے کہ تم نے مجھے اس میں شرکت کا موقع فراہم کیا۔ اس موقع پر جو امراء و روساء کی بیگمات یہاں جمع تھیں ان کی آن بان شان کا جواب نہیں تھا۔ سردار عمون کی بیوی تو سب سے بڑھ کر تھی۔ حسن و جمال میں، لباس و زیورات میں، آرائش جمال میں اور رکھ رکھاؤ میں ...... تم اس کے بارے میں کچھ معلومات رکھتی ہو علوکہ؟''

''سردار عمون کی بیوی عجیلہ ...... ہاں ...... میں نے خود اسے پہلی مرتبہ اس محفل نشاط میں ہی دیکھا ہے۔ واقعی اس عورت کے حسن و جمال کا جواب نہیں ......'' علوکہ مرعوبیت سے سر دھنتے ہوئے بولی۔

عمورہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

''یعنی اس جگہ رہنے کے باوجود؟ اس کا مطلب کیا یہ نہیں کہ اسے اس جگہ رہتے سہتے

طویل عرصہ گزر چکا ہے اور وہ پہلی دفعہ عورتوں کے ایسے اجتماع میں شریک ہوئی ہے؟"

علوکہ نے پر خیال انداز میں سر کو جنبش دی۔

"ہوسکتا ہے...... ہوسکتا ہے کہ سردار عمون کو اس کا گھر سے ادھر ادھر نکلنا پسند نہ ہو۔"

"وجہ؟ یہ تو تنگ دلی ہے۔ کیا وہ اُس کے ساتھ خوش ہے؟ میں نے اسے کچھ خاموش خاموش اور بجھا بجھا سا دیکھا تھا۔" عمورہ نے کرید کی۔

"میں اس کے بارے میں کوئی معلومات نہیں رکھتی۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں نے اسے پہلی مرتبہ یہاں دیکھا ہے۔ وہ اس بستی میں برپا ہونے والی کسی تقریب میں کبھی دکھائی نہیں دی۔ یہاں کی عورتیں اس سے میل جول رکھتی نہیں معلوم ہوتیں۔ خود ہماری مالکن بھی اس سے ملتی جلتی نہیں۔ اس مرتبہ شاید محلہ داری کے لحاظ سے اسے اس محفل نشاط میں مدعو کرلیا ہوگا۔"

"سردار عمون کیا کرتا ہے؟"

"وہ بابلی فوج کا ایک اعلیٰ عہدیدار ہے۔ اس کے خاندان کا شمار اگر قدیم بابلی یہودیوں کے خاندانوں میں نہ ہوتا تو شاید اسے فوج کی ملازمت نہ ملتی۔ جس کی اسے ضرورت بھی نہیں تھی۔ کیونکہ وہ بے حد امیر کبیر آدمی ہے جس کی ایرانی علاقوں میں بھی جائیدادیں موجود ہیں۔ اسے مصروفیت چاہیے تھی یا سپاہیانہ زندگی کا شوق جو وہ فوج میں چلا گیا۔ لوگ یہی کہتے ہیں۔"

"ان کے کیا بچے بھی ہیں۔"

"ہاں۔ تین بیٹے ہیں اور ایک بیٹی۔ بیٹے تو ایسے خوبصورت نہیں کہ وہ باپ پر گئے ہیں۔ لیکن بیٹی بے حد حسین وجمیل ہے۔ تم نے اسے دیکھا ہی ہوگا۔ بالکل اپنی ماں کی طرح۔ وہ تو عمر ضرور ہے۔ لیکن حسن وجمال میں بے مثال ہے۔ جوانی کی عمر کو پہنچ کر وہ بھی اپنی ماں کی طرح راہزنِ ہوش وتمکین حسن وجمال کی مالک بن جائے گی۔"

"میں نے اسے دیکھا تھا...... واقعی وہ بے حد خوب صورت ہے۔" عمورہ نے سر

ہلایا۔ اس کے چہرے پر عمیق سوچ و تشکیک کے تاثرات بکھرنے لگے۔ ''خالص یہودی خون ہوگا اس میں جب ہی ...... سردار عمون واقعی بے حد خوش نصیب ہے جو اسے ایسی بیوی ملی۔ تمہارے اس کے گھر کی کسی کنیز کسی خادمہ سے روابط ہوں گے؟''

''نہیں ...... اپنی مالکن کی طرح اس کی کنیزیں خادمائیں بھی گھر سے باہر کسی سے میل جول نہیں رکھتیں۔''

''حیرت ہے! یہ بات تو اچھی بھلی شکوک وشبہات میں مبتلا کر دینے والی بلکہ پراسرار سی بات ہے۔''

''نہیں عمورہ ...... صرف وہی نہیں ...... اس جگہ پر اکثر گھروں کی عورتیں بھی ایسی ہیں ہیں۔'' علوکہ نے عمیق نگاہی سے کچھ تشکیک سے اسے گھورا۔ ''کیا بات ہے؟ تم اس عورت میں اتنی دلچسپی لے رہی ہو؟''

عمورہ فوراً ہی سنبھل گئی۔ اس نے بے نیازانہ کندھے جھٹکے۔

''کسی کے بے پناہ حسن و جمال سے اس کے بارے میں کھوج کرید کی خواہش قدرتی بات ہی ہے۔ ہاں ہمارے آقا حزقی ایل اپنے طویل تجارتی سفر سے واپس آ چکے ہیں۔ اب حرقا بیٹی بھی سپار سے آنے ہی والی ہے۔ اور تمہیں معلوم ہے آقا حزقی ایل نے کیا خبریں سنائی ہیں......'' وہ علوکہ کی طرف جھک گئی۔ اور تقریباً سرگوشی میں اسے ایرانی بادشاہ سائرس ہخامنشی کی شمالی علاقوں کی فتوحات سے واپسی اور آئندہ عزائم کے بارے میں بتانے لگی۔

''ہم مظلوم و مقہور یہودیوں کی واحد اور آخری امید یہی ایرانی بادشاہ ہے......'' علوکہ سب کچھ سن چکنے کے بعد گہری سانس لیتے ہوئے امید و حسرت سے لرزاں لہجے میں نیم سرگوشی میں بولی۔ ''ہا! کیا ہی حسین خواب ہے ان منحوس کافروں بت پرستوں کی جبراً رعایا بن کر رہنے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات پا کر اپنے پیارے عزیز از جان وطن یروشلم لوٹ جانا۔ وہاں ہمارے مکانات، عمارات، معبد پھر سے کھڑے ہوں گے، سڑکیں، شاہراہیں بنیں گی، گلیاں اور بازار آباد ہوں گے۔ باغات اور کھیت لہلہائیں گے۔ اور...... سب سے

بڑھ کر ہماری وہ عظیم عبادت گاہ ہیکل سلیمانی بھی اپنی سابقہ آن بان کے ساتھ از سر نو تعمیر ہو جائے گی۔ منحوس بخت نصر نے، اللہ اسے ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلائے، اسے بالکل پیوند زمین کر ڈالا تھا۔ اس کے تمام متبرکات بھی اس کے ساتھ ہی تباہ و برباد ہو گئے۔ تابوتِ سکینہ کا تو کچھ پتہ نہ چل سکا۔ صد افسوس! یہ خون کے آنسو بہانے والی ہی بات ہے کہ ہماری کتابِ مقدس کا اصل نسخہ بھی اس کے ساتھ ہی نابود ہو گیا۔ یہاں سے وہاں واپس جانے والے ہمارے مذہبی عمائدین و زعماء ضرور ہیکل کے ملبے میں تابوتِ سکینہ کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے......"

"ایسی بے شمار کوششیں وہ لوگ بھی کر چکے ہیں جو اس قیامت صغریٰ کے وقت آس پاس کے علاقوں میں بھاگ لیے تھے۔" عمورہ اس کی بات کاٹتے ہوئے کچھ اکتاہٹ بھرے لہجے میں بولی۔ "انہوں نے ہیکل کے ملبے کو خوب کھودا کریدا ہے لیکن تابوتِ سکینہ کا کہیں نام و نشان نہیں پایا۔ علوکہ! میں تمہیں بار بار کہہ چکی ہوں کہ بخت نصر کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی اور ہیکل سلیمانی کی بربادی ہم یہودیوں پر اللہ کا عذاب تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے لے کر اب تک ہم یہودی ہر وہ کام کرتے چلے آ رہے ہیں جس سے اللہ ناراض ہو۔ اس کا ہم پر غضب بھڑکے۔ اب جو باوجود کوشش کے تابوتِ سکینہ نہیں مل پا رہا تو یہ بھی اللہ کی ناراضگی کی علامت ہے۔ لگتا یہی ہے جیسے وہ اب تک ہم سے ناراض ہے۔"

علوکہ نے سر کو جنبش دی۔

"ہم نے بہت دکھ اور سختیاں جھیل لیں۔ اب ہمیں کچھ سکھ چین کی زندگی نصیب ہو جائے تو اللہ کی یہ بے پناہ مہربانی ہو گی۔ اس کے لیے اسے راضی کرنا ضروری ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ توبہ و استغفار سے اور نیک بن کر رہنے سے ہی ممکن ہے۔ لیکن یہاں جو یہودیوں کا چلن ہے۔ یعنی یروشلم سے لائے گئے یہودیوں کا۔ اسے دیکھ کر دکھ ہی ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی اس ذلت و خواری اور کافروں کی غلامی سے کوئی سبق نہیں سیکھا اور ویسے ہی ہیں جیسے پہلے ہوا کرتے تھے۔ ان حالات میں بھی اس ایرانی بادشاہ کا ان کا نجات دہندہ بن

کرآنا ایک معجزہ ہی ہوگا۔"

"اللہ کی ہم پر ڈالی ہوئی ایک اور آزمائش...... لگتا ہے اللہ ہمیں ڈھیل دے رہا ہے۔ مجھے تو سچ پوچھو اس خیال سے خوف محسوس ہوتا ہے کہ ہم اگر یروشلم جاکرآباد ہوگئے اور وہی پہلے جیسے چلن اختیار کرلیے تو جانے کیا ہو۔ میں تو یہیں رہوں گی۔ آقا حزقی ایل بھی یروشلم جاکرآباد ہونے کے حق میں نہیں۔"

"یروشلم کی محبت سب کے دل میں بسی ہے۔ لیکن سب اپنی اپنی مصلحتیں دیکھتے ہیں۔" عمورہ نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔

"اب دیکھتے ہیں ایرانی بادشاہ یہاں کب حملہ آور ہوتا ہے۔ یہ شہر بظاہر ناقابل تسخیر دکھائی دیتا ہے لیکن تمہیں معلوم ہی ہے کہ اندرونِ شہر مدد ہر ناممکن کام کو ممکن بنا دیا کرتی ہے۔"

علوکہ نے معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہاں کے ساہوکار یہودی......"

"ہاں ...... وہ بھی جو کبار نہر کے کنارے بنی ہوئی تنگ وتاریک عبادت گاہ میں جمع ہوتے ہیں۔ اور ہمارے مذہبی عمائدین وزعما بھی۔"

"تمہارا آقا حزقی ایل یروشلم جانے کے حق میں نہیں۔ سردار ایشیاع بھی یہی کہتے ہیں۔ یہ سب قدیم کلدانیہ میں صدیوں سے بستے چلے آنے والے یہودی ہیں جو ارضِ مقدس سے کچھ ایسا لگاؤ اور عقیدت نہیں رکھتے کہ اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہاں جاکرآباد ہوجائیں۔ یہ بخت نصر کے ہاتھوں وہاں سے پکڑ کر لائے گئے یہودی ہیں جو ہر دم اس کی یاد میں آنسو بہاتے رہتے ہیں اور وہاں واپسی کے لیے تڑپتے رہتے ہیں۔"

"تم بھی تو قدیم کلدانیہ کی یہودی ہو۔ شاید وجہ یہ ہے کہ اپنے مقدس مقامات اور زیارت گاہوں سے سب کو محبت ہوتی ہے۔ لیکن تم تنہا وہاں جاکر کیا کروگی؟ سردار ایشیاع کیا تمہیں جانے دیں گے؟ کنیز تو تم ان کی ہو؟"

"وہ میری بہت عزت واحترام کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے یروشلم جانے سے نہ روکیں گے۔ وہاں میں ہیکل سلیمانی کی خادمہ بن کر اپنی باقی ماندہ زندگی گزار دوں گی۔ اسے از سر نو تعمیر تو کروا ہی لیا جائے گا۔"

"تمہارے یہ بہت نیک ارادے ہیں۔ لیکن سچ پوچھو تو برباد شدہ اجڑے ہوئے شہروں کی تعمیر نو کوئی ایک دو سال کی بات نہیں ہوتی اس کے لیے ایک مدت درکار ہوتی ہے۔ اس کے لیے بے پناہ سرمایہ اور افرادی قوت درکار ہوتی ہے۔ لیکن...... نیت اور ارادے نیک ہوں تو اللہ کی مدد بھی شامل حال ہوجاتی ہے۔ اللہ ہم یہودیوں کو معاف فرمائے ...... یروشلم از سر نو آباد ہو۔ ہیکل سلیمانی از سر نو تعمیر ہو۔ وہاں پھر سے عبادات وتسبیحات ہونے لگیں۔ سب سے بڑھ کر تابوتِ سکینہ بھی بازیاب ہوجائے اور توراتِ مقدس کا اصل نسخہ بھی......"

"آمین......"

عمورہ اپنی چادر سنبھالے پلنگڑی پر سے اٹھ گئی۔

"اچھا میں اب چلتی ہوں۔ رات کافی ہوچکی ہے۔ اتنے عرصہ بعد ہماری ملاقات بہت اچھی رہی۔"

واپس گھر جاتے ہوئے وہ کچھ مایوس کچھ بددل اور بیزار سی تھی۔ وہ جس مقصد کے لیے علوکہ کے پاس آئی تھی وہ پورا نہ ہوسکا تھا۔ اسے سردار عمون کی بیوی عجیلہ کے بارے میں کسی بھی قسم کی معلومات حاصل نہ ہوسکی تھیں۔ یہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ وہ اس بارے میں اپنی عمر بھر کی سہیلی علوکہ کو بھی اعتماد میں نہ لے سکتی تھی۔ یہ بات خطرناک تھی ...... انتہائی خطرناک! اس میں جان کا خطرہ بھی لاحق ہوسکتا تھا۔

کبڑا الیاسف

تھکا ماندہ الیاسف جب طویل سفر کے بعد اروک میں داخل ہوا تو اس وقت شام ڈھلنے کو آ رہی تھی۔ وہ گلیوں بازاروں میں سے گزرتا آگے بڑھتا رہا۔ اسے یہ دیکھ کر بے حد حیرت ہو رہی تھی کہ ان میں بہت کم لوگ دکھائی دے رہے تھے وہ بھی ادھیڑ عمر بوڑھے یا بچے۔ وہ شہر کے مختلف حصوں سے گزرتا مختلف چھوٹی بڑی سڑکیں طے کرتا شہر کے اس حصے میں جا نکلا جس میں شہر کے امراء و روساء کے رہائشی مکانات واقع تھے۔ ان میں چند قدیم یہودی باشندوں کی محل نما رہائش گاہیں بھی تھیں۔ جو شہر کے چوٹی کے ساہوکار اور بڑے دولت مند تجار تھے۔ وہیں سردار ایالون کی رہائش گاہ بھی تھی جو حرقا کی خالہ ماریا کا خاوند اور زمران کا باپ تھا۔ آگے سپار کا طویل سفر کرنے سے پہلے الیاسف ان کے ہاں ٹھہر کر اپنی تھکن اتار لینا چاہتا تھا۔ ساتھ ہی زمران سے ملاقات بھی جو حرقا ہی کی طرح اس کا بھی بچپن کا ہم جولی تھا۔ ہر چند کہ اس کا رویہ اس کے ساتھ ایسا دوستانہ اور بے تکلفانہ نہ رہا تھا الیاسف اسے حرقا کی وجہ سے عزیز رکھتا اور اس کا احترام و لحاظ کرتا تھا۔

حرقا کی ننھیال میں، اس کی خالاؤں ماموؤں کے گھروں میں بھی الیاسف سے افرادِ خانہ کی مانند سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ اس سے محبت کی جاتی تھی۔ ان کے بچے بچپن ہی سے اس کے ساتھ کھیلتے کودتے چلے آ رہے تھے اور اسے عزیز رکھتے تھے۔ اس کے مشکوک حسب و نسب کے باوجود اس سے کبھی نفرت و غیریت کا سلوک اس لیے روا نہ رکھا گیا تھا کہ اس کا رنگ و روپ بال چہرہ مہرہ سب اس کے صحیح النسل یہودی ہونے کی گواہی دیتے تھے۔ صدیوں کی دربدری، ہجرتوں و خروج اور اللہ کی زمین پر مارے مارے پھرنے کے تلخ و روح فرسا تجربات نے یہودیوں کو باہم مربوط و متحد ہو کر رہنے اور ایک الگ برادری کی صورت

میں آپس میں جڑ کر رہنے ایک دوسرے کا بھرپور خیال رکھنے اور اپنی نسل کو خالص رکھنے کا خوب سبق سکھایا تھا۔ الیاسف کے معاملے میں یہی سبق یہی جذبہ کارفرما تھا۔ وہ اپنی نسل کو محفوظ اور خالص رکھنا چاہتے تھے۔ ایک ایک فرد کی حفاظت کرنا چاہتے تھے۔ خواہ اس کی ولدیت مشکوک ہو یا نہ ہو۔

سردار ایالون اس وقت گھر پر نہیں تھا۔ ملازموں نے الیاسف کو بتایا کہ وہ اور اس کی بیگم اس وقت حران گئے ہوئے ہیں جہاں ماریا کی چھوٹی بہن شمورا رہتی تھی۔ جس کی طبیعت اس وقت ناساز تھی۔ صرف زمران ہی گھر پر تھا جو اس وقت اصطبل میں اپنے محبوب گھوڑوں کے ساتھ مصروف تھا۔ الیاسف جب نہا دھو کر فارغ ہوا ملازم نے آ کر اسے زمران کے آنے کی اطلاع دی اور یہ کہ وہ نشست گاہ میں اس کا منتظر ہے۔

زمران اس سے بڑی محبت اور گرم جوشی سے ملا۔

"اگر میں غلطی نہیں کرتا تو تم ضرور سپار جا رہے ہو۔"

"ہاں۔ مالکن ہرقا کو لینے۔ مالک نے انہیں لینے کے لیے غلام بھیجے تھے۔ لیکن اتنے دن گزرنے کے باوجود وہ بابل واپس نہیں آئیں تو انہوں نے مجھے انہیں لانے بھیج دیا۔ تم کیا ان سے ملنے گئے تھے زمران؟" الیاسف نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے استفہام کیا۔

"ہاں دو تین مرتبہ میں سپار گیا تھا۔ لیکن مختصر وقت کے لیے۔ دراصل مجھے خبر ملی تھی کہ وہاں نسایانی نسل کے ایرانی گھوڑے برائے فروخت آئے ہوئے ہیں۔ میں ان کی خریداری کے سلسلے میں وہاں گیا تھا......"

الیاسف نے گہری سانس لی۔ زمران کے گھوڑوں کے جنونی حد تک بڑھے ہوئے شوق سے وہ بخوبی آگاہ تھا۔

"تو تم نے خریدے پھر وہ ایرانی گھوڑے؟"

"ہاں...... چھ گھوڑے خریدے ہیں میں نے......" زمران کی آواز چہکتی سی تھی۔ "یہ

خوب لمبی لمبی ٹانگوں والے بلند وبالا گھوڑے ہیں۔ بڑے شاندار اور رعب دار۔ تم دیکھو گے تو مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکو گے۔ ان کی موجودگی سے میرے اصطبل کی شان میں حقیقی معنوں میں اضافہ ہوگیا ہے۔"

الیاسف نے ناگواری سے ہاتھ کو جنبش دی۔

"ایسے گھوڑوں کو میں نے دیکھ رکھا ہے۔ سر زمین ایران میں تجارتی سفروں کے دوران مجھے ایرانیوں کی ہر چیز دیکھنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ یہ نسایانی گھوڑے واقعی خوب ہیں۔ لیکن یہ عام سواری کے لیے نہیں۔ یہ جنگی گھوڑے ہیں۔ یہ میدانِ جنگ میں دشمن پر چڑھ دوڑنے کے ساتھ اسے دانتوں سے بھی کاٹ کھاتے ہیں۔ بھائی زمران! تم تو اب سنجیدگی سے کچھ کرنے کی سوچو۔ یہ گھوڑوں کا بیکار شوق آخر کب تک؟ خالہ ماریا اور خالو ایالون بھی تمہاری طرف سے پریشان رہتے ہیں۔ ان کی دلی خواہش ہے کہ تم کسی کام کے بنو تو مالکن حرقا کو بیاہ لائیں۔ وہ خود بھی عرصہ سے اس انتظار میں ہیں۔ آخر کب تک انہیں اسی طرح انتظار کرواتے رہو گے؟"

حرقا کے ذکر پر بھی زمران کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔

"اتنی جلد شادی کرنا کیا ضروری ہے؟ میری عمر تو ابھی کچھ زیادہ نہیں۔ تمہارا ہی تو ہم عمر ہوں اکیس بائیس سال کا۔ ابھی مجھے اپنا شوق پورا کر لینے دو۔ پھر شادی کی سوچوں گا۔"

الیاسف کی نظروں میں گہری سنجیدگی اور فکر مندی کی جھلک تھی۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن حرقا کی طرف تمہاری بے اعتنائی تو اچھی نہیں۔ تم دونوں بچپن کے ساتھی ہو۔ تم دونوں میں بے حد محبت ہوا کرتی تھی۔ تم نے تو اس محبت کا رخ اب گھوڑوں کی طرف موڑ لیا ہے۔ لیکن وہ بدستور تمہاری محبت میں ہلکان ہوئی جا رہی ہیں۔ ان کی کچھ تسلی تشفی کیا کرو زمران۔ انہیں اپنے خلوص اور وفا کیشی کا یقین دلایا کرو۔ تمہاری سرد مہری اور بے نیازی سے وہ بہت پریشان رہنے لگی ہیں۔"

زمران نے ایک قہقہہ لگایا۔

"غلطی پر ہے وہ! میں بھلا اس کے ساتھ سردمہری اور بے نیازی کیسے برت سکتا ہوں جو مجھے ہمیشہ سے بے حد عزیز رہی ہے۔"

"تو پھر تم کچھ کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ کوئی ملازمت، کوئی کاروبار، کوئی کام ...... ذرا معاشی میدان میں اپنے قدم تو مضبوطی سے جماؤ۔ خالو ایالون کی دلی خواہش ہے کہ تم ان کا کاروبار سنبھال لو وہ اب بوڑھے ہونے کو آرہے ہیں۔ انہیں آرام کی ضرورت ہے......"

زمران نے اکتاہٹ سے سر جھٹکا۔

"یہ کام بھی میں کرلوں گا ذرا ذہنی طور پر اس کے لیے تیار ہولوں ...... ہاں تم خالو حزقی ایل کے ساتھ سرزمین ایران کے تجارتی سفر پر گئے تھے۔ ذرا وہاں کے حالات کے بارے میں تو کچھ سناؤ۔"

اصل موضوع سے یوں ہٹائے جانے پر الیاسف نے شدید ناگواری محسوس کی۔ لیکن اسے دباتے ہوئے وہ زمران کو اس تجارتی سفر کا حال سنانے لگا۔ یہاں تک کہ رات کے کھانے کا وقت آن پہنچا۔

الیاسف چونکہ بے حد تھکا ہوا تھا اس لیے کھانے سے فارغ ہوتے ہی سونے چلا گیا۔ اگلی صبح جب وہ نیند سے بیدار ہوا تو سورج کافی اونچا چڑھ چکا تھا۔ خدام نے اسے بتایا کہ زمران صبح سویرے ہی حران جا چکا تھا۔ ناچار اس نے تنہا ہی ناشتہ کیا اس کے بعد اپنے سفر پر روانہ ہوگیا۔ اس وقت وہ دل ہی دل میں سخت کبیدگی اور تکدر محسوس کررہا تھا۔ اسے زمران کے رویے اور باتوں سے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی تھی کہ حرقا کے لیے اس کے جذبات اب سردمہری اور بیگانگی کا شکار ہو چکے تھے۔ وہ اس کی جانب پہلے جیسا گرم جوش اور پرخلوص نہ رہا تھا۔ کیا وہ یہ حرقا کو بتا سکتا تھا؟ وہ تو اسے ذرّہ بھر تکلیف پہنچانا بھی گوارا نہ کرسکتا تھا۔ سپار کی جانب رواں دواں وہ انہی سوچوں میں مستغرق رہا۔

''الیاسف تم اروک گئے تھے؟'' حرقا نے عمیق نگاہی سے الیاسف کو دیکھتے ہوئے استفہام کیا۔

اسے اپنے باپ کے گھر بابل واپس آئے ہفتہ بھر ہونے کو آ رہا تھا اور اتنے دنوں میں اسے ایک بار بھی الیاسف سے کچھ کہنے سننے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ جو گھر آتے ہی باہر کے کاموں میں بری طرح سے مصروف ہو گیا تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا جیسے وہ کچھ الجھا الجھا سا دکھائی دیتا تھا۔ کچھ پریشان کچھ مضطرب و متفکر۔

وہ جب اسے لینے سپار پہنچا تھا تو اس وقت بھی اسے اس سے کچھ پوچھنے کچھ باتیں کرنے کا موقع نہ مل سکا تھا کیونکہ نانا اخزیاہ نے جنہیں اس وقت کے تیزی سے بدلتے سیاسی حالات سے بے حد دلچسپی تھی۔ اسے آتے ہی گویا اپنے ساتھ چپکا لیا تھا اور ہر وقت دن ہوتا یا رات اس کے ساتھ ایرانیوں کی فتوحات، جنگی تیاریوں، طرزِ حکومت، معاشرت، اسلحہ سازی، آئندہ پیش قدمیوں خصوصاً بابل پر ان کے ممکنہ حملے کے بارے میں طول وطویل گفتگو میں مصروف رہنے لگے تھے۔ قدیم کلدانیہ کے قدیم یہودی آبادکار ہونے کے سبب انہیں بھی اپنی طرح کے یہودیوں کی طرح یروشلم جا کر آباد ہونے کی قطعاً خواہش نہیں تھی۔ لیکن اس کی از سر نو بحالی، ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو اور عظمت رفتہ کی بازیابی ہر یہودی کی طرح ان کی بھی انتہائی خواہش اور حسرت تھی۔

نانا اخزیاہ کی خواہش پر الیاسف تین چار دن ان کے گھر ٹھہرا رہا۔ اور اس دوران حرقا اس سے باتیں کرنے کو ترستی رہی۔ ان کے مابین علیک سلیک اور مزاج پرسی سے بڑھ کر اور کوئی بات نہ ہو سکی تھی۔ نہ ہی بابل واپسی کے سفر کے دوران حرقا کو اس سے کچھ پوچھنے دریافت کرنے کا موقع مل سکا تھا۔ کیونکہ ان کے قافلے میں بابل جانے والے دو اور قافلے بھی شامل ہو گئے تھے۔ پھر بابل پہنچ کر بھی کتنے ہی دنوں تک وہ الیاسف سے کچھ کہہ سن نہ سکی تھی۔ اس کے لیے اپنی بے چینی اور اضطراب کو دبانا مشکل ہوا جا رہا تھا۔ سپار میں اپنے قیام کو طول دیتے ہوئے وہ زمران کی آمد کی بے چینی سے منتظر رہی تھی۔ اور مایوس ہی ہوتی

رہی تھی۔ یہاں تک کہ الیاسف اسے لینے آن پہنچا تھا۔ اروک سپار اور بابل کے درمیان واقع تھا اس لیے اسے یقین تھا کہ الیاسف راستے میں ضرور اروک خالہ ماریا کے ہاں ٹھہرا ہوگا اور زمران سے اس کی ملاقات ہوئی ہوگی۔ سپار سے بابل جاتے وقت وہ اپنے قافلے میں دوسرے قافلوں کے شریک ہونے کے سبب اروک نہ رک سکے تھے۔ وہ الیاسف سے زمران کے بارے میں جاننے کے لیے حد درجہ بے چین و متوحش ہوئی جا رہی تھی اور اسے الیاسف سے ملنے کا موقع ہی نہ مل پا رہا تھا۔ اب جب اسے اس کا موقع ملا تو اس نے سیدھے یہ سوال کر ڈالا۔

''ہاں مالکن ...... میں راستے میں اروک ٹھہر گیا تھا۔ خالہ ماریا کے گھر۔ وہ اور خالو ایالون اس وقت حران گئے ہوئے تھے کیونکہ خالہ شمورا بیمار تھیں۔ یہ بات مجھے زمران نے بتائی وہ اس وقت اکیلا گھر پر تھا۔'' الیاسف کے لہجے اور چہرے کے تاثرات میں حرقا کو ناخوشگواری اور ناگواری کی جھلک صاف دکھائی دی۔

''تم وہاں کتنے دن ٹھہرے؟''

''صرف ایک رات ...... اگلی ہی صبح میں وہاں سے روانہ ہوگیا تھا کیونکہ زمران حران جا چکا تھا۔''

''زمران سے تمہاری کچھ باتیں وغیرہ ہوئیں؟'' حرقا نے متجسسانہ استفہام کیا۔

''آج کل ہر جگہ ایرانیوں کے بابل پر متوقع حملے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ ہمارے درمیان بھی یہی باتیں ہوتی رہیں ......''

''اس نے تم سے میری کوئی بات نہیں کی؟'' حرقا نے کچھ دکھ کچھ مایوسی سے استفہام کیا۔

الیاسف نے بھرپور نظر اس پر ڈالی۔ اسے اپنی بچپن کی اس ساتھی سے کتنی محبت تھی۔ وہ اس پر کیسے جان چھڑکتا اور اسے عزیز رکھتا تھا۔ اس نے کبھی اسے معمولی سا بھی دکھی دیکھنا گوارا نہ کیا تھا۔ اس کی خوشی اس کی مرضی، اس کی پسند اس نے جان سے عزیز رکھی تھی۔ اب

وہ کیا اسے بتا دے کہ زمران کے جذبات اس کے بارے میں پہلے جیسے نہیں رہے تھے۔ وہ اب اس کی طرف سے لا پرواہ اور سرد مہر بن چکا تھا۔ بیگانہ سا...... وہ کیا یہ سب کچھ اسے بتا کر اسے تکلیف اور دکھ پہنچا سکتا تھا؟

خوب صورت، بیش قیمت اور نفیس سیاہی مائل نیلے لباس میں اپنی تمام تر دلکشیوں اور خوبصورتیوں کے ساتھ وہ اس کے بالکل قریب کھڑی تھی۔ اس کا بے پناہ حسین معصوم جگمگاتا سا چہرہ اس کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ سیاہ گھنے چمکیلے نیچے تک پہنچتے بال اس کے چہرے کے دونوں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ یوں چہرے کی تابانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کی سیاہ بڑی بڑی سحر طراز آنکھیں بڑی امید وبیم سے اسے تک رہی تھیں۔

''بتاؤ نا الیاسف...... زمران نے تم سے میری کوئی بات کی؟'' اس نے اس کا بازو پکڑ کر اسے ہلکے سے جھنجھوڑا۔ اس کا لہجہ بے چین تھا اور مضطرب بھی۔

الیاسف نے اپنے آپ کو بے حد بے بس اور مجبور سا محسوس کیا۔ اس نے کبھی جھوٹ نہ بولا تھا۔ اب بھی کیسے بول سکتا تھا جبکہ حقیقت نے جلد یا بدیر حرقا پر عیاں ہو جانا تھا۔ پھر اس کی نظروں میں اس کی عزت باقی رہ جانی تھی؟ کیا وہ اسے سب کچھ سچ سچ بتا دے؟ یوں اسے ایذا پہنچا دے؟ جس کے خیال سے ہی وہ تڑپ جاتا تھا۔ شدید دکھ محسوس کرنے لگتا تھا۔

''ہاں ...... وہ آپ کے لیے ویسا ہی پر خلوص اور گرمجوش ہے۔ لیکن فی الحال شادی کے لیے تیار نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ابھی نو عمر ہے۔ اس لیے شادی کی ذمہ داریاں اٹھانے کا اہل نہیں۔ چند سال گزرنے کے بعد جب وہ کچھ پختہ کار مرد بن جائے گا۔ کچھ کمانے لگے گا تو شادی کی فکر کرے گا ......'' اس نے بڑی ترکیب سے سنبھلی ہوئی بات کر ڈالی۔

حرقا کے چہرے پر کچھ ناقابل فہم سے تاثرات لہرا گئے۔

''یہ زمران کو کیا ہو گیا؟ پہلے تو وہ شادی کے لیے بڑا بے تاب بڑا بے چین ہوا کرتا

تھا۔ ہر دم یہی خواب دیکھا کرتا تھا۔ بڑے اشتیاق بڑے جوش وجذبہ کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اور اب ......'' اس کی آواز گھٹ سی گئی۔ ''یہ کیا ہوگیا؟ وہ ایسی باتیں کیوں کرنے لگا ہے؟ اتنے عرصہ تک وہ مجھ سے ملنے سپار بھی نہیں آیا۔''

اسے دیکھتے ہوئے الیاسف کو اپنا دل پگھلتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔

''جب وہ گھوڑوں کی خریداری وغیرہ کے سلسلے میں وہاں پہنچا تھا تو کیا اس سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی؟ وہ نانا اخزیاہ کے گھر نہیں آیا؟''

''آیا تو تھا۔ دو تین مرتبہ......لیکن وہ تھوڑی ہی دیر کے لیے آیا تھا اور تمام وقت نانا کے ساتھ بیٹھا رہا۔ مجھ سے رسمی علیک سلیک اور مزاج پرسی ہی کی......'' حرقا کی آنکھوں سے ایک دم آنسو پھوٹ بہے...... ''الیاسف! مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ بدل چکا ہے۔ وہ اب پہلے جیسا نہیں رہا۔ وہ مجھ سے یوں ملتا ہے جیسے اسے مجبوری کے عالم میں ایسا کرنا پڑ رہا ہو۔ اس میں اب پہلے جیسی گرم جوشی، وارفتگی اور جذباتیت نہیں رہی......''

الیاسف کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ اس کے آنسو اسے بری طرح سے تڑپائے دے رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ یہ سب کچھ صحیح اور سچ کہہ رہی تھی۔ پھر بھی اس نے اس کا غم غلط کرنے کی کوشش کی۔

''میں نے آپ سے کہا نا مالکن کہ وہ آپ کے لیے ویسا ہی پرخلوص اور مخلص ہے۔ لیکن فی الحال شادی سے اس لیے کترا رہا ہے کہ ایک تو گھوڑوں کا جنون کی حد تک بڑھا ہوا شوق اس میں مانع ہے دوسرے اس کی نوعمری۔ اگر آپ یہ محسوس کرتی ہے کہ اس کا رویہ آپ کے ساتھ پہلے جیسا نہیں رہا تو شاید اس سے اس کا مقصد یہ ہوگا کہ فی الحال آپ بھی شادی کے بارے میں نہ سوچیں۔''

''اس کے لیے بے رخی سرد مہری اور بے اعتنائی کیا ضروری ہے؟'' حرقا نے شکوہ کیا۔

''وہ مجھ سے یہ کہہ دیتا تو میں صبر اور خاموشی کے ساتھ وقت کا انتظار کرنے لگتی۔ یہ تو اس نے بہت سنگ دلی اور بے رحمی دکھائی۔ یہ گھوڑے اور کم عمری تو ہرگز نہیں ہوسکتی جس

نے اسے ایسا کرنے کی ترغیب دی ہے؟"

ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دل کے ساتھ انتہائی مجبور و بے بس الیاسف خاموش سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کا دل بھی زمران کی طرف سے شکوک وشبہات کا شکار ہو رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ حرقا کی جانب اس کے بدلے ہوئے رویے کا سبب کچھ اور ہی ہوسکتا تھا۔ یہ "کچھ اور" کیا ہوسکتا تھا۔ اسے کھوجنے کی ضرورت تھی۔

"الیاسف ...... تم کیا یہ نہیں معلوم کرسکتے کہ زمران کے یوں بدل جانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ وہ کیا چیز ہوسکتی ہے جس نے اس کے دل سے بچپن کی محبت یوں بھلا دی ہے۔ وہ مجھ سے یوں سرد مہری اور بے گانگی برتنے لگا ہے؟ تم معلوم کرو الیاسف ......" حرقا کی درخواست نے الیاسف پر گویا کوڑے برسا دیے۔ اس کا وجود لرز گیا۔ وہ کیا اس قابل تھی کہ اس سے بے وفائی کی جاتی؟ اسے دکھ پہنچایا جاتا؟ وہ جو حوروں کی طرح پاکیزہ حسین بے پناہ خوش اطوار اور ہر طرح سے قابل محبت وعقیدت تھی!

"تم معلوم کرو الیاسف!" حرقا نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے دکھ سے بوجھل لرزاں لہجے میں اس سے التجا کی۔ "تم ضرور یہ معلوم کرو۔ تم اروک جاؤ۔ زمران کی مصروفیات کا کھوج لگاؤ۔ دیکھو وہ کہاں کہاں جاتا ہے۔ کس کس سے ملتا ہے۔ تم پتہ کرو۔"

الیاسف جانتا تھا کہ وہ اسے ایسا کرنے کو ضرور کہے گی اور وہ اسے انکار نہ کر سکے گا۔ اس نے کبھی اس کے کسی حکم کو نہ ٹالا تھا نہ حیلہ سازی کی تھی۔ وہ خفیف سا اس کے سامنے جھکا۔

"جو آپ کا حکم مالکن ...... میں کل ہی اروک روانہ ہو جاتا ہوں۔"

اس وقت حرقا نے شاید عمر میں پہلی مرتبہ اپنے اس بچپن کے ساتھی کو بھرپور نظروں سے دیکھا۔ کتنا اچھا تھا الیاسف ...... وہ اس سے کتنی محبت کرتا تھا۔ اس کی ہر خوشی کو، ہر مرضی کو کتنا عزیز رکھتا تھا۔ اس کی پسند وناپسند کا کتنا خیال رکھتا تھا۔ بچپن سے لے کر اب تک اس نے اسے کوئی دکھ، کوئی تکلیف نہ پہنچنے دی تھی۔ وہ اس کا بے حد خیال بے حد لحاظ رکھتا آیا

تھا۔ بچپن کا ساتھی اور اس سے بے تکلف ہونے کے باوجود وہ حزقی ایل ہی کی طرح اس کا ادب واحترام کرتا تھا۔ اس کا وفادار اور خدمت گزار تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے حرقا کے دل میں ایک خلش سی پیدا ہوئی ایک نا آشنا سا جذبہ...... ایک انوکھی سی سوچ...... جسے وہ نہ سمجھ سکی۔ اس نے سر جھٹکا اور اس سے پوچھا۔

''تم اتنی جلد وہاں جاسکتے ہو؟ تمہیں ابا کا کوئی کام تو نہیں ہوگا؟''

''کام تو آج کل بہت ہیں۔ جن کی وجہ سے میں دن رات باہر مصروف رہتا ہوں۔ لیکن آپ کا حکم سب پر مقدم ہے۔ مالک بھی اس پر معترض نہ ہوں گے۔'' الیاسف نے کہا۔

اس کے جانے کے بعد حرقا اپنی پریشان خیالیوں میں مستغرق ہوگئی۔

شارع نرگال پر پہنچتے ہی الیاسف کے دل کی دھڑکنیں پھر بے ترتیب ہوگئیں۔ چند دن پہلے جب وہ حرقا کو سپار سے واپس لایا تھا تو اپنے قافلے کے ساتھ اس سڑک پر سے گزرتے ہوئے اس کی نظریں پھر غیر ارادی طور پر سردار عمون کے مکان کے اس مخصوص جھروکے کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ اس پر سیاہ حریری پردہ لہرا رہا تھا۔ اس نے بے اختیار اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ دی تھیں اور رک کر بڑے اشتیاق وتجسس سے، بڑی وارفتگی اور تمنا سے اس پردے کو دیکھنے لگا تھا۔ لیکن وہ پردہ اسی طرح ہی ہوا کے کمزور جھونکوں سے خفیف سا لرزتا رہا تھا جس پر وہ مایوس سا ہو کر آگے بڑھ گیا تھا۔ یہ بھی بہتر ہی ہوا تھا کہ قافلے میں کسی نے اس کی اس حرکت پر توجہ نہ کی تھی ورنہ وہ شاید کسی مشکل میں پڑ جاتا۔

شارع نرگال پر آگے بڑھتے بڑھتے بالآخر کچھ دور اسے وہ مخصوص سفید شاندار و پروقار سردار عمون کی محل نما رہائش گاہ دکھائی دینے لگی۔ اس نے گھوڑے کی رفتار ذرا کم کردی وہ کچھ اضطراب اور بے چینی سی محسوس کرنے لگا تھا۔ ہر مرتبہ اس مکان کے سامنے سے گزرتے اس کی یہی کیفیات ہو جایا کرتی تھیں۔ جب وہ ایک مختصر سا موڑ مڑ کر اس مکان

سے کچھ فاصلے پر پہنچا تو اس نے اس کے باہر چار شاندار اور تنومند سفید گھوڑوں والا رتھ کھڑے دیکھا۔ جس میں کچھ آدمی جو غلام یا ملازمین تھے، سامان وغیرہ رکھ رہے تھے۔ شاید اس مکان کے مکین کہیں جا رہے تھے۔ شاید وہ پر اسرار سی خاتون جو اس جھروکے کے پردے میں سے اسے دیکھا کرتی تھی۔ اس خیال سے اس نے عجب بے چینی اور اضطراب محسوس کیا۔ اور ایک دم ہی گھوڑے کی لگامیں کھینچ دیں۔ اس وقت تک وہ اس مکان کے سامنے سڑک کے دوسرے کنارے تک آن پہنچا تھا۔ اس کے سامنے وہی مخصوص جھروکہ تھا۔ اس کی نظریں بے اختیار اس کی طرف اٹھ گئیں۔ اس پر سیاہ پردہ پڑا ہوا تھا جو ہوا سے لرز رہا تھا۔

''ارے تو پھر یہاں آ گیا!'' اسی وقت اس نے اپنے قریب ہی سے ایک آواز سنی۔

وہ چونک کر مڑا۔ اس کے گھوڑے کے قریب وہی سیاہ فام حبشی غلام کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ بھی مسکرایا۔

''میں اروک جا رہا ہوں۔ اور شہر کی فصیل کا اس رخ کھلنے والا دروازہ اس سڑک کو عبور کرنے کے بعد آتا ہے۔''

غلام نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔

''اس دروازے سے کئی راستے شہر کے مختلف حصوں کی طرف نکلتے ہیں۔ لگتا ہے تیرا گھر اس سڑک کے راستے میں پڑتا ہے جب ہی تو یہاں سے گزرتا رہتا ہے۔ ہاں تو ذرا اپنا نام تو بتا۔ تو کیا کرتا ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ تو بڑا حسین و جمیل لگتا ہے خالص یہودی نسل سے ہے۔ غلط تو نہیں کہہ رہا نا میں؟''

الیاسف کچھ گومگو میں پڑ گیا۔ وہ ہرگز اس غلام سے بے تکلف نہ ہونا چاہتا تھا نہ واقفیت بڑھانا چاہتا تھا۔ لیکن اب وہ پھنس ہی گیا تھا۔

''میرا نام الیاسف ہے ...... میں معروف یہودی سوداگر حزقی ایل کے گھر سے تعلق رکھتا ہوں......'' وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ کسی نے درشت لہجے میں اس غلام کو پکارا۔

''اے ابلق! کہاں چلا گیا کام نہیں کرے گا کیا؟'' وہ ادھیڑ عمر درشت چہرے والا دراز قامت پر وقار شخص تھا۔ شاید وہ اس گھر کے غلاموں ملازموں کا نگران تھا۔ اس نے ہاتھ میں ایک مضبوط چھڑی اٹھا رکھی تھی اور اس وقت وہ غضبناک نظروں سے غلام ابلق کو دیکھ رہا تھا۔

''الیاسف ...... ہماری پھر ملاقات ہوگی ......'' غلام ابلق نے تیزی سے کہا اور مڑ کر رتھ کی طرف چلا گیا۔

الیاسف نے اس جھروکے کی طرف دیکھا۔ اس کا سیاہ حریری پردہ ویسا ہی ساکن تھا۔ اس نے مایوسانہ سر کو جنبش دی اور گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

غلام ابلق کے آتے ہی چھڑی بردار نگران دانی ایل نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورا۔

''یہ تجھے کام چھوڑ کر اس کبڑے سے خوش گپیاں کرنے کی کیا سوجھی؟ چل جا اندر سے باقی سامان لا کر رتھ میں رکھ۔ مالکن آیا ہی چاہتی ہیں۔''

غلام ابلق فوراً ہی اندر بھاگ گیا۔ اس نے جلدی جلدی اندر سے باقی سامان لا کر رتھ میں رکھا۔ جس کے بعد مالکن قوعیلہ، جو سردار عمون اور عجیلہ کی نوعمر حسین و جمیل بیٹی تھی، سیاہ لبادے و نقاب میں ملفوف رتھ میں آ کر بیٹھ گئی۔ جس کے چاروں طرف پردے تان دیے گئے۔ رتھ کے چلتے ہی چند مسلح گھڑ سوار محافظ بھی اس کے ساتھ ہو لیے اور یہ مختصر سا قافلہ تیزی سے شارع نرگال سے گزرتا ہوا فصیل کے مشرقی دروازے کی طرف ہو لیا۔ اس قافلے کی منزلِ مقصود ربلہ تھی۔ جو بابل سے خاصی دوری پر لیکن اروک کے قریب ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ وہاں سردار عمون کی بیوی عجیلہ کے بوڑھے ماں باپ رہتے تھے۔ قوعیلہ ان ہی کے پاس کچھ عرصہ رہنے کے لیے جا رہی تھی۔

بڑے دروازے پر بھیڑ ختم ہونے کے بعد غلام ابلق نے باہر سڑک پر نکل کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ کبڑا الیاسف نہ دکھائی دیا۔ وہ چلتا ہوا سڑک کے وسط میں آ کر کھڑا ہو گیا اور اس کے دونوں طرف دور دور تک نظریں دوڑانے لگا۔ سڑک بالکل ویران پڑی تھی۔ شاید الیاسف

وہاں سے جا چکا تھا۔ اسے بے حد مایوسی ہوئی۔ وہ منہ لٹکائے اندر چلا آیا۔ غلام گردش میں پہنچتے ہی ایک کنیز اس کے پاس چلی آئی۔

"اے ابلق ...... تجھے مالکن یاد کر رہی ہیں۔ اپنے مخصوص ایوان میں ......"

ابلق کو اس بلاوے پر خاصی حیرت ہوئی۔ لیکن وہ خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔

عجیلہ اپنے مخصوص ایوان میں اس وقت تنہا تھی۔ ابلق نے اندر داخل ہو کر مؤدبانہ خفیف سا سر خم کیا۔

"آپ نے غلام کو یاد فرمایا مالکن؟" اس نے نظریں جھکائے مؤدبانہ استفہام کیا۔

عجیلہ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ابلق ...... وہ گھڑ سوار کون تھا جس سے تم باتیں کر رہے تھے؟"

"وہ ...... محترم مالکن الیاسف تھا۔ کبڑا الیاسف۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ مشہور سوداگر حزقی ایل کے گھر کا ایک فرد ہے۔"

عجیلہ بدستور اسے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"تم اسے کب سے جانتے ہو؟"

"یہ میری اس سے دوسری ہی ملاقات تھی محترم مالکن۔ اس دن وہ اسی سڑک پر کھڑا ہمارے گھر کی طرف دیکھ رہا تھا جب میں نے آ کر اسے ٹوک دیا۔ اس پر اس نے کہا کہ وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ ہمارے گھر کے جھروکے کتنے خوبصورت بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے درمیان بس اتنی ہی باتیں ہو سکیں۔ دوسری مرتبہ میری اب اس سے ملاقات ہوئی ہے۔ جس میں اس نے اپنا نام اور پتہ بتایا ہے ...... اور یہ کہ وہ اس وقت اروک جا رہا تھا۔ اس کے گھوڑے پر زادِ سفر لدا ہوا تھا۔"

عجیلہ کی گہری اور پر سوچ نظریں بدستور ابلق پر جمی تھیں۔

"تمہاری اس سے اور کوئی باتیں نہیں ہوئیں؟"

"نہیں مالکن ...... ہو جاتیں لیکن نگران دانی ایل نے مجھے کام پر بلا لیا۔ الیاسف بھی

پھر وہاں نہ رکا۔"

عجیلہ کے چہرے پر گہری سوچ و تفکر کی پرچھائیں پیدا ہو گئیں۔ اس کی نظریں بدستور ابلق پر جمی تھیں۔ جو اس کے سامنے مؤدبانہ سر جھکائے کھڑا تھا۔ پھر اس نے سر کو جنبش دی۔

"ابلق ...... کیا تم نے حزقی ایل سوداگر کا نام سن رکھا ہے؟"

"اس نام کے کئی یہودی ساہوکار شہر میں موجود ہیں محترم مالکن۔"

"تم اس حزقی ایل سوداگر کو تلاش کرو جس کے گھر یہ لڑکا الیاسف رہتا ہے......"

الیاسف کا نام لیتے ہوئے عجیلہ کی زبان لڑکھڑا سی گئی تھی۔ لیکن ابلق نے اس پر توجہ نہ دی۔ وہ مؤدبانہ اس کے سامنے خم ہوا۔

"جو مالکن کا حکم ...... میں آج ہی سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں ......"

"ٹھیک ہے...... جاؤ۔ مجھے تمہیں کوئی ہدایات دینے کی ضرورت نہیں۔"

ابلق اس کے سامنے خفیف سا خم ہوا اور کمرے سے نکل گیا۔

عجیلہ نے وفورِ رنج و کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

"یا اللہ! یہ دکھ...... یہ عذاب کب تک؟"

حسرتِ ناتمام

زمران بڑی بے چینی اور اضطراب کے عالم میں اپنے رہائشی کمروں کے باہر برآمدے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار گھر کے بڑے دروازے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ جو کھلا ہوا تھا۔ وہ بڑی شدت سے اپنے غلام خاص حکلیا کا انتظار کر رہا تھا جسے اس نے ایک نہایت ہی اہم کام سے باہر بھیجا ہوا تھا۔ اس کے ماں باپ حران سے واپس آنے کے چند دنوں بعد سپار چلے گئے تھے۔ جہاں اطلاعات کے مطابق نانا اخزیاہ کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ یوں وہ ایک بار پھر گھر پر تنہا تھا۔

اس نے اپنے ماں باپ کے سپار چلے جانے پر کچھ اطمینان کی سانس لی تھی۔ کیونکہ ان کی ہر روز کی پند ونصائح اور ڈانٹ ڈپٹ میں اب اضافہ ہونے کے ساتھ کچھ طعنہ زنی کا رنگ بھی پیدا ہونے لگا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ کچھ کرے کچھ بنے تاکہ حرقا سے اس کی شادی ہو سکے۔ اس کی عمر میں اس کے بڑے دونوں بھائیوں کی شادیاں ہوگئی تھیں اور اب وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوشی خوشحالی کی زندگی گزار رہے تھے۔ بہنیں بھی تینوں اپنے گھروں کی ہوچکی تھیں۔ اسے اس بات سے اب شدید چڑ ہونے لگی تھی کہ سب ہی اس کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور اسے پند ونصائح کرنا ڈانٹ ڈپٹ اور طعنہ زنی کرنا اپنا ایمان بنائے ہوئے تھے۔ ان سب کے خیال میں گھوڑوں کا شوق، ان میں مصروفیت اور کم عمری بیکار رہنے اور شادی نہ کرنے کا کوئی معقول بہانہ نہیں تھا۔ وہ سب اپنے طور یہی کچھ سمجھے ہوئے تھے۔ جبکہ بیکار رہنے اور فی الحال حرقا سے شادی نہ کرنے کی اصل وجہ صرف اسے ہی معلوم تھی جو ایک راز کی طرح اس کے سینے میں محفوظ تھی۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ اس کی بے چینی اور اضطراب میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ

اب متوحش سا بھی ہوتا جا رہا تھا۔ شدید پریشان ومضطرب وہ قد مچے اتر کر نیچے آ گیا۔ اسی وقت اسے کہیں دور سے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ اس کی تمام تر پریشانی فکر واضطراب ایک دم بھاپ بن کر اڑ گیا۔ اس کا وجود ہلکا پھلکا سا ہوگیا۔ اس کا عضو عضو وارفتگی، اشتیاق اور آرزو بن گیا۔ پر شوق منتظر نگاہیں کھلے دروازے پر جم گئیں۔ گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز بڑی تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی اتنی ہی تیزی سے زمران کے دل کی دھڑکنیں بھی بے ترتیب ہوتی جا رہی تھیں۔ تنفس تیز ہوتا جا رہا تھا۔

پھر گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز قریب آتے آتے دھیمی پڑ گئی اور وہ گھڑ سوار کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ زمران کے قریب آ کر اس نے گھوڑا روکا اور چھلانگ لگا کر اس پر سے اتر گیا۔ اور زمران کے سامنے مؤدبانہ خم ہوگیا۔

''مالک محترم ...... وہ لوگ آن پہنچے ہیں۔ صاحب زادی تنہا ہی آئی ہیں۔ اپنی چند کنیزوں اور غلاموں کے ساتھ ......''

زمران پر سرشارانہ سی کیفیت طاری ہوچکی تھی۔ وفورِ مسرت وانبساط کے اس کے منہ سے فوری طور پر کوئی لفظ نہ نکل سکا۔

''وہ...... وہ لوگ کب آئے؟'' بالآخر اس نے سوکھے حلق سے استفہام کیا۔

''وہ کل ہی وہاں پہنچے ہیں مالک محترم۔''

''ہوں ......'' زمران نے پرخیال انداز میں سر کو جنبش دی۔ ''تمہارا شکریہ۔ اب تم جاؤ آرام کرو۔'' اتنا کہہ کر وہ قد مچے چڑھ کر اوپر چلا گیا۔ اپنے کمرے میں جاتے ہوئے اس کا یہ حال تھا کہ بے پناہ خوشی سنبھالے نہ سنبھل رہی تھی۔ وہ پاؤں کہیں رکھتا تھا وہ پڑتے کہیں اور تھے۔ آنے والی حسین ورنگین ساعتوں کا خیال وتصور سحر بن کر اس کی عقل وخرد کو مفلوج کیے دے رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ساتویں آسمان پر پرواز کرتا محسوس کر رہا تھا۔

ان کا قافلہ ذرا دیر کے لیے اس سرائے میں دم لینے اور کچھ کھانے پینے کے لیے رکا

تھا۔ قوعیلہ اپنی کنیزوں کے ساتھ رتھ سے اتر کر اندر چلی آئی تھی۔ وہاں کچھ دیر ستانے اور کھانے پینے کے بعد جب قوعیلہ اپنی کنیزوں کے ساتھ سرائے سے باہر نکلی تو اسی وقت ایک گھڑ سوار وہاں آن پہنچا۔ اس نے گھوڑا روکا اور چھلانگ لگا کر اس پر سے نیچے اتر آیا۔ قوعیلہ کے قدم زمین پر گڑ سے گئے۔ کتنا وجیہہ و حسین تھا وہ گھڑ سوار! سرخ و سفید رنگت اور لہر دار گھنے سیاہ بالوں کے ساتھ اس کی روشن سیاہ آنکھیں کھڑی ناک خوبصورت ہونٹوں اور ٹھوڑی کی بناوٹ اس کے خالص یہودی النسل ہونے کی گواہی دے رہے تھے۔ وہ دراز قد چوڑے کندھوں اور کسرتی جسم کا مالک تھا۔ لیکن بدقسمتی سے اس کی پشت پر کوبڑ ابھرا ہوا تھا یعنی وہ کبڑا تھا۔ لیکن یہ کبڑا پن اس کی مردانہ وجاہت اور شان و وقار میں کوئی کمی نہ کر رہا تھا نہ نقص معلوم ہو رہا تھا۔ گھوڑے سے اتر کر اس نے اس کی لگامیں پکڑیں اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ قوعیلہ مسحور سی اسے دیکھتی رہی۔ اس کبڑے گھڑ سوار نے کچھ دور جا کر اپنا گھوڑا سرائے کے ایک ملازم کے حوالے کیا اور دوسرے دروازے سے سرائے کے اندر چلا گیا۔ قوعیلہ گویا کسی سحر سے آزاد ہو گئی۔ اس نے اپنی کنیزوں کی طرف دیکھا۔ وہ خاموش اور مؤدب کھڑی تھیں۔ وہ اپنا سیاہ بھاری لبادہ سنبھالتی ہوئی رتھ کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے رتھ میں بیٹھتے ہی اس کے چاروں طرف پردے گرا دیے گئے اور رتھ تیزی سے اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اب قوعیلہ کے دل کی دنیا بدل چکی تھی۔

ربلہ کی اس مضافاتی بستی میں جو وہاں کے طبقہ اوسط سے تعلق رکھنے والے باشندوں کی بستی تھی، بوڑھا عبدیاہ اور اس کی بیوی یوکبد اپنے چھوٹے سے مکان میں تنہا رہا کرتے تھے۔ ان کے دو بڑے بیٹے عجلون اور قطرون اپنی بیویوں سکاکہ اور حرمہ کے ساتھ حمات میں رہا کرتے تھے جو ربلہ سے کچھ دوری پر ایک خاصا بڑا شہر تھا۔ ان کا شمار وہاں کے امیر کبیر بارسوخ تاجروں میں ہوتا تھا وہ وہاں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شاندار محل نما رہائش گاہوں میں بڑی شان و شوکت سے رہا کرتے تھے۔ ان دو بیٹوں کے علاوہ عبدیاہ اور یوکبد کی ایک بیٹی بھی تھی عجیلہ جو دونوں بیٹوں سے چھوٹی تھی۔ اس کی شادی بابلی فوج کے اعلیٰ

عہدیدار عمون سے ہوئی تھی جو بے حد امیر کبیر شخص تھا۔ وہ اپنے چار بچوں روبن، عمرام، ارفیل اور قوعیلہ کے ساتھ بابل میں رہا کرتی تھی۔ اس کے تینوں بیٹے بیٹی قوعیلہ سے عمر میں چھوٹے تھے۔ قوعیلہ اس وقت اٹھارہ انیس سال کی حسین وجمیل دوشیزہ تھی۔ جس سے شادی کے لیے بڑے بڑے دولت مند یہودی وغیر یہودی خاندانوں کے لڑکے بلکہ ادھیڑ عمر اور اس سے بھی زیادہ عمر کے مرد تک بے تاب رہتے تھے۔ لیکن قوعیلہ کو ان میں سے کوئی بھی اپنے لیے موزوں نہ دکھائی دیتا تھا۔ عمون اور عجیلہ نے بھی اسے اپنے لیے موزوں وبہتر رفیق حیات کے انتخاب کی آزادی دے رکھی تھی۔ انہیں اپنی یہ بیٹی بے حد عزیز تھی اس لیے اس کی زندگی کا یہ اہم ترین فیصلہ وہ اس کی مرضی کے خلاف ہرگز نہ کرنا چاہتے تھے۔

قوعیلہ اپنی حیثیت اور مرتبے کا بھی احساس رکھتی تھی اور اپنے بے پناہ حسن وجمال کا بھی۔ اس نے بڑے ناز ونعم سے پرورش پائی تھی اور ماں باپ کی بے حد لاڈلی پیاری تھی۔ لہٰذا فطری طور پر اس میں غرور اور تکبر کا پیدا ہونا امر لازم تھا۔ لیکن یہ غرور اور تکبر ایسا نہیں تھا کہ اس سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہو یا یہ ناپسندیدہ یا قابل نفرت قسم کا ہو۔ بلکہ اس میں خاص قسم کا لیا دیا پن، وقار وتمکنت اور رکھ رکھاؤ تھا۔ جو لوگوں کو اس سے بے پناہ مرغوب کردیتا تھا۔ ان پر ایک رعب ودبدبہ سا طاری کردیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب تک کسی بھی نوجوان کو خواہ وہ اس کے قریبی رشتہ دار ہی ہوتے اس سے بے تکلف ہونے اور اس کی قربت حاصل کرنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔ لیکن ایک خوشرو، شاندار اور پروقار نوجوان ایسا تھا جس نے یہ ہمت کر ڈالی تھی۔ اس سے اس کی ملاقات حمات میں اپنے بڑے ماموں عجلون کے گھر منعقد ہونے والے ایک اجتماع میں ہوئی تھی۔ یہ اجتماع مذہبی بھی تھا اور سرکردہ یہودی خاندانوں کے باہم مل بیٹھنے کا بہانہ بھی۔ اس میں قوعیلہ کے ماں باپ سردار عمون اور عجیلہ کے علاوہ خاندان کا ہر فرد بھی شریک تھا۔ ماموؤں کے بیٹوں کے دوست اور بیٹیوں کی سہیلیاں بھی بھاری تعداد میں شریک تھے۔ دن بھر کی مذہبی ودیگر مصروفیات کے بعد شام کو وہاں زبردست ضیافت کا اہتمام ہوا تھا جس میں یہودیوں کے اصولوں اور رسم ورواج کے

مطابق مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ ناؤ نوش کا اہتمام کیا گیا تھا۔ یعنی دو ایوانوں میں لمبی لمبی میزیں بچھا کر ان پر اشیائے ضیافت چنی گئی تھیں۔ عورتوں کے حصے میں کنیزیں اور مردوں کے حصے میں غلام مہمانوں کی خدمت پر مامور تھے۔ اس وقت قوعیلہ ایک لمبی سی میز کے سرے پر جہاں سوائے اس کے اور کوئی نہ تھا چھری سے سیب کاٹ رہی تھی کہ اچانک ہی ایک خوش پوش شاندار خوشرو نوجوان اس کے قریب چلا آیا اور بڑی بے تکلفی سے اس کے سامنے رکھے نقرئی طشت سے انگور توڑ توڑ کر کھانے لگا۔ اس کی وہاں عورتوں کے ایوان میں آمد نے، پھر اس حرکت نے اسے شدید غصہ دلایا۔ اسے حیرت بھی بے حد ہوئی۔ عورتوں میں بھی ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا انہوں نے اس پر احتجاج کرنا اور کنیزوں سے اسے وہاں سے نکالنے کا مطالبہ کرنا شروع کیا۔ لیکن اس نوجوان نے گویا ان کی طرف سے کان بند کر لیے تھے اور اپنی نظریں قوعیلہ پر مرتکز کیے برابر فواکہات اڑائے جا رہا تھا۔ اس کی تیز چمک والی بھوری آنکھیں قوعیلہ کو اپنے وجود میں کھبتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو عجیب طرح سے بے چین و مضطرب سی محسوس کر رہی تھی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس بے باک حسین نوجوان کے لیے اس کے دل میں عجیب نامعلوم سے جذبات پیدا ہو رہے تھے۔ انتہائی انوکھے نا آشنا سے لیکن سرور آگین جذبات ـــــ اجنبی اجنبی سے لیکن کیف زا جذبات ـــــ اس کا دل انتہائی بے قراری سے اس کی طرف کھنچا چلا جا رہا تھا۔ وہ اس سے کچھ کہنا، کچھ اس سے سننا چاہتی تھی۔ لیکن اس کی قوتِ گویائی گویا سلب ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر ماموں عجلون کا بیٹا نحمیاہ وہاں چلا آیا تھا۔ اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کر اپنے ساتھ وہاں سے باہر لے گیا تھا۔ جاتے جاتے اس نے قوعیلہ پر جو نظر ڈالی تھی اس نے اس کے رگ و پے میں ایک سنسنی سی دوڑا دی تھی۔ اس ضیافت کے بعد اس نے سب سے چھپ کر اسے تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ اسے کہیں نہ دکھائی دیا تھا۔ بعد میں اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ نحمیاہ کا گہرا دوست تھا۔ اس کا تعلق اروک کے نہایت امیر کبیر اور معروف یہودی خاندان سے تھا۔ وہ لوگ بھی ان کی مانند قدیم کلدانیہ کے قدیم یہودی تھے۔ یہ سب کچھ جان کر

اسے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ سنہرے سنہرے سپنے اس کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگے تھے۔ اس حسین و بے باک نوجوان سے ملاقات کی امید میں اس نے اپنے ماں باپ کو کافی دنوں تک ماموں عجلون کے گھر روکے رکھا تھا اور وہاں بالآخر اس سپنوں کے شہزادے سے اس کی ملاقات ہو ہی گئی تھی۔ قسمت بھی اس وقت اس پر مہربان تھی کہ اس وقت گھر پر کوئی موجود نہیں تھا اس لیے انہیں ایک دوسرے سے متعارف ہونے اپنی کہنے سننے کا اچھا موقع مل گیا تھا۔ اس پہلی ملاقات نے ایک دوسرے کے لیے ان کے دلوں میں محبت و چاہت کے جذبات کو بھی بھڑکایا اور آتش شوق کو بھی۔ اس کے بعد ان کے درمیان طویل عرصہ تک کوئی ملاقات نہ ہوسکی تھی۔ کیونکہ نہ تو قوعیلہ بار بار ربلہ جا سکتی تھی نہ اس کا شہزادہ اس سے ملنے بابل آسکتا تھا۔ کیونکہ بابل میں تو ان کی آپس کی ملاقات قریب قریب اس لیے ناممکن تھی کہ عجیلہ کہیں بھی قوعیلہ کو تنہا نہ جانے دیتی تھی اور ہر جگہ اس کے ساتھ جاتی تھی۔ یہ بات قوعیلہ نے اس شہزادے کو بتا دی تھی۔ اسی طرح وہ اسے ربلہ بھی نہ بھیجتی تھی۔ ہر چند کہ وہاں اس کے ماں باپ رہتے تھے۔ ان دونوں کے مابین کسی قسم کی پیغام رسانی نہیں رہی تھی۔ کیونکہ یہ بھی بے حد مشکل تھا۔ یوں قوعیلہ کی بے چینی اور بے قراری بڑھتی رہی تھی۔ اپنے سپنوں کے شہزادے سے ملاقات کا شوق روز بروز فزوں سے فزوں تر ہوتے ہوئے اسے مسلسل بے سکون و مضطرب کیے رکھنے لگا تھا۔ اس کے دن بے چینی اور راتیں بے خوابی کے عالم میں گزرنے لگتی تھیں۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ اس نے ربلہ سے واپسی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اگر پھر وہاں جانے کی خواہش ظاہر کی تو اس کی ماں ضرور مشکوک ہوجائے گی۔ اس سے پوچھ گچھ کرے گی۔ کیونکہ اس نے کبھی اپنے نانا اور نانی سے ملنے کا ایسا اشتیاق ظاہر نہ کیا تھا۔ نہ اسے ان سے کوئی ایسی محبت ہی محسوس ہوتی تھی کہ بار بار ان کے پاس چلی جاتی۔ چنانچہ وہ بڑے صبر کے ساتھ اپنی بے قراریوں اور بے چینیوں کو دبائے وقت گزرنے کا انتظار کرتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ کئی مہینے گزر گئے۔ یوں کافی وقت گزر جانے کے بعد جب اس نے اپنی ماں سے ربلہ جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو اسے اس پر

کوئی شک یا اعتراض نہ ہوا تھا۔ بلکہ وہ اس خیال سے خوش ہوگئی تھی کہ اس طرح کچھ عرصے کے لیے اس کے ماں باپ کی تنہائی اور اکیلا پن دور ہو جائے گا۔ اس کی ان کے ہاں آمد کی خبر سن کر اس کے ماموں عجلون اور قطرون اور ان کے بیوی بچے بھی وہاں آنے لگیں گے۔ یوں اس کے ماں باپ کے ویران وسنسان پڑے گھر میں خوب رونق اور گہما گہمی پیدا ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے ضروری تیاریوں کے بعد قوعیلہ کو کنیزوں اور محافظ غلاموں کے ساتھ اپنے ماں باپ کے پاس ربلہ روانہ کر دیا تھا۔

قوعیلہ اپنے محبوب شہزادے سے ملاقات کے حسین ورنگین خیالات وتصورات سے سرشار مستقبل کے سندر سپنوں میں گم خود فراموشی کے سے عالم میں سفر کرتی رہی گویا اپنے رتھ کو ساتویں آسمانوں پر اڑتا محسوس کرتی رہی۔ یہاں تک کہ اس کا رتھ راستے میں پڑنے والی اس سرائے تک جا پہنچا۔ وہاں سے ربلہ ابھی کافی دوری پر تھا اس لیے رتھ بان اور محافظوں نے وہاں رک کر کچھ کھا پی لینا اور ستا لینا اور باقی سفر کے لیے تازہ دم ہو جانا ضروری سمجھا تھا۔ اسی جگہ وہ کچھ پیش آیا تھا جس نے قوعیلہ کے دل کی دنیا بدل ڈالی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سے ایک پردہ سا ہٹا دیا تھا۔ اس کے جذبات واحساسات پر سے گرد جھاڑ دی تھی۔ چمکتی دمکتی خیرہ کن حقیقت کو اس کی نظروں کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ اسے عجیب سا احساس دلایا تھا۔ دھوکے کا احساس، غلطی کا احساس، فریب کا احساس۔ وہ یوں محسوس کرنے لگی تھی جیسے اس شہزادے سے اس کا تعلق، لگاؤ اور محبت وقتی جذباتیت کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ یہ جذباتیت بالکل سطحی سی تھی جس میں کوئی گہرائی اور گیرائی نہیں تھی۔ اس کا دل کے نہاں خانوں میں تڑپتے مچلتے سچے اور پاکیزہ جذبات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ محض ایک دھوکہ اور فریب تھا۔ وہ اتنے عرصے سے اسی دھوکے اور فریب کی شکار بنی رہی تھی۔ حقیقی اور سچے جذبات سے تو وہ اب آشنا ہوئی تھی۔ اس حسین وجمیل گھڑ سوار کو دیکھنے کے بعد...... جو کبڑا تھا لیکن اس کے دل وجان کا مالک بن گیا تھا۔

ربلہ پہنچنے تک قوعیلہ کے دل ودماغ پر اسی حسین گھڑ سوار کا سحر چھایا رہا۔ وہ حسین

خیالوں کی وادیوں میں چکراتی اور حسین سپنوں کے تانے بانے بنتی رہی۔ جس شہزادے سے ملنے وہ اتنے طویل انتظار کی کلفتیں اور کرب برداشت کرتی رہی تھی اور بے قرار و بے سکون رہی تھی۔ اس کا خیال اور تصور اب اس کے دل و دماغ سے بالکل صاف ہو چکے تھے۔ اس کی جگہ اب وہ کبڑا گھڑسوار اپنے تمام تر جمال وشان کے ساتھ براجمان ہو چکا تھا۔ وہی اس کے سپنوں کا حقیقی شہزادہ تھا۔ اس کے مستقبل کا حقیقی خواب تھا۔ لیکن وہ کون تھا؟ کس خاندان سے تعلق رکھتا تھا؟ کس جگہ کا باشندہ تھا؟ کہاں سے آیا تھا اور کہاں جا رہا تھا وہ کچھ نہ جانتی تھی۔ اور یہ اس کے لیے نہایت کرب ناک تھا۔ انتہائی مایوس کن...... متلاطم جذبات کے ساتھ ساتھ یہ دکھ بھی اس کے دل کو فگار و بے قرار کر رہا تھا۔

اروک پہنچ کر الیاسف ایک سرائے میں اتر گیا۔ وہ زمران کے سامنے نہ آنا چاہتا تھا۔ نہ ہی اس کے گھر کے کسی غلام کی یا کنیز کی نظروں میں آنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے سرائے میں ٹھہرنا مناسب سمجھا تھا۔ اس سرائے سے امراء و رؤساء کی وہ آبادی جہاں زمران کے باپ ایالون کی محل نما رہائش گاہ واقع تھی کچھ زیادہ دور نہیں تھی۔ اس آبادی کے آس پاس جا بجا گھنے درختوں کے جھنڈ اور باغات وغیرہ پھیلے ہوئے تھے۔ جن میں چوڑے تنے والے درخت، پھول دار جھاڑیاں اور پودے کثرت سے اُگے ہوئے تھے ان میں پوشیدہ رہتے ہوئے وہاں کے ہر مکین کی نقل وحرکت پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔

اروک پہنچنے کے اگلے دن صبح سویرے الیاسف گھوڑے پر سوار ہو کر سردار ایالون کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے گھر کا محل وقوع ایسا تھا کہ اس کے ایک طرف گھنے درختوں کے جھنڈ پھیلے ہوئے تھے۔ سامنے سے گزرتی سڑک کے پار وسیع باغ تھا جس میں گھنے درخت اور پھول دار پیڑ بکثرت اُگے ہوئے تھے۔ عقب میں اور ایک پہلو میں شاندار محل نما رہائش گاہوں کا سلسلہ تھا۔ الیاسف ایالون کے گھر سے کچھ فاصلے پر سڑک کے کنارے گھوڑا روک کر اس پر سے اتر گیا اور چکر لگا کر باغ کے عقبی حصے سے اندر داخل

ہوگیا۔ اس نے گھوڑے کو گھااس کے قطعہ میں ایک درخت سے باندھ دیا اور خود آگے بڑھ کر گھنے درختوں کی قطار میں ایک درخت کے چوڑے تنے کے پیچھے چھپ گیا۔ اس کے سامنے پھولدار پودے اگے ہوئے تھے جو اتنے اونچے تھے کہ ان کے عقب میں رہتے ہوئے بآسانی سردار ایالون کے مکان پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ الیاسف درخت کے تنے کے پیچھے چھپ کر سردار ایالون کے گھر کے کھلے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے زمران کے باہر نکلنے کا انتظار کرنا تھا۔ اور اس کا تعاقب کر کے معلوم کرنا تھا کہ وہ کہاں جاتا تھا۔ کس سے ملتا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے حلیے میں ایسی تبدیلی کر رکھی تھی اور کو بڑ کو اس طرح چھپا رکھا تھا کہ زمران اگر اسے غور سے بھی دیکھتا تو نہ پہچان پاتا۔

ساعتیں گزرتی رہیں۔ وہ بڑے صبر اور خاموشی سے زمران کے گھر سے نکلنے کا انتظار کرتا رہا۔ پھر بالآخر اس نے اسے دروازے سے برآمد ہوتے دیکھ ہی لیا۔ وہ جس سج دھج اور شان کے ساتھ نکلا تھا اس نے الیاسف کو حیرت زدہ سا کر دیا۔ اس نے نہایت بیش قیمت اور شاندار لباس پہن رکھا تھا۔ ایرانیوں جیسے اونچے لمبے چمچماتے چمڑے کے جوتے پہن رکھے تھے۔ ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں چڑھا رکھی تھیں۔ جب وہ دروازے سے نکل کر سڑک پر پہنچا تو بڑی تیز اور مسحور کن سی خوشبو کا جھونکا الیاسف کے نتھنوں سے ٹکرایا۔ ایسے اہتمام کے ساتھ یوں بن سنور کر آخر زمران کہاں جا رہا تھا؟ وہ ایرانی نسلی کے نسایانی گھوڑے پر سوار تھا جو بہت لمبی ٹانگوں اور قوی ہیکل جسم والا تنومند خوسا گھوڑا تھا۔ سڑک پر پہنچ کر زمران نے اسے ایک سمت دوڑا دیا۔ الیاسف اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے اپنے گھوڑے کی طرف بھاگ اٹھا۔ اس نے اسے کھولا اور اچھل کر اس پر سوار ہوگیا اور باغ میں سے نکل کر سڑک پر پہنچ کر زمران کے تعاقب میں روانہ ہوگیا جو اسے کچھ دور جاتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے تیزی سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے شہر کی سڑکیں عبور کیں اور شہر سے باہر اس سڑک پر ہولیا جو ربلہ کی طرف جاتی تھی۔ اروک سے ربلہ تک کی مسافت کچھ زیادہ نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہ آدھ گھنٹے کا سفر تھا۔ الیاسف کو حیرت تھی کہ زمران آخر وہاں کیوں

جا رہا تھا۔ اس کے علم کے مطابق وہاں نہ تو زمران کو کوئی رشتہ دار تھا نہ ہی کوئی دوست...... وہ اس سے کچھ فاصلہ رکھے برابر اس کا تعاقب کرتا رہا۔ راستے میں چونکہ اور بھی گھڑ سوار اور رتھ وغیرہ آ جا رہے تھے اس لیے زمران کو تعاقب کا احساس نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ ربلہ کی حدود شروع ہو گئیں۔ زمران بکھری ہوئی آبادیوں، چھوٹی بڑی سڑکوں، کھیتوں اور باغات سے گزرتا گلیوں بازاروں میں سے گزرتا اس سمت جا نکلا جہاں تقریباً غریبانہ رہائش رکھنے والے لوگوں کے مکانات کھڑے تھے۔ الیاسف حیرت زدہ سا اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ جانے اس طبقہ اوسط اور غریب غربا کی آبادی میں کون تھا جس سے ملنے زمران اتنے اہتمام سے تیار ہو کر آیا تھا؟

پھر زمران ایک جگہ درختوں کے جھنڈ میں پہنچ کر گھوڑے سے اتر گیا۔ اس کے سامنے کچھ سڑک پار کر کے ایک چھوٹا سا مکان کھڑا تھا جو کچھ الگ تھلگ سا تھا اور بلند و بالا گھنے درختوں میں گھرا ہوا تھا۔ زمران گھوڑے کو ایک تنے سے باندھ کر اپنا لباس اور بال ٹھیک کرتا ہوا اس مکان کی طرف بڑھ گیا۔ الیاسف جو اس وقت تک اس کے کافی قریب آ چکا تھا، نے دیکھا کہ زمران اس وقت بے حد خوش دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ الیاسف نے گھوڑا روکا اسے مکان کے قریب ہی ایک درخت سے باندھا اور مکان کے دروازے سے کچھ فاصلے پر اگے ہوئے ایک درخت کے چوڑے تنے کے پیچھے چھپ کر زمران کو دیکھنے لگا جو دروازے پر دستک دینے کے بعد اب کھڑا بڑی بے تابی سے اس کے کھلنے کا منتظر تھا۔ پھر مکان کا دروازہ کھل گیا اور ایک سیاہ فام غلام باہر نکل آیا۔ زمران چونکہ خوب آراستہ پیراستہ بنا سنوار تھا اس لیے اسے کوئی بڑی شخصیت سمجھتے ہوئے اس غلام کا رویہ اسے دیکھتے ہی مؤدبانہ ہو گیا۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے آقا محترم؟" غلام کی مؤدب وفدویانہ سی آواز الیاسف کو صاف سنائی دی۔

"کیا صاحب زادی توعیلہ گھر پر تشریف رکھتی ہیں؟ ان سے جا کر کہو زمران آیا

ہے۔" زمران بولا۔ اس کے لہجے میں جو وارفتگی اور بے پناہ اشتیاق کی جھلک تھی اسے الیاسف نے بخوبی محسوس کیا۔ اس کے کانوں میں گویا پگھلا ہوا سیسا بہنے لگا۔ وجود زلزلوں کی زد میں آ گیا۔ ہوش و حواس مختل سے ہونے لگے۔ تو یہ تھی زمران کی حرقا سے بے اعتنائی کی وجہ! وہ کسی اور دوشیزہ کی محبت میں مبتلا تھا! اس طرح وفا شعار بے پناہ محبت کرنے والی، بچپن سے لے کر اب تک اسے اپنے دل کے تخت پر بٹھائے چلی آنے والی، اپنی پوجا کرنے والی حرقا سے بے وفائی کا مرتکب ہو رہا تھا۔ اسے دھوکہ اور فریب دے رہا تھا۔ جھوٹ اور کذب بیانی سے بہلا رہا تھا! الیاسف کے دل و دماغ میں ہیجان سا برپا تھا۔ اس کا دل خون ہوا جا رہا تھا۔ اس کے اندر غیظ و غضب کا لاوا جوش کھا رہا تھا اس کا دل چاہ رہا تھا ابھی اور اسی وقت جا کر اپنے مضبوط ہاتھوں سے زمران کا گلا دبا دے۔ حرقا کیا اس قابل تھی؟ اس ظالم کی نظروں میں کیا اس کی اتنی ہی وقعت تھی؟ دھندلائی ہوئی سی آنکھوں سے اس نے غلام کو اندر جاتے دیکھا۔ زمران اب بے قراری کے عالم میں دروازے کے باہر ٹہلنے لگا تھا۔ وہ بار بار اپنا لباس اور بال ٹھیک کر رہا تھا۔ پھر وہ غلام باہر نکل آیا۔ زمران بے تابانہ اس کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس سے کچھ پوچھتا وہ رکھائی سے بولا۔

"صاحب زادی کہتی ہیں آپ یہاں سے فوراً تشریف لے جائیں وہ ہرگز آپ سے نہیں ملنا چاہتیں۔"

زمران کو ایک دھچکا سا لگا۔ وہ لڑکھڑا گیا۔

"کیا؟ کیا کہہ رہا ہے تو؟ تو عیلہ نے واقعی یہ کہا ہے؟ تو جھوٹ تو نہیں بول رہا؟" اس نے غلام کے کندھے پکڑ کر اسے مجنونانہ جھنجھوڑ ڈالا۔

غلام نے زور لگا کر اپنے کندھے اس کی گرفت سے چھڑائے۔

"مجھے بھلا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت؟ جو کچھ صاحب زادی نے کہا ہے وہی میں نے آپ کو سنا دیا ہے۔ آپ یہاں ہنگامہ کرنے کی کوشش نہ کریں اور فوراً واپس چلے

جائیں۔ آپ کو معلوم ہے صاحب زادی کوئی معمولی حیثیت کی مالک نہیں ہیں۔ انہیں ستانا آپ کے لیے جانے کیا مصیبتیں کھڑی کردے......"

لیکن زمران کو ابھی تک اپنی سماعت پر یقین نہ آرہا تھا۔ اس پر ایک وحشت ایک دیوانگی سی طاری ہو چکی تھی۔ اس نے سختی سے غلام کا بازو پکڑ لیا۔ اور جنونی انداز میں چلایا۔

"سچ کہہ...... سچ کہہ! واقعی تو عیلہ نے یہی کہا ہے؟ وہ ایسے کس طرح کہہ سکتی ہے! وہ مجھ سے اس طرح کیسے پیش آسکتی ہے؟"

غلام نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑا لیا۔ اس کا لہجہ بدل گیا۔

"اے نوجوان تو جو کوئی بھی ہے۔ یہاں سے شرافت کے ساتھ چلتا بن۔ یہ شرفا کی آبادی ہے۔ یہاں یوں شور وغل مچا کر صاحب زادی کو بدنام کرنے کی کوشش نہ کر! وہ اگر تجھ سے نہیں ملنا چاہتیں تو ان کی مرضی تو بے جا ضد نہ کر شرافت سے واپس چلا جا......"

اسی وقت دروازے میں ایک سفید ریش بوڑھا نمودار ہو گیا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں! یہ شور کیوں مچا ہوا ہے؟ اے جدعون! یہ لڑکا کون ہے؟ کیا چاہتا ہے؟"

زمران شاید اس بوڑھے کے آنے سے بری طرح سے گھبرا گیا تھا۔ وہ تیزی سے وہاں سے مڑا اور سڑک کے دوسری طرف درخت سے بندھے اپنے گھوڑے کو کھول کر اچھل کر اس پر سوار ہو گیا اور برق رفتاری سے وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ بوڑھا اور غلام کچھ حیرت زدہ کچھ متذبذب سے اسے دیکھتے رہ گئے۔ پھر وہ بوڑھا غلام کی طرف مڑا۔

"اے جدعون! کون تھا وہ؟"

"معلوم نہیں آقا محترم...... وہ اپنے کسی عزیز کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ مجھ سے خواہ مخواہ ہی الجھ پڑا کہ میں اس کا اتہ پتہ جانتا ہوں مگر بتا نہیں رہا۔" غلام جدعون نے بڑی خوبی سے اصل بات چھپا لی۔

"ہوں...... پاگل ہی ہو گا وہ" بوڑھا سر جھٹکتے ہوئے دروازے سے اندر چلا گیا۔ غلام

جدعون نے اندر جا کر دروازہ بند کر دیا۔

ٹوٹتے پھوٹتے وجود کے ساتھ، زخمی و فگار دل کے ساتھ الیاسف بے جان سا اپنی جگہ پر پڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو رواں تھے۔ معصوم و وفا شعار حرقا کا خیال اسے بری طرح سے تڑپائے دے رہا تھا۔ وہ کس طرح اسے بتا سکتا تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا اور کانوں سے کیا سنا تھا۔ وہ کیا اسے ایسا دکھ دے سکتا تھا؟ اسے تکلیف پہنچا سکتا تھا؟ زمران کی بے وفائی تو اسے مار ہی ڈالنے والی تھی۔ وہ اس کا دکھ اور غم کب سہار سکتی تھی جو بے حد نازک طبع نازک دل تھی۔ انتہائی حساس...... زمران کو اپنا سب کچھ سمجھنے والی...... اس کی محبت و خلوص، وفا اور جذبوں کی صداقت پر پورا پورا اور پختہ یقین رکھنے والی! آہ! وہ ایسا کیونکر کر سکتا تھا؟ کاش ایسا نہ ہوتا! زمران یوں نہ بھٹکتا...... اس سے بے وفائی نہ کرتا۔ اس نے حرقا سے بے وفائی کی تھی تو کس کے لیے؟ جس نے اسے یوں دھتکار دیا تھا۔ اسے دیکھنا ملنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔ جانے زمران کی عقل کو کیا ہو گیا تھا؟ وہ کیوں بہک گیا تھا؟ اس نے حرقا سے بے وفائی کر کے دل لگایا تھا تو کیسی جگہ پر؟ جہاں اس کی تذلیل ہوئی تھی۔ تحقیر و تضحیک ہوئی تھی۔ جہاں سے اسے انتہائی شرمندگی کے عالم میں بھاگنا پڑا تھا۔ نہیں! وہ ہرگز حرقا کو یہ سب کچھ نہیں بتا سکتا تھا! ہرگز نہیں! کبھی نہیں!

وہ کافی دیر تک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے حرقا کو تسلی دینے اور زمران کی طرف سے اس کے شکوک و شبہات دور کرنے کی تدبیریں سوچتا رہا۔ سوچتے سوچتے اس کا دھیان ایک دم ہی اس دوشیزہ قوعیلہ کی طرف چلا گیا جس کو زمران اپنے دل کی سجدہ گاہ بنا بیٹھا تھا۔ وہ آخر کون ہو سکتی تھی؟ اس میں آخر ایسی کون سی خوبی خاصیت تھی جو زمران اس کی طرف یوں متوجہ ہو گیا تھا؟ حرقا سے بے وفائی کر بیٹھا تھا؟ اس نے اس مکان کی طرف دیکھا۔ وہ ایک معمولی سا مکان تھا جس کا رقبہ بھی کم تھا۔ اس آبادی میں تقریباً سب ہی مکان چھوٹے رقبوں کے بنے ہوئے تھے۔ ایسے مکانات ظاہر تھا طبقہ اوسط یا غربا کے طبقے سے تعلق رکھنے والوں کے ہی ہو سکتے تھے۔ یہ دوشیزہ قوعیلہ کیا اسی طبقے سے تعلق رکھتی تھی؟

غلام جدعون تو اسے ذی حیثیت بتا رہا تھا۔ الیاسف کے دل میں تجسس سر ابھانے لگا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے اپنے بنائے ہوئے بھیس سے چھٹکارا حاصل کیا۔ اب جبکہ زمران جا چکا تھا تو اسے یوں بھیس بدلے رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ کپڑے جھاڑتے اور بال ٹھیک کرتے ہوئے وہ درختوں کے جھنڈ سے نکل کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا باغ سے نکل کر سڑک کے کنارے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور اس مکان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس مکان کا بڑا سا دروازہ کھلا اور ایک گھوڑا گاڑی باہر نکل کر سڑک پر آ گئی۔ کوچوان نے سڑک پر پہنچ کر اسے روکا اور نیچے اتر گیا۔ نیچے اترتے اترتے اس کا لبادہ اوپر کے پائدان میں الجھ گیا اور وہ زمین پر آ رہا۔ الیاسف نے دوڑ کر اس کے الجھے ہوئے لبادے کو پائیدان سے آزاد کیا اور اسے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

''تمہیں چوٹ تو نہیں لگی؟'' اس نے ہمدردانہ اس سے استفہام کیا۔

''لگی تو ہے لیکن اتنی نہیں۔'' کوچوان مسکرا کر بولا۔ ''تم نہ آ جاتے تو میں شاید دیر تک پائیدان سے لٹکا رہتا۔''

الیاسف ہنس دیا۔

''لگتا ہے اس گھر کے مکین کہیں جا رہے ہیں؟'' اس نے سرسری سا استفہام کیا۔

''گھر کے مکین تو نہیں۔ ہاں ان کی نواسی صاحب زادی قوعیلہ بابل واپس جا رہی ہیں۔'' کوچوان نے اپنی سادگی میں اسے بتایا۔

''اچھا...... میں بھی بابل ہی کا رہنے والا ہوں۔''

''پھر تو تمہیں وہاں کے مشہور فوجی عہدیدار اور ساہوکار عمون کا علم ہی ہوگا۔ انہی کی بیٹی ہیں صاحب زادی قوعیلہ......'' کوچوان کے لہجے میں فخر ومباہات کا رنگ تھا۔

الیاسف کے ہوش وحواس پر گویا ایک کوڑا آ کر پڑا۔ وہ لڑکھڑا سا گیا۔

''وہ کل ہی یہاں پہنچی تھیں۔ ان کا ارادہ کچھ عرصہ یہاں قیام کا تھا۔ لیکن وہ اب یہ ارادہ ترک کر کے آج ہی بابل واپس جا رہی ہیں۔'' کوچوان اس کی کیفیات سے بے خبر

اپنی دھن میں سادگی سے اسے بتاتا جا رہا تھا۔ ”شاید انہیں اپنی والدہ سے جدائی بہت محسوس ہو رہی ہے۔ سردار عمون اس وقت ایرانی سرحد پر گئے ہوئے ہیں اور ان کی بیگم گھر پر اکیلی ہیں......“

الیاسف کو کوچوان کی آواز بہت دور سے آتی سنائی دے رہی تھی۔ وہ ابھی تک اس اچانک اور جان لیوا سے انکشاف کے تیز و تند حملے سے پوری طرح سے سنبھل نہ پایا تھا۔ اسی وقت چند غلام کچھ سامان وغیرہ اٹھائے گھر سے باہر نکلے اور اسے گاڑی میں رکھنے لگے۔

”اچھا بھئی تم تو اب جانے ہی والے ہو۔ میں بھی اب چلتا ہوں۔“ اس نے کوچوان سے کہا۔

”اللہ نگہبان......“ کوچوان نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دبایا۔ ”لیکن میں بابل نہیں جا رہا ہوں۔ مجھے یہ سامان لے کر ایک جگہ جانا ہے وہاں صاحب زادی کا چار گھوڑوں والا رتھ کھڑا ہے۔ وہ اس میں بیٹھ کر بابل جائیں گی۔ ان کی کنیزیں اور غلام بھی ان کے ہمراہ ہوں گے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ تم ادھر ہی رہتے ہو؟“

”ہاں میں محترم عبدیاہ کا ملازم ہوں جو صاحب زادی قوعیلہ کے نانا ہیں۔“

تو وہ سفید ریش بوڑھا جسے الیاسف نے گھر سے باہر نکلتے دیکھا تھا عبدیاہ ہی تھا۔

وہ کوچوان سے رخصت ہو کر باغ میں واپس چلا آیا اور سڑک سے کچھ دور درختوں کے جھنڈ میں اونچے اونچے پھولدار پودوں کے اندر چھپ کر اس گھوڑا گاڑی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر یہ صاحبزادی قوعیلہ کیسی تھی جس نے زمران جیسے مرد کو حرتا سے بے وفائی پر مجبور کر دیا تھا اور اس کی عقل و خرد سلب کر لی تھی۔

جب ملازم سامان وغیرہ اس گھوڑا گاڑی میں رکھ چکے تو چند کنیزیں گھر سے باہر نکلیں ان کے درمیان سیاہ لبادے اور نقاب میں ملبوس ایک خوش قامت پر وقار و پر تمکین دوشیزہ چلی آ رہی تھی۔ اس نے نقاب اس طرح لیا ہوا تھا کہ اس کی صرف آنکھیں ہی دکھائی دے رہی

تھیں۔ الیاسف کو اسے دیکھتے ہوئے ایک دم ہی وہ آنکھیں یاد آ گئیں جو سردار عمون کے گھر کے اس جھروکے میں پڑے سیاہ پردے میں سے اسے دیکھا کرتی تھیں۔ وہ بے اختیار چونک اٹھا۔ تو کیا...... تو کیا اسے اس طرح دیکھنے والی یہ صاحب زادی قوعیلہ ہی تھی؟ کیا یہ وہی ہو سکتی تھی؟ وہ اسے اس طرح کیوں دیکھا کرتی تھی؟ اس کا ذہن الجھنے لگا۔ وہ الجھی الجھی سی نظروں سے قوعیلہ کو اپنی کنیزوں کے ساتھ گھوڑا گاڑی میں سوار ہوتے اور بوڑھے عبدیاہ اور اس کی بوڑھی بیوی کو اسے دعائیں دیتے دیکھتا رہا۔ پھر وہ گھوڑا گاڑی وہاں سے روانہ ہوگئی اور جلد ہی دور سڑک کا موڑ مڑ کر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

الیاسف بدستور الجھا الجھا سا اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ اس کی سمجھ اور عقل کچھ کام نہ کر رہی تھی۔ اگر یہ قوعیلہ ہی تھی جو اپنے گھر کے جھروکے سے اسے دیکھا کرتی تھی تو اس نے زمران کی کیوں حوصلہ افزائی کی تھی؟ پھر اسے کیوں دھتکار دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ یہ تمام معاملہ اسے اک معمہ لاینحل معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔ اسے تو حرقا کا حکم بجا لانے سے مطلب تھا نہ کہ ایسے الجھے سلجھے معموں کی ڈوریاں سلجھانے سے۔ جو معمہ بھی تھا اس نے آگے چل کر خود بخود ہی سلجھ جانا تھا۔ اس نے گھوڑے کی طرف جا کر اسے کھولا اور اس کی راسیں پکڑے باغ سے باہر نکل کر اس پر سوار ہوگیا اور اروک کی سمت روانہ ہوگیا۔ وہ بابل واپس جانے سے پہلے زمران سے ملاقات کر لینا چاہتا تھا۔

زمران پر اس وقت بے حد غصہ اور چڑچڑاہٹ سوار تھی۔ وہ انتہائی مایوس اور دکھی بھی ہو رہا تھا۔ اس نے کیا سوچا تھا اور کیا ہوگیا تھا۔ کیا کیا خواب دیکھے تھے اور ان کی کیا تعبیر نکلی تھی! وہ اپنی آنکھوں میں کیا کیا سپنے سجا کر قوعیلہ سے ملنے گیا تھا اور یہ سپنے کس بے دردی سے ٹوٹ پھوٹ گئے تھے! خاک میں مل گئے تھے!

یہ قوعیلہ کو آخر کیا ہوگیا تھا؟ وہ ایک دم اس طرح کیوں بدل گئی تھی؟ وہ جو اس پہلی اور بھرپور ملاقات میں اس سے بڑے حسین و رنگین عہد و پیمان کر چکی تھی۔ اسے سحر انگیز اور

کیف زا خواب دکھا چکی تھی۔ اگلی ملاقاتوں کے خواب ...... دائمی رفاقت کے خواب ...... حسین ورنگین مستقبل کے خواب ...... کتنی حسین تھی وہ! کسی ماورائی مخلوق کی طرح! کسی اپسرا کی طرح! اس کے حسن وجمال میں کیسی انفرادیت کیسی سحر انگیزی کیسی دلکشی اور کشش تھی! وہ تو حرقا سے بھی زیادہ خوب صورت تھی! کئی گنا زیادہ خوب صورت! اس کے اس حسن شعلہ نوا نے ہی تو اس کا دل حرقا کی طرف سے پھیر کر اس کے قدموں میں لا ڈالا تھا! اسے اپنا دیوانہ ومفتون بنا دیا تھا۔ اسے سب کچھ بھلا دیا تھا!

اور اب کیا ہوگیا تھا! وہ اسی سے ہی تو ملنے ربلہ پہنچی تھی۔ اس پہلی ملاقات کے وقت اس نے اس سے یہ طے کیا تھا کہ وہ اتنے ہفتے گزرنے کے بعد ربلہ پہنچے گی وہ وہاں اس کے نانا عبدیاہ کے گھر آ کر اس سے ملاقات کرلے۔ اس ملاقات کو ظاہر ہے خفیہ رکھنے کا اہتمام کیا جانا تھا۔ کیونکہ پرانے وقتوں کے بزرگ نانا عبدیاہ اور نانی یوکبد لڑکے لڑکیوں کے قبل از شادی میل جول کے حق میں نہیں تھے۔ وہ اس کی ربلہ میں آمد کا بے چینی سے منتظر رہا تھا۔ انتہائی بے چینی اور بے قراری سے ...... وہ ہر دوسرے تیسرے دن اپنے معتمد غلام حکلیا کو وہاں اس کی خبر لانے بھیجتا رہا تھا۔ پھر جب وہ بالآخر وہاں آن پہنچی تھی تو وہ کس اشتیاق اور تمنا سے اس سے ملنے گیا تھا اور کیا ہوگیا تھا!

اپنے نیم تاریک کمرے میں شاندار پلنگ پر خستہ ودل شکستہ سا وہ برابر مایوسیوں اور ناامیدیوں اور پراگندہ خیالیوں کے گرداب میں چکرا رہا تھا۔ اس کے دل اور آنکھوں دونوں میں دھواں سا بھر رہا تھا۔ وہ تکیے میں منہ چھپائے اپنی ناکام حسرتوں کا ماتم کر رہا تھا۔ پلنگ کے قریب فرش پر اس کے اتارے ہوئے کپڑے اور جوتے بکھرے پڑے تھے۔ جنہیں وہ بڑے ارمانوں سے پہن کر قوعیلہ سے ملنے گیا تھا۔ وہ اب پھٹی ادھڑی حالت میں ڈھیر تھے۔ بلکہ کمرے کی ہر چیز ٹوٹ پھوٹ اور افراتفری کا نمونہ پیش کر رہی تھی۔ اس نے کمرے کی ہر چیز پر خوب اپنا غم وغصہ اتارا تھا۔ جنون ودیوانگی کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا۔ نوکروں غلاموں پر خوب چیخا چلایا تھا۔ خوب اپنے بال نوچے اور دیواروں سے ٹکریں ماری تھیں۔

اس کی اس حالت نے سب ہی کو پریشان کر ڈالا تھا۔ نوکر وغیرہ الگ چہ می گوئیاں کر رہے تھے۔ سراسیمہ اور پریشان تھے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔

اروک کی حدود میں داخل ہو کر اس دوراہے پر پہنچ کر الیاسف نے گھوڑا روک دیا جہاں سے ایک سڑک زمران کے گھر کی امراء کی آبادی کی طرف اور دوسری شہر سے باہر جنوب مشرقی سمت جا نکلتی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ اسے اس وقت زمران سے ملنے جانا چاہیے یا نہیں۔ اس وقت شاید اس کا حال ایسا ہو رہا ہو گا کہ اسے اس کی آمد بے حد ناگوار گزرے گی۔ اسی وقت بابل واپس جانا بھی مناسب نہیں تھا۔ اسے چند دن کہیں رک کر ہی بابل واپس جانا چاہیے تا کہ حرقا کی کچھ اچھی تسلی تشفی ہو سکے۔ پھر کیوں نہ وہ سپار چلا جائے؟ لیکن یہ خیال بھی اس نے ذہن سے جھٹک دیا۔ سوچتے سوچتے اسے ایک دم ہی ایرانی سرحد پر واقع ایک مختصر سے دیہات کوش میں رہنے والے اپنے اس دوست نباط کا خیال آ گیا۔ جس سے کافی عرصہ سے اس کی ملاقات نہ ہوئی تھی۔ کوش اروک سے کئی دنوں کی مسافت پر تھا۔ لیکن اسے بابل واپسی تک کسی نہ کسی طرح کافی دن کاٹنے ہی تھے۔ چنانچہ اس نے گھوڑے کا رخ جنوب مشرقی سمت جانے والی سڑک کی طرف موڑ دیا۔

ٹیڑھی راہوں کا خوف

غلام ابلق اپنی مالکہ کے مخصوص دیوان میں اس کے سامنے سر جھکائے مؤدب کھڑا تھا۔ اس کمرے میں نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی تعمیر ایسی تھی کہ وہاں سے کوئی آواز باہر نہ جاسکتی تھی۔ اس کی کھڑکیاں دروازے بند اور ان پر بھاری پردے پڑے تھے۔ عجیلہ دیوان پر بیٹھی عمیق نگاہی سے ابلق کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کچھ خوف، کچھ پریشانی کچھ سراسیمگی کچھ تشویش واضطراب اور بے پناہ تجسس کے تاثرات لہریں لے رہے تھے۔ گلا خشک ہوا جارہا تھا۔ آنکھوں سے وحشت سی ہویدا تھی۔

''تو تمہاری یہ معلومات بالکل سچی اور مصدقہ ہیں؟'' بالآخر اس نے گھٹی گھٹی سی سرگوشی میں استفہام کیا۔

''جی ہاں مالکن محترم ...... جس علاقے میں حزقی ایل سوداگر رہتا ہے وہاں کے سب لوگ یہی بتاتے ہیں کہ کبڑے الیاسف کو حزقی ایل کبار نہر کے کنارے کوڑے کے ڈھیر کے قریب سے اٹھا کر لایا تھا۔ اسے پیدا ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔ لگتا تھا کوئی عورت اپنا گناہ چھپانے کے لیے اسے وہاں کتوں اور گدھوں کی خوراک بننے ڈال گئی تھی۔ لوگ کہتے تھے اس بچے نے عمدہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ شاید اس کی ماں کسی اچھے خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتی ہوگی۔ حزقی ایل اس وقت بے اولاد تھا اس لیے وہ اسے وہاں سے اٹھا کر اپنے گھر لے گیا۔ اس نے اس کی بڑے ناز ونعم سے پرورش کی ہے اور اس سے ایسی محبت کرتا ہے کہ لوگ شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ کہیں الیاسف اسی کی اولاد تو نہیں ......''

عجیلہ کے چہرے پر پتھر جیسی سختی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن آنکھیں نمناک تھیں۔

''حزقی ایل کی اپنی بھی کوئی اولاد ہے؟''

"جی ہاں۔ صرف ایک بیٹی حرقا، جو الیاسف کے گھر لائے جانے کے تین چار سال بعد پیدا ہوئی تھی۔ وہ خاصی خوبصورت اور حسین دوشیزہ ہے۔ اس کی ماں اس کے بچپن میں ہی انتقال کر گئی تھی جس کے بعد حزقی ایل نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ وہ ان دونوں بچوں سے بے پناہ پیار کرتا ہے۔"

کمرے میں کافی دیر تک گھمبیر سکوت چھایا رہا۔ پھر عجیلہ نے اسی طرح گھٹی گھٹی سی سرگوشی میں استفہام کیا۔

"کیا حزقی ایل یا دوسرے لوگوں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ اس بچے کے ماں باپ کون ہو سکتے تھے۔ کیا کسی نے اسے کبار نہر کے کنارے کوڑے کے ڈھیروں میں پھینکے جاتے نہیں دیکھا؟"

"میں نے اس معاملے میں کبار نہر کے کنارے بسنے والے یہودی مزدوروں فقیروں بھک منگوں سب سے پوچھ گچھ کی تھی۔ سب نے یہی جواب دیا ہے کہ انہوں نے کسی کو وہ نومولود بچہ وہاں لاتے اور کوڑے کے ڈھیروں کے درمیان رکھ کر جاتے نہیں دیکھا۔ شاید یہ کام رات کی تاریکی میں بے حد خفیہ طور پر کیا گیا ہوگا۔ حزقی ایل نے بھی اس بچے کے حسب ونسب کے بارے میں کوئی جستجو نہیں کی۔ اسے اولاد چاہیے تھی جو اس بچے کی صورت میں اسے مل گئی۔"

"لوگ اس بچے کے بارے میں باتیں تو کرتے ہوں گے؟"

"پہلے کرتے تھے۔ پہلے وہ اس کے ناجائز اور گناہ کی اولاد ہونے کے بارے میں باتیں کیا کرتے تھے۔ الیاسف کو اس کے طعنے دیتے اور اس کی تضحیک وتحقیر کیا کرتے تھے۔ لیکن اب ان باتوں کی شدت کم ہو چکی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو الیاسف کی بے پناہ شرافت، بلندئ کردار اور نیک سیرتی ہے دوسرے اس کا حسن وجمال ...... جسے دیکھ کر سب یہی کہتے ہیں کہ وہ خالص یہودی النسل ماں باپ کی اولاد ہے۔"

ایک جگر دوز آہ عجیلہ کے گلے میں گھٹ گئی۔ اس نے سختی سے آنکھیں بند کر لیں۔

''اچھا......تم جاؤ۔'' اس نے بمشکل تمام ابلق سے کہا۔

وفادار بوڑھے غلام نے مؤدبانہ سر جھکایا اور پلٹ کر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ عجیلہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو پھوٹ بہے۔

''اوریاہ!'' اس کے منہ سے سرگوشی نکلی۔ جگر دوز سرگوشی۔ خنجر بہ دل سرگوشی۔ ''یہ بھی ہونا تھا اوریاہ!''

''الیاسف جانے ابھی تک کیوں نہیں آیا۔ مجھے مال تجارت لے کر میڈیا کا سفر کرنا ہے۔ اور وہ ابھی تک جانے کس کام میں الجھا ہوا ہے۔'' حزقی ایل نے دستر خوان پر بیٹھتے ہوئے پرتشویش لہجے میں حرقا سے کہا۔

حرقا اس کی وجہ بخوبی جانتی تھی۔ لیکن اس نے اپنے باپ سے حیلہ کیا۔

''شاید وہ حران چلا گیا ہو۔ خالہ شمورا بیمار ہیں نا؟ جب وہ مجھے لینے سپار پہنچا تھا تو اس وقت وہ حران جا کر ان کی مزاج پرسی نہ کر سکا تھا جس کا اسے بے حد افسوس تھا۔ اسے خالہ شمورا سے محبت بھی تو بہت ہے۔''

حزقی ایل نے سر کو جنبش دی۔

''شمورا کی مزاج پرسی اتنے دن لے گئی؟ مجھے تو یہ خیال پریشان کر رہا ہے کہ وہ کہیں کسی مصیبت میں تو نہیں پھنس گیا۔ اب تک تو اسے واپس آ چکنا چاہیے تھا۔''

''ارے نہیں ابا...... وہ کوئی بچہ نہیں جو مصیبت میں پھنس جائے۔ شاید وہ اپنے کسی کام سے کہیں رک گیا ہوگا۔'' حرقا نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

حزقی ایل خاموش ہو رہا۔ لیکن اس کے چہرے کے تاثرات سے عیاں تھا کہ اس کی فکر و تشویش رفع نہ ہوئی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ دستر خوان پر سے اٹھ گیا۔

''لگتا ہے مجھے اس مرتبہ اس کے بغیر ہی تجارتی سفر پر جانا پڑے گا۔ میں اس کے انتظار میں زیادہ دنوں تک نہیں رک سکتا کیونکہ قافلہ بالکل تیار ہے۔''

''تو آپ پھر کب جا رہے ہیں؟'' حرقا نے استفہام کیا۔

''صرف کل تک میں انتظار کر لیتا ہوں۔ وہ کل آ گیا تو ٹھیک ہے ورنہ میں اکیلا روانہ ہو جاؤں گا۔'' حزقی ایل حتمی لہجے میں بولا۔

حرقا کو بھی اسی بے چینی سے الیاسف کا انتظار تھا۔ جب سے وہ اروک گیا تھا وہ اس کی واپسی کی بڑی شدت سے منتظر رہنے لگی تھی۔ اس کا ایک ایک دن بے قراری اور بے سکونی سے کٹنے لگا تھا۔ دن گزرتے گزرتے دو ہفتے ہونے کو آ رہے تھے اور الیاسف ابھی تک نہ لوٹا تھا۔ حزقی ایل کی طرح اسے اب اس کی طرف سے پریشانی اور فکر ہونے لگی تھی اور وہ اس کی بخیر وعافیت واپسی کی دعائیں مانگنے لگی تھی۔

لیکن جب اگلا دن بھی گزر گیا اور الیاسف گھر نہ پہنچا تو حزقی ایل نے اپنے قافلے کو اگلے دن میڈیا روانگی کا حکم دے دیا۔

باپ کے جانے کے بعد حرقا کنیزوں غلاموں کے ساتھ گھر میں تنہا رہ گئی۔ الیاسف کا انتظار اب شدت پکڑتا جا رہا تھا۔ وہ بے چین ومضطرب اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی رہنے لگی تھی اس کی نظریں سامنے سے گزرنے والی سڑک کو دور دور تک کھوجنے لگی تھیں کہ شاید وہ آ رہا ہو۔ اس کے دن اور رات ایسے ہی جان لیوا انتظار میں کٹ رہے تھے۔ جانے وہ اب تک کیوں نہ آ رہا تھا۔ زمران کی نقل وحرکت کی جستجو، اس کی جاسوسی اتنا طویل عرصہ تو ہرگز نہ لے سکتی تھی۔ پھر؟ یہاں اس کی فکرمندی گھبراہٹ اور تشویش میں بھی اضافہ ہونے لگا تھا۔ وہ ہردم متوحش ومتفکر رہنے لگی تھی۔ اس کی کافی سہیلیاں موجود تھیں لیکن اس نے اپنے ذاتی معاملات کے سلسلے میں کسی کو اپنا رازدار نہ بنایا تھا۔ اب بھی وہ اپنا دکھ خود ہی جھیل رہی تھی۔

دن اسی طرح گزرتے جا رہے تھے۔

پھر ایک دن شہر کے معروف یہودی ساہوکار یعقوب عجیبی کے ہاں ایک زبردست محفل نشاط برپا ہوئی۔ جس میں شہر کے چوٹی کے یہودی امراء وزعما مع اہل وعیال شریک ہوئے۔

یعقوب عجیبی چونکہ حزقی ایل کا بڑا دوست تھا اس لیے اس کی غیر موجودگی میں حرقا کو اس محفل نشاط میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ حرقا کا دل ہرگز جانے کو نہ چاہ رہا تھا۔ لیکن یہ سوچ کر کہ اس تفریح سے شاید دل بہل جائے وہ وہاں جانے پر رضا مند ہوگئی۔

یعقوب عجیبی ...... کوئی قدیم بابلی یہودی خاندان کا فرد نہیں تھا۔ بلکہ اس کا تعلق اس یہودی خاندان سے تھا جسے ہزاروں دوسرے یہودی خاندانوں کے ساتھ بخت نصر یروشلم سے غلام بنا کر بابل لے آیا تھا۔ اس خاندانِ عجیبی نے اپنی ہوشیاری، چالاکی، موقع شناسی اور عقل وفہم کو بروئے کار لاتے ہوئے جلد ہی بابل کے میدانِ تجارت وساہوکارہ میں اپنے قدم مضبوطی سے جما لیے اور تیزی سے ترقی کرنے پھلنے پھولنے اور عروج حاصل کرنے لگا۔ اب اس کا شمار وہاں کے بے حد دولت مند اور بارسوخ یہودی خاندانوں میں ہوتا تھا۔ یروشلم کے مہاجر ہونے کے باوجود خاندان عجیبی کے لوگ دوبارہ وہاں جا کر آباد ہونے سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ کیونکہ ان کے پھلنے پھولنے مال ودولت کمانے کے بابل ہی میں خوب مواقع تھے۔

اس محفل نشاط میں حرقا کے ساتھ بوڑھی عمورہ بھی گئی تھی۔ تاکہ اس کا خیال رکھ سکے۔ قصر عجیبی میں پہنچ کر بوڑھی عمورہ تو کنیزوں ملازماؤں کی طرف چلی گئی جبکہ حرقا مہمان خواتین کے ایوان میں چلی آئی۔ ان میں سے اکثر اس کی جاننے والی تھیں۔ ان کی بیٹیوں سے بھی اس کا دوستانہ تھا۔ وہ ان سے ملنے ملانے اور باتیں کرنے میں مصروف ہوگئی۔ اسی وقت عورتوں اور لڑکیوں میں کچھ ہلچل سی مچی۔ سب کے ساتھ حرقا نے بھی بڑے دروازے کی طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ دو عورتیں اندر داخل ہو رہی تھیں۔ ایک عورت تو پختہ عمر کی تھی دوسری نوعمر تھی شاید وہ اس کی بیٹی تھی۔ وہ دونوں ایسی حسین وجمیل تھیں ایسی پرکشش مسحور کن دلکشی اور وقار وتمکنت کی حامل تھیں کہ حرقا کی نظروں نے ان پر سے ہٹنے سے انکار کر دیا تھا۔ بیٹی تو اپنی جگہ حسن ودلکشی کی الگ آب وتاب رکھتی تھی لیکن اس کی ماں کے حسن وجمال کی نظیر نہ تھی۔ حرقا مسحور سی اسے دیکھنے لگی۔ اسے دیکھتے

دیکھتے کوئی خیال آتے ہی وہ ایک دم چونکی اور ایک نئے زاویے سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی حیرت اور بے یقینی لحہ بہ لحہ بڑھتی ہی گئی۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے......'' اس کے منہ سے سرگوشی نکلی۔ ''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''

اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ تنفس کی رفتار تیز ہوگئی تھی۔ اس کی نظریں جن میں اب جستجو اور تجسس کا رنگ پیدا ہوگیا تھا بدستور اس مرقع حسن و جمال پر جمی تھیں۔ جواب چند عورتوں میں گھری ان سے باتیں کررہی تھی اس کی بیٹی بھی اس کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔ پھر چند لڑکیاں آ کر اسے اپنے ساتھ لے گئیں۔

''یہ کون عورت ہے؟ کتنی خوبصورت ہے یہ......'' بالآخر اس نے اپنی ایک سہیلی سے، جو اسی کی طرح اس عورت کو دیکھے جارہی تھی، بڑے اشتیاق اور دلچسپی سے استفہام کر ڈالا۔

''تم اسے نہیں جانتیں؟ حیرت ہے اسے تو سارا شہر جانتا ہے۔'' اس سہیلی نے تحیر سے اسے گھورا۔

''میں ایسے بڑے بڑے اجتماعوں میں شریک ہی کب ہوتی ہوں جو کسی کو دیکھنے کا موقع ملے۔ ہاں بتاؤ یہ ہے کون؟'' حرقا کے استفہام میں بے صبری کا رنگ تھا۔

''یہ مشہور یہودی ساہوکار اور فوج کے اعلیٰ عہدیدار سردار عمون کی بیوی ہے عجیلہ۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی قوعیلہ ہے۔ سب کہتے ہیں ابھی وہ چھوٹی ہے ذرا بڑی ہوجائے گی تو ماں جیسے حسن و جمال کی مالک بن جائے گی......''

''سردار عمون......'' حرقا نے دہرایا۔ ''یہ نام میں نے سن رکھا ہے۔ شاید ابا کی زبانی۔ میں ان دونوں کے بارے میں اور کچھ نہیں جانتی۔''

''یہ کسی سے ملتی جلتی نہیں۔ چند ایک ہی گھر ہوں گے جن سے اس کا میل ملاپ ہوگا۔ ایسے بڑے بڑے اجتماعوں میں بھی بہت کم شریک ہوتی ہے۔ شاید یہ اس کی تنہائی پسند فطرت ہے......''

حرقا کی نظریں بدستور عجیلہ پر جمی تھیں۔ اس کے دل میں اب باقاعدہ شکوک وشبہات

کے غبار اٹھ رہے تھے۔ وہ اسے کھوجتی کریدتی نظروں سے دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ کھانے کا اعلان کر دیا گیا اور مہمان خواتین سب کمرۂ طعام کی طرف روانہ ہو گئیں۔ حرقا بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ وہاں جانے کے لیے باہر برآمدے میں نکل آئی۔ اس کے وہاں نکلتے ہی ایک ملازم لڑکی وہاں چلی آئی۔

''آپ میں کوئی صاحب زادی حرقا ہیں؟ انہیں ایک مہمان بلا رہے ہیں۔'' اس نے سیڑھیوں کے ستونوں سے آگے چمن کے ایک حلقے کی طرف اشارہ کیا۔

حرقا نے متحیرانہ اس کی طرف دیکھا۔

مجھے؟ وہ کون مہمان ہے؟ اس نے کیا اپنا نام نہیں بتایا؟''

''جی نہیں ...... انہوں نے بس اتنا ہی کہا ہے کہ آپ آ کر ان سے مل لیں ......''

حرقا نے اپنی سہیلیوں کی طرف دیکھا۔

''تم لوگ کمرۂ طعام میں جاؤ۔ میں جا کر دیکھتی ہوں یہ آخر کون مہمان ہے۔''

اس نے مرمریں بلند سیڑھیاں اتریں اور سبزے اور پھولوں کے کئی قطعات عبور کرتی ہوئی چمن کے اس حصے میں جا نکلی جس کی طرف اس ملازمہ نے اشارہ کیا تھا۔ جب وہ وہاں اگے گھنے درختوں کے جھنڈ میں پہنچی تو ایک درخت کے چوڑے تنے کے پیچھے سے الیاسف مسکراتا ہوا اس کے سامنے آ گیا۔

''الیاسف!'' حرقا ایک دم دوڑ کر اس کے قریب جا پہنچی۔ شکر اللہ کا جو تم بخیر وعافیت واپس آ گئے۔ ہم سب تو تمہاری سلامتی کی طرف سے بے حد پریشان ہونے لگے تھے۔''

''آپ کا کام جو کرنا تھا۔ یہ جس طرح کا کام تھا اس میں دیر تو لگنی ہی تھی ......'' الیاسف نے وضاحت کی۔

حرقا بڑی محبت سے، بڑے ناز سے، پرفخر نظروں سے اپنے اس وفا کیش، پرخلوص و بے غرض وایثار فطرت بچپن کے ساتھی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل میں وہ ایک مرتبہ محسوس ہونے والی خلش پھر سر اٹھا رہی تھی۔ جسے وہ کوئی معنی ومطلب نہ دے پا رہی تھی۔

''تم بابل کب پہنچے الیاسف؟''

''ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی۔ میں گھر گیا تھا۔ وہاں مجھے معلوم ہوا کہ آقا حزقی ایل تو تجارتی سفر پر جا چکے ہیں اور آپ یہاں مدعو ہیں۔ آپ کی آمد کا طویل وقت تک انتظار کرنے کے بجائے میں نے مناسب سمجھا کہ یہاں پہنچ کر آپ سے مل آؤں......'' اتنا کہتے ہوئے الیاسف مسکرایا۔ ''آپ کو شاید اس کی کوئی توقع نہیں ہوگی کہ میں آپ سے ملنے اس طرح یہاں آ سکتا ہوں۔''

حرقا بے ساختہ ہنس دی۔

''خواب میں بھی نہیں ......ویسے تم نہیں جانتے اس وقت مجھے تمہیں اپنے سامنے یوں موجود پا کر کتنی خوشی ہو رہی ہے۔ ہاں تم کیا یہیں رکو گے یا واپس گھر چلے جاؤ گے؟''

''نہیں۔ میں واپس جا رہا ہوں کیونکہ میں یہاں مدعو نہیں ہوں۔ طویل سفر نے مجھے ویسے بھی بہت تھکا دیا ہے۔ گھر جا کر میں آرام کروں گا۔ اس طرح تازہ دم ہو کر میں آپ کو بتاؤں گا کہ میں کیا معلومات حاصل کر کے آیا ہوں......''

حرقا کے دل میں تجسس واشتیاق نے سر ابھارا۔ اس نے کچھ پوچھنے کے لیے منہ کھولا۔ پھر رک گئی اور سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دیتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے الیاسف ......تم جاؤ آرام کرو۔ میری خاطر تم نے بہت مشقت جھیلی۔ میں تم سے شرمندہ بھی ہوں اور تمہاری دلی شکر گزار بھی......''

''ارے نہیں مالکن ......اس میں شرمندگی اور شکر گزاری کی کوئی بات نہیں۔ یہ تو میری ازلی تمنا رہی ہے کہ آپ کے کام آؤں آپ کی خدمت کروں۔ ایسے مواقع جب مجھے ملتے ہیں تو مجھے جو خوشی ہوتی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔''

حرقا نے عجیب بے چینی سی محسوس کی۔ اس کے دل کی اس خلش کی جراحت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے مضطربانہ ادھر ادھر دیکھا۔ پھر الیاسف پر نگاہ ڈالی۔ جو اپنے ہونٹوں پر چمکتی دمکتی سی مسکراہٹ لیے، آنکھوں میں نرم نرم سی چمک لیے جان نچھاور کر دینے

والے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

''اچھا اب میں جاتی ہوں۔تم گھر جا کر آرام کرو۔ میں تھوڑی دیر میں اماں عمورہ کے ساتھ آ جاؤں گی۔'' بالآخر اس نے کہا۔

''جو حکم مالکن محترم ......'' الیاسف اس کے سامنے مؤدبانہ خفیف سا خم ہوا اور مڑ کر درختوں کے جھنڈ کے اندر جا کر غائب ہوگیا۔

حرقا بھی واپسی کے لیے مڑ گئی۔

چمن کے قطعات سے گزر کر سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے اگر وہ مختلف کمروں کی دیواروں میں بنی ہوئی بڑی بڑی کھڑکیوں پر نظر ڈال لیتی تو اسے ایک کھڑکی میں قوعیلہ کھڑی دکھائی دے جاتی جو اسے انتہائی غضب ناک، حسد و رقابت کی آگ سے شعلہ زن نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

اس کا دل کچھ کھانے پینے کو نہ چاہ رہا تھا۔ اس لیے وہ اپنی سہیلیوں کو کمرۂ طعام میں چھوڑ کر غلام گردش میں سے گزر کر چمن کے رخ کھلنے والی کھڑکیوں والے اس وسیع و عریض ایوان میں چلی آئی تھی۔ اس کی کھلی ہوئی کھڑکیوں سے باہر ہرے بھرے پھولوں پیڑوں سے لدے چمن کا نظارہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اس کا نظارہ کرنے ایک کھلی ہوئی کھڑکی میں آ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ وہ کھڑکی درختوں کے اس جھنڈ کے عین سامنے ہی تھی جہاں الیاسف اور حرقا کھڑے باتیں کررہے تھے۔ الیاسف کے ساتھ حرقا کو اس جگہ تنہا دیکھ کر اس کے دل میں بے پناہ حسد و رقابت کے جذبے نے پوری طرح سر ابھارا تھا۔ اس نے اپنا وجود ایک انجانی سی آگ میں سلگتا محسوس کیا تھا۔ ہر چند کہ وہ فاصلہ زیادہ ہونے کے سبب ان کے درمیان ہونے والی باتیں نہ سن سکی تھی۔ لیکن ان دونوں کی نظروں میں جو ایک دوسرے کے لیے والہانہ پن اور وارفتگی تھی وہ اس سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی۔ پھر ان کا ایک دوسرے کے لیے انتہائی اپنائیت اور جانثارانہ سا رویہ ...... ایسی بے ساختگی ...... ایسی وابستگی ...... اس کا دل بری طرح سے جلنے بھننے لگا تھا۔ وہ تو اس حسین شہزادے کو اپنا سمجھے

ہوئے تھی۔ صرف اور صرف اپنا...... اپنی ملکیت...... اپنی متاع گراں بہا...... لیکن اب اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ ہرگز اس کا نہیں تھا۔ وہ تو پہلے ہی سے کسی اور کا تھا۔ اسی لڑکی کا جس سے وہ یوں درختوں کے اس جھنڈ میں ...... ایک حسین گوشۂ تنہائی میں ملاقات کر رہا تھا۔ جانے یہ لڑکی کون تھی۔ وہ بھی خاصی حسین تھی لیکن اس جیسی کہاں تھی وہ شہزادہ بس ایک بار ہی اسے دیکھ لے...... پھر یہ ناممکن تھا کہ اس کا حسن بے پناہ اسے متاثر نہ کرے اور وہ بھی زمران کی طرح اپنی بچپن کی محبت سے منہ موڑ کر اس لڑکی کو چھوڑ کر اس کی طرف مائل نہ ہو جائے ...... اس کی محبت کا دم نہ بھرنے لگے۔ یہ لڑکی آخر کون تھی؟ شاید یہ بھی یہاں مہمان آئی ہوئی تھی۔ کیوں نہ وہ اس سے مل کر معلوم کرے کہ وہ کون ہے۔ اس شہزادے کے ساتھ اس کا کیا رشتہ ہے۔ وہ کھڑکی سے ہٹ گئی اور اس وسیع و عریض ایوان سے نکل کر غلام گردش میں چلی آئی۔ وہاں اسے سامنے سے حرقا آتی دکھائی دی۔ وہ رک کر اس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگی۔ جب حرقا اس کے قریب پہنچی تو وہ اسے دیکھتے ہوئے دوستانہ انداز میں مسکرائی۔ حرقا جو اس کے حسن بے پناہ سے پہلے ہی سے مرعوب تھی اس کی اس مسکراہٹ سے کچھ گڑ بڑا سی گئی۔

''آپ......''

''میں قوعیلہ ہوں۔ سردار عمون کی بیٹی۔ آپ کون ہیں بہن؟'' قوعیلہ کا لہجہ انتہائی مہذب اور شائستہ تھا۔ ساتھ ہی نرم اور اپنائیت بھرا بھی۔ حرقا متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکی۔

''میں حرقا ہوں۔ میرے والد حزقی ایل معروف سوداگر ہیں۔ ہم لوگ شارع اریوک پر رہتے ہیں۔''

''ہمارا گھر شارع نرگال پر ہے۔ آپ کسی دن ہمارے گھر آیئے۔ ہمیں بے حد خوشی ہوگی۔ آپ اپنے ساتھ اپنی والدہ کو بھی لایئے۔ میری والدہ ان کی اچھی سہیلی بن جائیں گی......'' قوعیلہ ہوشیاری سے بولی۔

حرقا لمحہ بہ لمحہ اس سے زیادہ سے زیادہ متاثر ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے متاسفانہ سر کو

جنبش دی۔

''میری والدہ زندہ نہیں ہیں۔ وہ میرے بچپن میں ہی انتقال کر گئی تھیں۔ اس کے بعد میرے والد نے دوبارہ شادی نہیں کی۔ میں ان کی واحد اولاد ہوں۔''

''اوہو...... بہت افسوس ہوا یہ سن کر...... خیر...... آپ ہمارے گھر آ یئے۔ میری والدہ بے حد محبت کرنے والی ہمدرد فطرت شفیق و مہربان خاتون ہیں۔ ان سے آپ کو ماں کا بھرپور پیار ملے گا۔ آیئے میں آپ کو ان سے متعارف کراتی ہوں......'' مصنوعی خلوص و محبت سے بھرپور میٹھے اور پھسلا لینے والے لہجے میں اتنا کہتے ہوئے اس نے حرقا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کمرۂ طعام کی سمت ہولی۔

کمرۂ طعام میں سلسلۂ ناؤ نوش اپنے عروج کو پہنچا ہوا تھا۔ ساتھ ہی باتوں اور ہنسی قہقہوں کا طوفان بھی وہاں برپا تھا۔ توعیلہ نے حرقا کا ہاتھ تھامے اس وسیع و عریض کمرے میں نظر دوڑائی۔ پھر ایک سمت ہولی۔ حرقا نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر بچھی میز کے قریب توعیلہ کی ماں عجیلہ ایک کنیز سے اپنے بلوریں ساغر میں پھلوں کا رس ڈلوا رہی تھی۔ اس سے ملنے کے خیال سے حرقا کو گھبراہٹ سی ہونے لگی۔ لیکن توعیلہ اس کا ہاتھ تھامے اپنی ماں کی طرف بڑھ گئی۔

''امی یہ دیکھیے ...... یہ میری نئی سہیلی حرقا۔ یہ حزقی ایل معروف سوداگر کی بیٹی ہیں۔''
عجیلہ کے ہاتھ میں پکڑا ہوا بلوریں ساغر کچھ چھلک گیا۔ اس نے اسے فوراً ہی میز پر رکھ دیا۔

''حزقی ایل سوداگر کی ......'' اس نے ٹوٹتی بکھرتی سرگوشی میں دہراتے ہوئے حرقا پر ایک نظر ڈالی۔ حرقا کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کچھ دہشت زدہ سی ہو گئی ہو۔ کچھ سراسیمہ اور حواس باختہ سی۔ لیکن اسے اپنا وہم سمجھ کر اس نے اس احساس کو ذہن سے جھٹک دیا۔

''ہاں امی ...... یہ ان ہی کی بیٹی ہیں۔'' توعیلہ نے شاید کچھ محسوس نہ کیا تھا۔

''خدا تمہیں خوش رکھے ......'' عجیلہ نے خفیف سا لرزتا ہوا ہاتھ حرقا کے سر پر پھیرا۔
''معاف کرنا بیٹی۔ اس وقت میری طبیعت کچھ اچھی نہیں ورنہ میں تم سے دل کھول کر باتیں

کرتی۔ توعیلہ! چلو گھر چلیں۔"

توعیلہ حیران و پریشان سی ہوگئی۔ لیکن حرقا سے معذرت کرتے ہوئے اپنی ماں کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔

عجیلہ نے میزبانوں سے ملنا اجازت لینا بھی ضروری نہ سمجھا اور اپنی بیٹی اور کنیزوں کے ساتھ اپنے رتھ میں جا بیٹھی اور وہاں سے رخصت ہوگئی۔

اس کے یوں اچانک اور بے اطلاع چلے جانے پر مہمانوں اور میزبانوں نے حیران و پریشان تو ہونا ہی تھا۔ حرقا کو بھی انتہائی تعجب ہوا۔ لیکن حیرانی و پریشانی کی یہ لہر بھی فوراً ہی گزر گئی اور مہمان پھر ناؤ نوش میں مصروف ہوگئے۔ حرقا اپنی سہیلیوں کو تلاش کر کے ان کے پاس چلی آئی۔ اس نے انہیں اپنی توعیلہ اور اس کی ماں سے ملاقات کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ لیکن اس کا ذہن الجھا الجھا سا رہا۔

اس شاندار ضیافت کے بعد محفل راگ و رنگ برپا ہوئی۔ جس کا دورانیہ بہت طوالت پکڑ گیا۔ اس کے اختتام پر مہمان رخصت ہونا شروع ہوگئے۔ حرقا بھی میزبان خاتون سے رخصت ہو کر بوڑھی عمورہ کے ہمراہ اپنے رتھ میں آ بیٹھی اور اپنے گھر روانہ ہوگئی۔ اس وقت وہ بے حد خاموش اور پر تفکر خیالات میں گم تھی۔ بوڑھی عمورہ کن اکھیوں سے اسے دیکھ رہی تھی اور محسوس کر رہی تھی کہ کوئی بات ایسی ضرور تھی جو اسے اندر ہی اندر پریشان کیے ہوئے تھی۔ لیکن اس نے اس سے کچھ نہ پوچھا۔ یہاں تک کہ رتھ ان کے گھر پہنچ گیا۔

اس رات کھانے سے فارغ ہو کر جب حرقا اپنے کمرے میں پہنچی تو بوڑھی عمورہ بھی وہاں چلی آئی۔ اس کے چہرے پر عجب معنی خیز سے تاثرات تھے۔ وہ کمرے میں آ کر حرقا کے سامنے نشست پر بیٹھ گئی۔

"حرقا بیٹی...... آج اس محفل نشاط میں تمہیں خوب لطف آیا ہوگا۔ تم نے سردار عمون کی بیوی کو بھی دیکھا ہوگا۔ کتنی حسین و جمیل ہے وہ......" اس کے لہجے میں معنی خیزی اور کرید پنہاں تھی۔

"ہاں اماں ...... میں تو ان خاتون کو دیکھ کر سانس لینا ہی بھول گئی۔ سچ اماں ایسا حسن و جمال نہ کہیں دیکھا نہ سنا۔ ان کی بیٹی توعیلہ بھی بے حد خوبصورت ہے۔ میری اس سے ملاقات ہوئی تھی ......"

عمورہ چونکی اور پرتجسس نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"واقعی بیٹی؟ کیسے ہوئی یہ ملاقات؟"

حرقا نے اسے اپنی توعیلہ سے ملاقات پھر اس کے ساتھ اس کی ماں عجیلہ سے ملنے اور ان کے فوراً ہی گھر چلے جانے کے بارے میں بتانے لگی۔ عمورہ کان کھڑے کیے آنکھیں پوری طرح کھولے عضو عضو کان بنائے اس کی باتیں سنتی رہی۔ اس کی آنکھوں کی معنی خیز چمک لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ جب حرقا اسے سب کچھ سنا چکی تو اس نے معنی خیز مگر تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔ اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر بھی ایک معنی خیز سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"تو وہ چلی گئی ...... فوراً ہی چلی گئی ......" اس نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

حرقا الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"مگر کیوں اماں؟ ہاں انہوں نے کہا تھا کہ اس وقت ان کی طبیعت خراب تھی۔"

بوڑھی عمورہ اس کی سادگی پر بے ساختہ مسکرا دی۔

"واقعی خراب تھی یا تمہارے حزقی ایل کی بیٹی ہونا سن کر ہو گئی تھی۔" اس نے نیم سرگوشی میں کہا جو حرقا ٹھیک طرح سے نہ سن سکی۔

"آپ نے کیا کہا اماں؟" اس نے الجھ کر اس سے پوچھا۔

"ہاں تو الیاسف وہاں تم سے ملنے آیا تھا۔ اس وقت وہ پڑا سو رہا ہے۔ طویل سفر سے بہت تھک گیا ہے وہ ......" بوڑھی عمورہ نے بات موڑ دی۔

حرقا کو ایک دم ہی کچھ یاد آ گیا۔

"اماں ......" وہ کچھ رکتے ہچکچاتے دھیمی آواز سے بولی۔ "اماں ...... آپ نے ان

خاتون سردار عمون کی بیوی کو دیکھ رکھا ہے؟''

''ہاں ......'' تیز فہم عمورہ کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہ پیش آئی کہ حرقا کیا کہنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ خاموشی سے اس کے مزید کچھ کہنے کی منتظر رہی۔

حرقا کچھ دیر متذبذب اور ہچکچاہٹ زدہ سی اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''اماں ......'' اس کا لہجہ کپکپاتا اور بیٹھا بیٹھا سا تھا۔ ''اماں ...... آپ نے کیا ...... آپ نے کیا کچھ غور نہیں کیا۔ کیا توجہ سے نہیں دیکھا کہ ان خاتون اور الیاسف میں کتنی مشابہت ہے ...... آپ نے ......''

''خاموش!'' عمورہ نے ایک دم اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے چہرے کی رنگت ایک دم اڑ گئی تھی۔ اس نے تیزی سے ادھر ادھر اور دروازے کی طرف دیکھا۔

''بیٹی حرقا!'' اس کا لرزاں لہجہ خاصا درشت اور تنبیہی تھا۔ ''تم اس بارے میں زبان بند ہی رکھو۔ یہ سخت خطرناک بات ہے۔ اگر کوئی اور تم سے ایسی بات کرے تو ہرگز نہ سننا نہ ایک لفظ منہ سے نکالنا۔ یہ تمہارے لیے ہی نہیں الیاسف کے لیے بھی سخت خطرناک ثابت ہوگا اور ...... اس خاتون کے لیے بھی ......'' اس نے آخری الفاظ سرگوشی میں کہے۔

بوڑھی عمورہ یہی کچھ معلوم کرنا چاہتی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ حرقا نے سردار عمون کی بیوی کو دیکھ کر اگر کچھ شک وشبہ محسوس کیا تھا تو اسے خبردار کر دے۔

''تم الیاسف سے بھی ہرگز ہرگز کچھ نہ کہنا۔ نہ اپنی گہری سے گہری راز دان سہیلیوں سے۔ اس معاملے میں زبان سختی سے بند رکھنا۔ تم جس شک وشبہ کا شکار ہو حرقا بیٹی تو یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح سردار عمون کی بیوی خالص یہودی النسل ہونے کی وجہ سے ایسی حسین وجمیل ہے۔ ویسے ہی الیاسف کے ماں باپ بھی خالص یہودی خون کے حامل ہوں۔ اگر واقعی ایسا ہو تو اس طرح کی مشابہتیں انوکھی بات نہیں۔ پھر بھی تم احتیاط کرنا۔ میری تنبیہات پر عمل کرنا ......'' اتنا کہہ کر وہ اپنی نشست پر سے اٹھ گئی۔

"اب میں چلتی ہوں۔ تم تھکی ہوئی ہو اب سو رہو۔"

اس کے جانے کے بعد حرقا حیران و پریشان سی پراگندہ خیالیوں کے گرداب میں چکرانے لگی۔ اسے رات گئے تک نیند بھی نہ آ سکی۔

"چچا یوآب میں کل آپ کی طرف آیا تھا۔ لیکن آپ شاید کہیں گئے ہوئے تھے؟"

الیاسف اس وقت ادھیڑ عمر نیم معذور سے، حزقی ایل کے گھر کے داروغہ یوآب کی نشست گاہ میں اس کے سامنے فرشی نشست پر بیٹھا تھا۔

"ہاں یہیں متعلق باغات کے عقبی علاقے میں۔ تمہیں بوڑھے حاشوم کا پتہ ہی ہوگا، اسی سے ملنے۔ ہاں تم جس کام کے لیے اروک گئے تھے اس کا کیا بنا؟ تمہاری اپنے دوست سے ملاقات ہوئی؟"

الیاسف نے اسے ہرگز سچی بات نہ بتائی تھی بلکہ یہ کہا تھا کہ اسے اروک کے رہائشی اپنے ایک دوست سے ایک ضروری کام تھا اس لیے وہ وہاں جا رہا تھا۔ یوآب کی عادت ویسے بھی کھوج کرید کرنے کی نہیں تھی۔ اس لیے اس نے اس سے کچھ نہ پوچھا تھا۔

"ہاں چچا...... وہ کام ہو گیا ہے۔ ہر چند کہ اس میں دن بہت لگ گئے۔ خیر...... آپ سنائیے خیریت سے رہے نا پیچھے سے......"

"ہاں ...... رب موسیٰ و ہارون کا لاکھ لاکھ شکر ہے......" یوآب نے متشکرانہ منہ پر ہاتھ پھیرے۔ "بیٹے الیاسف تم نے واپسی میں بہت دیر لگا دی ورنہ آقا حزقی ایل تمہیں اپنے ساتھ لے جاتے۔ تمہارے انتظار میں وہ کافی دلوں تک اپنی روانگی موخر کرتے رہے۔"

"بس چچا...... میرا کام ہی ایسا تھا۔"

اسی وقت ایک غلام بڑے سے طشت میں مشروبات اور فواکہات لیے اندر داخل ہو گیا اور طشت ان کے سامنے رکھ کر چلا گیا۔

یوآب، حزقی ایل کے گھرانے کا کوئی قدیم غلام یا ملازم نہیں تھا۔ اس گھرانے کے

پرانے خدام اور غلام بتاتے تھے کہ جب حزقی ایل الیاسف کو کبار نہر کے کنارے کوڑے کے ڈھیروں سے اٹھا کر گھر لایا تھا تو اس کے چند دنوں بعد یوآب اس کے پاس پہنچا تھا اور ملازمت کا خواستگار ہوا تھا۔ اس وقت اس کی حالت بہت دگرگوں ہو رہی تھی۔ اس کی ایک ٹانگ تقریباً ٹوٹ چکی تھی۔ تمام جسم پر خون کے نشانات تھے۔ اس کی وجہ اس نے یہ بتائی تھی کہ وہ ایک تاجر کا ملازم تھا۔ جس کے قافلے کو راستے میں صحرائی ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تھا انہوں نے قافلے والوں کو خوب مارا پیٹا اور قتل کیا تھا۔ وہ بھی ان کی مار سے نہ بچ سکا تھا۔ اور اپنی ٹانگ تڑوانے کے ساتھ ایسا زخمی ہوا تھا کہ نیم مردہ سا زمین پر پڑ گیا تھا اور ڈاکو اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے۔ بعد میں آنے والے قافلے کے لوگوں نے اسے اٹھایا تھا اور اپنے ساتھ بابل لے آئے تھے۔ جہاں علاج معالجے سے وہ ٹھیک تو ہو گیا تھا۔ لیکن عمر بھر کے لیے لنگڑا ہو گیا تھا۔ اس کی کہانی ایسی پر اثر اور درد بھری تھی کہ حزقی ایل کا دل پگھل گیا تھا۔ یوآب کے طرزِ گفتگو، شائستگی اطوار اور غیرت مندانہ رویے سے اسے یہ اندازہ لگانے میں بھی کوئی دشواری نہ پیش آئی تھی کہ وہ ایک اچھے اور باوقار خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ ہر چند کہ وہ اپنی معذوری کے سبب گھر سے باہر کے کاموں کا اہل نہ تھا۔ نہ ہی اندرونِ خانہ تیزی سے نقل و حرکت پر قادر تھا، اس نے اسے نہ صرف اپنی ملازمت میں لے لیا بلکہ اس کو اپنے گھر کا داروغہ بھی بنا دیا۔ یعنی گھر کے تمام امور کا نگران ...... اس نے اس کی رہائش کے لیے غلاموں کنیزوں کے رہائشی حصے میں بہترین الگ تھلگ سا حصہ مخصوص کیا اور سب کو اس کا ادب و احترام کرنے کا حکم دیا۔ بھاری تنخواہ کے علاوہ وہ اسے ویسے بھی نوازتا رہتا تھا۔ اس نے بابل کے بہترین حکماء و اطباء سے اس کا علاج کروایا تھا جس سے اس کی ٹانگ کا لنگ بڑی حد تک دور ہو گیا تھا۔ اکثر ٹوٹی ہوئی ہڈیاں بھی جڑ گئی تھیں۔ لیکن تیز نقل و حرکت سے وہ پھر بھی معذور تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنے فرائض بڑی مستعدی اور دیانت داری سے ادا کرتا تھا اور اس بارے میں خاص سختی سے بھی کام لیتا تھا۔ حزقی ایل اس پر بے حد اعتماد کرتا تھا اور اس کا احترام کرتا تھا۔

بوڑھی عمورہ کی طرح یوآب کو بھی الیاسف سے بے حد محبت تھی۔ وہ ایک باپ کی طرح اس پر جان چھڑکتا اور اس پر نثار ہوتا تھا۔ لوگوں کو اس پر اچنبھا اس لیے نہ ہوتا تھا کہ الیاسف بچہ ہی ایسا خوبصورت اور پیارا سا تھا کہ ہر کسی کا دل بے ساختہ اسے پیار کرنے کو مچل اٹھتا تھا۔ اس کے زمانۂ نومولودگی پھر بچپن پھر جوانی کی عمر کو پہنچنے تک یوآب کی الیاسف سے محبت میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ الیاسف بھی اس سے دل وجان سے محبت کرتا اور اس کا بے حد ادب واحترام کرتا تھا۔

ادھیڑ عمری کو پہنچنے کے باوجود یوآب ابھی تک کنوارا چلا آرہا تھا۔ اس پر سب کو حیرت ہوا کرتی تھی۔ سب، حتیٰ کہ بوڑھی عمورہ بھی اسے کئی مرتبہ شادی کر لینے کا کہہ چکی تھی۔ لیکن وہ اس ذکر کو ہی پسند نہ کرتا تھا۔ خود حزقی ایل نے بھی اسے دو تین بار یہ مشورہ دیا تھا لیکن وہ اسے بھی ٹال گیا تھا۔ شخصی وجاہت کے اعتبار سے اسے ایک وجیہہ وحسین مرد کہا جاسکتا تھا۔ ہر چند کہ اس کے چہرے پر زخموں کے بہت سے نشانات تھے۔ ایک آنکھ کی بینائی بھی قریب قریب ختم ہو چکی تھی۔ دائیں جبڑے کے دانت بھی ٹوٹ چکے تھے۔ کمر کچھ جھک چکی تھی۔ ایک پیر میں لنگ آچکا تھا۔ اپنی سرخ وسفید رنگت، کھڑی ناک سیاہ روشن آنکھوں گھنے سیاہ بالوں اور دراز قامتی کے ساتھ وہ خاصی حسین اور پروقار شخصیت کا نمونہ پیش کرتا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ خالص یہودی النسل تھا اور اس کی تردید اس نے بھی کبھی نہ کی تھی۔ لیکن وہ کون تھا؟ اس کا خاندان کیسا تھا۔ اس کا گھر بار کہاں تھا وہ اس سلسلے میں کچھ نہ بتاتا تھا۔ جس سبب اس کی شخصیت خاصی پر اسرار بنی رہتی تھی۔

ناؤ نوش کے دوران یوآب اور الیاسف کے درمیان بابل کی سیاسیات اور ایرانیوں کے متوقع حملے کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ جب سلسلہ ناؤ نوش ختم ہوا تو الیاسف نے اٹھ کر دروازہ اچھی طرح سے بند کیا اور فرشی نشست پر یوآب کے بالکل قریب آکر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی پھیلی ہوئی تھی۔

''چچا یوآب......'' اس کی آواز سرگوشی سے بلند نہیں تھی۔ ''جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔

میں اپنے ایک کام سے اپنے ایک دوست سے ملنے اروک گیا تھا۔ یہ کام ہو جانے کے بعد میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں کوش جا کر نباط سے مل آؤں۔ آپ اس کے متعلق جانتے ہی ہیں وہ میرا طویل عرصہ سے گہرا دوست چلا آ رہا ہے۔ مجھے اس سے ملے کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ اس لیے میں نے اس سے مل لینا مناسب خیال کیا۔ چنانچہ میں کئی دنوں کا زادِ سفر لے کر کوش روانہ ہو گیا......

''آپ کو معلوم ہی ہے کہ کوش اروک سے کئی دنوں کی مسافت پر ہے۔ میں راستے میں پڑنے والے چھوٹے بڑے قصبات اور شہروں میں رکتا ستاتا آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ میں ایرانی سرحدات کے قریب جا پہنچا۔ کوش اب ذرا سے فاصلے پر رہ گیا تھا کہ مجھے راستے میں نسایانی گھوڑوں پر سوار کئی مسلح سپاہیوں نے گھیر لیا۔ میں محض ایک مسافر تھا۔ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ میں نے ان کا مقابلہ کرنے اور ان کے گھیرے سے نکل بھاگنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ ان کے تیور بھی جارحانہ نہ دکھائی دیتے تھے۔ وہ مجھے چاروں طرف سے گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ پھر ان میں سے ایک جو ان کا سردار معلوم ہوتا تھا آگے بڑھا اور اکدی زبان میں مجھ سے مخاطب ہوا۔

''اے لڑکے! تم کون ہو؟ کہاں سے آ رہے ہو؟''

آپ جانتے ہیں چچا کہ مجھے اکدی زبان کے علاوہ فارسی زبان بھی بخوبی آتی ہے۔ میں نے اسے اکدی زبان ہی میں جواب دیا۔

''میں بابل کا باشندہ ہوں اور اس وقت اپنے ایک دوست سے ملنے کوش جا رہا ہوں۔''

''تو تم بابل سے آ رہے ہو۔ چلو ہمارے ساتھ چلو۔ ہمیں تم سے ایک ضروری کام ہے۔'' اس سردار نے کہا۔ اس کے اشارے پر اس کے سپاہیوں نے مجھے گھیرنے میں لے لیا اور ایک سمت روانہ ہو گئے۔ ہمارا راستہ کوش کے مخالف سمت تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ نسایانی گھوڑوں پر سوار وہ سپاہی ایرانی تھے اور مجھے اپنے ساتھ شاید اپنے لشکر کی طرف لے جا رہے

تھے۔ میں کسی قسم کا خوف محسوس نہ کر رہا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ ایرانی کسی مسافر کو نہ ستاتے ہیں نہ بے سبب ہلاک کرتے ہیں۔ ہمارا سفر تمام دن جاری رہا۔ پھر شام ہوتے ہوتے ہم ایرانی سرحد عبور کر کے ایک قصبے میں داخل ہو گئے اور ایک سرائے میں ٹھہر گئے۔ وہاں میری بہترین خاطر تواضع کی گئی۔ رات ہم نے اسی سرائے میں گزاری۔ پھر صبح ہوتے ہی آگے سفر پر روانہ ہو گئے۔ یہ سفر مختصر سا ہی ثابت ہوا۔ کیونکہ جلد ہی ہم ایک لشکر گاہ میں پہنچ گئے۔ مجھے وہاں چند سپاہیوں کی حفاظت میں ایک خیمے میں ٹھہرایا گیا۔ پھر کچھ دیر گزرنے کے بعد مجھے اس لشکر گاہ کے سربراہ کے حضور پیش کیا گیا۔

"لشکر گاہ کے سربراہ کا خیمہ بھی ایک عام سا خیمہ تھا۔ جس کے دروازے پر صرف ایک ہی مسلح محافظ کھڑا تھا۔ میرا ساتھی خیمے کے دروازے کا پردہ ہٹا کر مجھے ساتھ لیے اندر داخل ہو گیا۔ اندر ایک اونچی سی نشست پر ایک باریش، پر وقار اور بارعب شخص بیٹھا تھا۔ جس کے دونوں طرف اس کی نشست سے کچھ فاصلے پر کچھ اشخاص مؤدب کھڑے تھے۔ میرا ساتھی اس باریش شخص کی نشست کے سامنے پہنچ کر مؤدبانہ خم ہوا۔

"شہنشاہِ معظم ...... یہ بابل کا باشندہ حاضر خدمت ہے۔ آپ اس سے اہم معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔"

اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں اس عظیم فاتح ارض سائرس ہخامنشی کے سامنے کھڑا تھا!" الیاسف کی آواز جھرجھرا کر خاموش ہو گئی۔ یوآب کے وجود پر زلزلہ سا آ کر گزر گیا۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"تو یہ عجیب ہی اتفاق ہو گیا......" وہ بڑبڑایا۔

"ہاں چچا...... یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ آیا تھا کہ میرا اس عظیم شہنشاہ سے اس طرح سامنا ہو سکے گا۔" الیاسف کی آواز جھرجھراتی سی تھی۔ "مجھے یہ بات ناقابل یقین سی لگتی تھی کہ اس لشکر گاہ میں ایرانی بادشاہ بذاتِ خود موجود ہوگا۔ سچی بات یہ ہے چچا کہ اسے یوں اپنے سامنے دیکھ کر مجھے تو اپنے ہوش و حواس رخصت ہوتے محسوس ہوئے۔ اس خیمے

میں کوئی شاہانہ آرائش وزیبائش نہیں تھی۔ کوئی کروفر نہیں تھا۔ وہ ایک معمولی سا خیمہ تھا اور ایرانی بادشاہ نے بھی عام سپاہیوں جیسا لباس پہن رکھا تھا۔ اس نے کسی بھی قسم کے زیورات نہ سجا رکھے تھے۔ اس کی ہر چیز سے سادگی ہویدا تھی ......

"بابلی نوجوان ......" اس نے اکدی زبان میں مجھے مخاطب کیا۔ "تم ہمیں تفصیل سے بتاؤ تم کون ہو۔ بابل میں کس جگہ رہتے ہو۔ کیا کرتے ہو۔"

میں نے احتراماً جھک کر اسے تعظیم دی۔

"عظیم شہنشاہ۔ میری خوش قسمتی کہ مجھے آپ کی خدمت میں اس طرح باریابی کا موقع ملا۔" پھر میں نے اسے اپنے اور آقا حزقی ایل کے بارے میں تفصیل سے ہر بات بتائی۔ بابل کے یہودیوں کے بارے میں بتایا۔ بل شزر اور نبونائی کے طرزِ حکومت کے بارے میں بتایا۔ اس نے کرید کرید کر مجھ سے بابلی عوام، ان کی عام حالت، مذہبی واقتصادی حالت، شہر کے جغرافیائی حالات اس کے محل وقوع، دفاعی انتظامات اور بل شزر کی جنگی تیاریوں کے بارے میں تفصیلات پوچھیں۔ میں نے اسے ہر چیز کے بارے میں تسلی بخش تفصیلات دیں۔ پھر میں نے اس سے کچھ ہچکچاتے ہوئے ڈرتے ہوئے استفہام کیا کہ چونکہ شہر کے یہودی بابلیوں کی غلامی سے نجات پانا چاہتے ہیں اور واپس اپنے وطن یروشلم جانا چاہتے ہیں۔ اس لیے کیا وہ بابل کو فتح کرنے کے بعد انہیں یروشلم جانے کی اجازت دے دے گا؟ انہیں ہیکل سلیمانی کے وہ نوادرات لوٹا دے گا جو بخت نصر وہاں سے اٹھا لایا تھا؟ اس پر وہ مسکرایا اور بولا۔

"میں اس کا وعدہ کرتا ہوں۔ بشرطیکہ بابل کی فتح میں وہاں کی یہودی آبادی ہم سے ہر ممکن تعاون کرے۔"

"میں نے اس سے کہا۔ "عظیم شہنشاہ بابل کے ہر یہودی کو اپنے ہر ممکنہ تعاون پر آمادہ پائیں گے۔"

اس نے کہا ...... "فی الحال ہمیں صرف تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔ تم اب یہاں

سے جاؤ۔ ہم چند دنوں تک تم سے رابطہ کریں گے اور اپنا خصوصی پیغام بھجوائیں گے۔ اس معاملے میں تمہیں کڑی راز داری برتنی ہوگی......"

میں نے اسے اس کا یقین دلایا۔ اس کے اعتماد پر اس کا ممنون و مشکور ہوا۔ پھر اپنے اسی ہمراہی کے ساتھ اس کے خیمے سے باہر نکل آیا۔

میرا ہمراہی یعنی مجھے گھیر لانے والے دستے کا سالار مجھے اپنے خیمے میں واپس لے گیا۔ اس نے میرا گھوڑا منگوایا۔ مجھے زادِ سفر دیا اور دو سواروں کی معیت میں مجھے سرحد کی طرف روانہ کردیا۔ سرحد تک پہنچ کر وہ سوار مجھ سے رخصت ہو کر واپس چلے گئے اور میں بجائے کوش جانے کے اروک چلا گیا۔ وہاں میں زمران سے مل لینا چاہتا تھا مگر اس کے گھر پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ کئی دنوں سے گھر سے غائب ہے اور کسی کو کچھ بتا کر بھی نہیں گیا۔ اس کے ملازم خاص حکلیا کا کہنا تھا کہ اس نے اپنا سامان تیار کروایا تھا اور یہ کہہ کر رتھ میں بیٹھ کر گھر سے چلا گیا تھا کہ وہ کچھ عرصہ کے لیے باہر جا رہا تھا۔ اس کے ماں باپ اس وقت گھر پر نہیں تھے۔ لیکن اب اس کے یوں چلے جانے پر وہ بہت حیران و پریشان تھے......"

"ہوں......" یوآب نے زمران کا قصہ قطعاً عدم دلچسپی سے سنا۔ اس کے چہرے پر غور و تفکر کی پرچھائیں لرزاں تھیں۔ ساتھ ہی وہ کچھ گھبرایا ہوا کچھ خوف زدہ سا بھی دکھائی دے رہا تھا۔

"ایرانی بادشاہ نے یہودی ہونے کی وجہ سے تم پر یوں اظہارِ اعتماد کیا ہے بیٹا الیاسف......" بالآخر اس نے نیم سرگوشی میں لب کشائی کی۔ "تم اس بارے میں سختی سے زبان بند رکھنا۔ میں بزرگ عمائدین سے رابطہ کرتا ہوں۔ پھر ہم سب کیار نہر کے کنارے بنی ہوئی اس عبادت گاہ میں جمع ہوں گے وہاں تم سب کو یہ واقعہ کہہ سنانا...... وہاں ایرانی بادشاہ سے تعاون کے لیے آئندہ لائحہ عمل طے کیا جائے گا...... ہاں سنو...... آقا حزقی ایل اس وقت یہاں نہیں۔ لیکن وہ اگر جلد واپس آ گئے تو تم انہیں بھی یہ واقعہ سنا دینا......"

"بہت بہتر چچا...... اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ ایرانی بادشاہ کب مجھ سے رابطہ کرتا

ہے۔"

اس میں بھی تمہیں بے حد احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ بابل کے محکمہ خفیہ کے سربراہ ریموت کے جاسوس آج کل ہر جگہ شکاری کتوں کی طرح سازشوں کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ ہم یہودیوں پر تو ان کی خصوصی نظریں ہیں۔ ہماری حرکت کی نگرانی یوں کر رہے ہیں کہ ہمیں بالکل کوئی شک نہیں ہوتا......"

الیاسف اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"میں ہر ممکن احتیاط کروں گا چچا۔ مطمئن رہیے۔"

یوآب اس کے ساتھ چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس نے الیاسف کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ "ربّ موسیٰ وہارون علیہما السلام کی رحمتیں تم پر سایہ فگن رہیں میرے بیٹے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

الیاسف جب وہاں سے نکل کر گھر کی غلام گردش میں پہنچا تو اسے سامنے سے حرقا کی کنیز خاص آتی دکھائی دی۔

"تم کہاں غائب تھے الیاسف...... مالکن تمہیں پوچھ رہی ہیں۔"

الیاسف اسے کوئی جواب دیئے بغیر حرقا کی نشست گاہ کی طرف بڑھ گیا۔

"کیوں الیاسف کہاں تھے اتنی دیر سے؟" جب الیاسف اجازت لے کر نشست گاہ میں داخل ہوا تو حرقا نے شکایتاً اس سے استفہام کیا۔

"چچا یوآب کے پاس...... آپ اس وقت اپنے کمرے سے نہ نکلی تھیں اس لیے میں ان سے ملنے چلا گیا۔"

"بیٹھو......" حرقا نے سامنے دیوان کی طرف اشارہ کیا۔

الیاسف وہاں بیٹھ گیا۔

"ہاں اب بتاؤ تم نے زمران کے بارے میں کیا معلوم کیا ہے؟" حرقا کے استفہام میں بے پناہ تجسس واشتیاق کے ساتھ کچھ پریشانی وتفکر اور تشویش واضطراب کی جھلک بھی

تھی۔

"جب میں اروک پہنچا تھا تو میں زمران کو اس کے گھر سے غائب پایا تھا۔ اس کی والدہ خالہ ماریا اور خالو ایالون اس وقت کسی دوسرے شہر گئے ہوئے تھے۔ میں زمران کی گھر واپسی کے انتظار میں ایک سرائے میں رک گیا۔ مجھے چونکہ اس کی نقل وحرکت پر نظر رکھنی تھی اس لیے میں نے اس کے گھر ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ سرائے میں رہتے ہوئے میں زمران کی گھر واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن جب مجھے انتظار کرتے کرتے اتنے دن گزر گئے اور وہ گھر واپس نہ آیا تو مزید انتظار بے سود سمجھ کر میں واپس چلا آیا......"

حرقا کے چہرے پر مایوسیاں اور نا امیدیاں رقصاں تھیں۔ وہ بے حد غم زدہ اور دکھی بھی دکھائی دے رہی تھی۔

"وہ آخر کہاں گیا؟ تم نے کیا اس کے گھر کے کسی فرد سے نہیں دریافت کیا؟"

"کیا تھا ...... یہاں آنے سے پہلے میں نے اس کے گھر جا کر خالہ ماریا اور خالو ایالون سے ملاقات کی تھی۔ اس وقت وہ گھر واپس آ چکے تھے۔ وہ سپار گئے ہوئے تھے۔ کیونکہ نانا محترم کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ زمران کے گھر سے چلے جانے پر وہ بے حد ہی دکھی اور پریشان ہو رہے تھے۔ زمران کسی کو بھی یہ بتا کر نہ گیا تھا کہ وہ کہاں جا رہا تھا۔ اس کے غلام خاص حکلیا نے صرف اتنا بتایا تھا کہ اس نے اپنا کچھ سامان وغیرہ تیار کروا کے رتھ میں رکھوایا تھا اور بغیر کسی سے کچھ کہے سنے اس میں بیٹھ کر گھر سے چلا گیا تھا۔ جب میں اس کے گھر پہنچا تھا تو اسے گئے دس بارہ دن ہونے کو آ رہے تھے اور اب تک اس کی طرف سے کوئی خبر نہ آئی تھی ......" الیاسف نے اسے تفصیلات بتائیں۔

حرقا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"یہ تو اچھا نہیں ہوا ...... زمران آخر اس طرح چپ چپاتے کہاں چلا گیا؟ اس نے آخر ایسا کیوں کیا؟ الیاسف! تمہیں اس کے دوستوں کا علم تو ہوگا ممکن ہے وہ ان میں سے کسی کے پاس چلا گیا ہو؟" شدید دکھ اور غم کے باوجود اس کا لہجہ امید بھرا تھا۔

الیاسف کو اس کے آنسو شدید تکلیف دے رہے تھے۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ زمران کو کہیں سے تلاش کر کے اس کے سامنے لا کھڑا کرتا۔ اس نے کہا۔

''خالو ایالون نے اروک میں رہنے والے اس کے تمام دوستوں سے اس کے بارے میں معلوم کروایا تھا لیکن وہ ان میں سے کسی کے ہاں نہیں ٹھہرا ہوا تھا۔ اروک سے باہر بھی اس کے جتنے دوست تھے انہوں نے بھی اس کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی تھی۔ میرے خیال میں ......'' الیاسف کا لہجہ پر خیال ہو گیا۔ ''وہ شاید ایرانیوں کے علاقے میں نکل گیا ہے۔''

''لیکن کیوں؟'' حرقا نے دکھ سے بوجھل لہجے میں استفہام کیا۔ ''اسے ایسا کرنے کی بھلا کیا سوجھی؟ اسے آخر اپنے گھر میں کیا تکلیف تھی؟ وہاں تو وہ شہزادوں کی طرح رہ رہا تھا۔ ہر قسم کی فکروں جھنجٹوں سے آزاد۔ پھر آخر وہ کیوں اس طرح گھر چھوڑ گیا؟''

''ہوسکتا ہے کہ کوئی معاملہ ہی ایسا آن پڑا ہو جس کے بارے میں اس نے کسی کو کچھ بتانا مناسب نہ سمجھا ہو اور اسے نمٹانے اکیلے جانا مناسب سمجھا ہو۔'' الیاسف نے خیال آرائی کی۔ ''یہ معاملہ نمٹا چکنے کے بعد وہ گھر واپس آجائے گا۔ اسے کسی سے محبت ہو نہ ہو اپنے گھوڑوں سے تو بے حد محبت ہے جنہیں چھوڑ کر وہ کہیں نہیں جاسکتا......''

شدید رنج و کرب کے باوجود حرقا بے ساختہ مسکرا دی۔ الیاسف کو ایک بوجھ سا اپنے دل سے ہٹتا محسوس ہوا۔

''ہاں مالکن محترم...... زمران کو گھوڑوں کی محبت ضرور جلد ہی گھر واپس لے آئے گی۔ پھر آپ کی اور دوسرے سب لوگوں کی پریشانی بھی دور ہو جائے گی۔''

حرقا کچھ اطمینان سا محسوس کرنے لگی۔

''اگر ایسا ہی ہے تو یہ بہت اچھا ہے۔ وہ گھر واپس آجائے گا۔ لیکن اس کے بدل جانے کی وجہ ہنوز نا معلوم ہی رہے گی۔ لوگوں کو چاہے کتنی ہی مصروفیات ہوں وہ یوں تو نہیں بدل جایا کرتے۔ وہ اگر واپس آ گیا تو تم کیا یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو گے

الیاسف۔"

"ضرور کروں گا...... میں پھر اروک جاؤں گا اور سب کچھ معلوم کروں گا......"

حرقا نے متشکرانہ اس کی طرف دیکھا۔

"شکریہ الیاسف......تم بہت اچھے ہو......"

"اس میں شکریہ کی کوئی بات نہیں مالکن ...... یہ میرا فرض ہے کہ آپ کا ہر حکم بجا لاؤں ......" الیاسف کے لہجے میں جانثارانہ رنگ تھا۔

حرقا نے بھرپور نظر اس پر ڈالی۔ اس کے ساتھ ہی اسے ایک دم ہی کچھ یاد آ گیا۔ اس کی نظر کا زاویہ تبدیل ہوگیا۔ اس میں اتھاہ گہرائی، تلاش اور ٹٹول کا رنگ پیدا ہوگیا۔ اس کی حیرت بڑھنے کے ساتھ ساتھ اسے بوڑھی عمورہ کی تنبیہات بھی یاد آنے لگیں۔

الیاسف اس کے یوں دیکھنے پر حیران سا ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے مالکن۔ لگتا ہے آپ مجھے نہیں پہچان رہیں۔"

حرقا فوراً ہی سنبھل گئی اور ہنس دی۔

"نہیں ایسی بات نہیں۔ کیوں الیاسف تمہیں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ تم کتنے خوب صورت ہو؟"

الیاسف بے اختیار ہنس دیا۔

"یہ لوگ کہتے ہیں۔ ورنہ میں نے کبھی اپنی شکل وصورت پر غور نہیں کیا۔"

حرقا جانتی تھی کہ یہ موضوع بہت نازک تھا۔ اس کا سرا اس کے گم نام حسب ونسب تک پہنچتا تھا اس لیے اس نے اسے بدل دیا اور بولی۔

"اروک سے بابل تک کا سفر بہت طویل ہے۔ راستے میں اگر کوئی دلچسپ واقعہ تمہاری نظروں سے گزرا ہو تو سناؤ۔"

"کوئی واقعہ تو میری نظروں سے نہیں گزرا ......" الیاسف پرسوچ لہجے میں کہنے لگا۔

"ہاں بابل کے ایک مشہور امیر کی دختر کی سواری کی شان ضرور دیکھنے کو ملی ......"

''وہ کون تھی؟'' حرقا نے دلچسپی سے استفہام کیا۔

''سردار عمون کی بیٹی ...... وہ بڑے شاندار رتھ میں کسی شہزادی کی سی شان سے سفر کر رہی تھی۔ اس کے رتھ میں چار مشکی گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ کنیزوں کے علاوہ مسلح محافظ بھی اس کے ہمراہ گھوڑوں پر سفر کر رہے تھے......''

حرقا کی آنکھوں میں دلچسپی کی گہری چمک پیدا ہوگئی۔

''تم نے اسے دیکھا تھا؟''

''اس خاتون کو؟ نہیں ...... وہ سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ بھی کھلا نہیں تھا صرف آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کی کنیزوں کے البتہ چہرے کھلے تھے۔''

''اس کا نام قوعیلہ ہے۔ میری اس سے ملاقات ہو چکی ہے۔''

''اچھا...... کہاں؟'' الیاسف کو پھر اسی الجھن نے گھیر لیا تھا۔

حرقا نے اسے یعقوب عجیمی کے گھر کی محفل نشاط میں جانے، قوعیلہ پھر اس کی ماں سے ملاقات کے بارے میں بتایا۔ پھر بولی۔

''سچ کہتی ہوں الیاسف ...... قوعیلہ کی ماں عجیلہ جیسی حسین و جمیل عورت کبھی میری نظروں سے نہیں گزری وہ تو کوئی ماورائی مخلوق معلوم ہوتی ہے......'' حرقا جانے کیا کیا کہتی رہی۔ لیکن الیاسف کے ذہن میں اب ایک الجھن کے ساتھ ہی دوسری الجھن بھی پیدا ہوگئی تھی۔ سردار عمون کے گھر کے اس جھروکے کے سیاہ پردے میں اسے جھانکنے والی آنکھیں کس کی ہو سکتی تھیں؟ قوعیلہ کی یا اس کی ماں عجیلہ کی؟

مردُوک کا نیا جنم

یہ ۵۴۰ ق م کے موسم سرما کا وقت تھا جب بابل خبر پہنچی کہ ایرانیوں کا بادشاہ سائرس ہخامنشی اپنی مشرقی مہمات سے فارغ ہو کر اپنے دارالحکومت پارس گرد (اصطخر) واپس آ چکا تھا۔ بابل کے سب سے زیادہ باخبر لوگ گودیوں کے ساہوکار تھے۔ جو حالات پر گہری نظر رکھنے کے عادی تھے۔ ان لوگوں کو طبقہ دربار کے امراء اور مذہبی ایوان اسا گیلہ کے معبد کے عہدیداروں اور محنت کشوں کے نگرانوں سے کم تر درجے کا سمجھا جاتا تھا۔ یہ لوگ جانتے تھے کہ ایرانی بادشاہ ایک ناخواندہ شخص تھا اور ایک پہاڑی علاقے کے سردار کا بیٹا تھا۔ اس نے اپنے وحشی اور اجڈ گھڑ سواروں کے ذریعے سمیریوں کے صحراؤں تک کے علاقے پامال کر ڈالے تھے۔ میڈیا، لیڈیا، آیونیا سب فتح کر ڈالے تھے۔ ایک چوتھائی دنیا کا حکمران بن گیا تھا۔ لیکن اس نے ابھی تک تمام جنگیں کھلے علاقے میں ہی لڑی تھیں۔ لیڈیا کا دارالحکومت ساردیس جو اس کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ قلعہ بند شہر ضرور تھا لیکن بابل کے مقابلے میں کوئی مضبوط حیثیت نہ رکھتا تھا۔ جس کے گرد عظیم و دور اندیش بخت نصر نے ناقابل تسخیر قسم کی دوہری فصیلیں تعمیر کروا رکھی تھیں۔

اس موسم سرما میں بابل میں تعمیرات کے بازار میں کساد بازاری نے ساہوکاروں کو بے حد پریشان کر رکھا تھا۔ چیزوں کی قیمتیں بھی بہت چڑھ گئی تھیں۔ پھر بابل مختلف قسم کی وباؤں کی زد میں بھی تھا۔ ان سارے عذابوں کو لوگ اپنے سب سے بڑے خدا بل مردوک کے غصے سے تعبیر کر رہے تھے۔

وہ سال حسب معمول مردوک کی علامتی موت اور اس پر اس کے خدام کی ماتم وزاری کے جلو میں اپنے اختتام کو پہنچا۔ نئے سال کو عظیم بحرانوں اور گڑبڑ کے سال کی حیثیت سے

ریکارڈ کیا گیا۔ اس کا آغاز نسان کی ضیافت سے ہوا۔ جسے غیر معمولی شان وشوکت سے منعقد کیا گیا۔ نبونائی جو کبھی نئے سال کی تقریبات میں حاضر نہ ہوا کرتا تھا اس مرتبہ اساگیلہ کی عبادت گاہ میں داخل ہو کر اپنی تمام تر محبتوں اور عقیدتوں کے ساتھ مردوک کے ہاتھ تھامنے کے لیے تیار دکھائی دے رہا تھا۔ مردوک کے بھیانک سراپے کو اس وقت ہیرے جواہرات جڑے سونے کے ہاروں اور تاج سے سجایا گیا تھا اور یہ اس امر کی علامت تھی کہ مردوک دوبارہ زندہ ہو چکا تھا۔

لیکن اس کے باوجود اساگیلہ کے عہدیداران یہ سرگوشیاں کرتے رہے تھے کہ نبونائی کے خلاف مردوک کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔ اس لیے کلدانی سلطنت پر نحوست کے سائے منڈلا رہے تھے۔ شہر کے ساہوکاروں کے نزدیک یہ سرگوشیاں بڑی اہم تھیں۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اس بارہ روزہ ضیافت میں عام کھجور کی شراب کے بجائے ولی عہد بل شزر کے حکم سے لبنان سے انگور کی شراب منگوائی گئی تھی۔

شاہ نبونائی اور مردوک کے پجاریوں کے درمیان جو گہری مخاصمت چلی آ رہی تھی وہ عوام سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ ساتھ ہی بل شزر کو بھی جو اپنے باپ سے نفرت اور عداوت تھی اس سے بھی سب آگاہ تھے۔ اس کی نظریں شروع ہی سے تخت اژدر پر لگی تھیں۔ وہ چاہتا تھا کہ کوئی ترکیب ایسی کرے کہ وہ اپنے باپ کی جگہ عظیم بخت نصر کے اس تخت پر بیٹھ جائے۔ قسمت نے اب اسے یہ موقع فراہم کر دیا تھا۔ مشرق میں وہ گنوار اور شوریدہ سر ہخامنشی نمودار ہو گیا تھا۔ اگر بل شزر اس پر فتح پا لیتا تو ضرور اپنی خواہش پوری کر لیتا۔

نبونائی کوئی احمق شخص نہیں تھا۔ اس نے ایک شاطر کا دماغ پایا تھا۔ اس ضیافت سے پہلے اس نے زبرجد کی ایک تختی تیار کروائی تھی اور اس پر ایک پیش گوئی کندہ کروائی تھی کہ ''میرے قدموں میں سائرس ایرانی کا سر جھکے گا۔ اس کی تمام سلطنت میرے قبضے میں آ جائے گی۔ اس کے تمام خزائن میرے تصرف میں ہوں گے......''

اب ہونا یہ تھا کہ اگر بل شزر ہخامنشی بادشاہ پر فتح حاصل کرتا تو اس کا اعزاز سیدھا اس

کے باپ کو جاتا۔ یہ تختی تیار کروا کے نبونائی نے واقعی بے حد ذہانت اور ہوشیاری کا ثبوت دیا تھا۔ اور لوگوں کے خیال میں اس نے یہ دیوتاؤں کے اشارے پر ہی کیا تھا۔ ان میں یہ سرگوشیاں بھی پھیلی ہوئی تھیں کہ بعید نہیں کہ بل شزر اپنے باپ سے پہلے ہی مر جائے کیونکہ وہ بے حد شراب پیتا تھا۔

پھر نئے سال کے موقع پر شاہ نبونائی نے ایک غیر متوقع فتح حاصل کرلی۔ اس فتح میں دیوتا اس کی مدد کررہے تھے۔ اس دن صاف وشفاف آسمان پر کوئی بادل نحوست کی علامت بن کر نمودار نہ ہوا۔ نہ گرد وغبار کے کسی شیطانی بگولے نے زمین سے اٹھ کر رقص کیا۔ مینارِ بابل اپنے ہزاروں باشندوں کے سامنے عجب شان وشوکت سے سر اٹھائے کھڑا تھا۔ شاہراہِ جلوس کے دونوں طرف شہریوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے تھے۔ وہاں شاہراہِ اداد پر کانسی کے بنے ہوئے شہریوں کے مجسموں سے لے کر درِ عشتار کے نیلے میناروں تک لوگوں کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ان میں اگلی صفوں میں آنے کے لیے برابر دھکم پیل ہو رہی تھی اور شاہی محافظ انہیں بار بار پیچھے دھکیل رہے تھے۔ تاریک بند گلیوں میں غلامی کے نشانات دغے غلام بھرے تھے۔ عام آدمیوں، کسانوں، گلہ بانوں اور بوجھ ڈھونے والوں کو محافظوں کے حفاظتی گھیرے کے عقب میں کھڑے ہونے کی اجازت دی گئی تھی۔ اونچے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ، دھاتوں کے کاریگر، کاتب، نان بائی، قصائی اپنی من پسند جگہیں سنبھالے ہوئے تھے۔ تاجر، ساہوکار اور مختلف کاموں کی نگرانی کرنے والے لکڑی کے قدمچوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ امیر کبیر لوگوں میں سے اکثر اپنے سروں پر سرخ رنگ کے سائبان تانے ہوئے تھے۔ امراء کے محلات اور مکانات کی بالکونیوں میں امراء اور ان کے اہل خانہ جشن کی سرخ قبائیں زیب تن کیے آرام سے بیٹھے نیچے کا نظارہ کررہے تھے۔ بڑوں نے جواہرات کے اور بچوں نے پھولوں کے ہار گلوں میں ڈال رکھے تھے۔

شاہراہِ جلوس کے دو رویہ کھڑے تماشائیوں میں گھٹیا اور پست طبقے کے لوگ بھی گھسے پڑ رہے تھے۔ جادو منتر کرنے والے، نجومی، رمال، جوتشی، طوائفیں، عام چور ڈاکو نبونائی کے

محکمہ جاسوسی کے سربراہ ریموت کے جاسوس، کبار نہر کے کنارے بنے ہوئے مکانات کے مکین قدیم ترین یہودی......

جب اسا گیلہ کے کھلے دروازے سے مردوک باہر نکلا تو تماشائیوں کو بھوک، مہنگائی، وبائیں اور خداؤں کی ناراضگی سب بھول گئے۔ مردوک کی دروازے سے برآمد کے ساتھ ہی فضا بے شمار قرناؤں کی آوازوں سے تھرا اٹھی۔ بھاری تعداد میں کبوتر پھڑ پھڑاتے ہوئے آسمان پر اڑنے لگے۔ بابل کا یہ رب الارباب اپنے سواری کے اژدھے پر تن کر کھڑا اس رتھ میں سوار تھا جسے پجاری کھینچ رہے تھے۔ وہ پجاری بلند آواز میں اس کی حمد وثنا کر رہے تھے۔ ایسی شان وشوکت کے ساتھ یہ خدا اپنے معبد سے گویا اپنے ماننے والوں کو یہ یقین دلانے نکلا تھا کہ وہ نیا جنم لے چکا تھا۔

اس دیوتا کے جلوس کے ساتھ ساتھ بربط بجاتی عورتوں اور جنگی طبل بجاتے مردوں کی قطاریں چلی آ رہی تھیں۔ تماشائی اس جلوس کو دیکھتے ہوئے نعرے لگا رہے تھے۔ مردوک کی جے پکار رہے تھے۔ جس نے نیا جنم لیا تھا۔ اس رب الارباب میں پرانے دیوتاؤں کی تمام قوتیں یکجا ہوگئی تھیں۔

نرگال کی: جو شہر بابل کا دیوتا تھا۔ جو جنگوں کا مردوک تھا۔
زبدہ کی: جو قتل وغارت گری کا مردوک تھا۔
انلیل کی: جو عقل وفہم کا مردوک تھا۔
شمش کی: جو انصاف کا مردوک تھا۔

پھر جونہی مردوک کی سواری شاہراہِ جلوس کی طرف مڑی۔ ایک غیر متوقع بات ظہور پذیر ہوئی۔ تماشائی توقع کر رہے تھے کہ مردوک کی سواری کے پیچھے نرگال اور دوسرے قدیم دیوتاؤں کی علامات نمودار ہوں گی۔ لیکن مردوک کے پیچھے ان خداؤں کی علامات کے بجائے ان کی اپنی سواریاں چلی آ رہی تھیں۔ ہر دیوتا ایک رتھ میں سوار تھا جسے سفید رنگ کے خچر کھینچ رہے تھے۔ حران کا سین دیوتا، سپار کا شمش، جو اپنے پروں والے دھاڑتے شیر

پرسوار تھا۔ اردک کی عشتار جو ہتھیاروں سے مسلح اور نقاب پوش تھی۔

دیوتاؤں کی یہ قطار طویل ہوتی چلی گئی۔ اس وقت تماشائیوں میں جو ذی فہم اور صاحب ادراک تھے۔ ان پر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ اس جلوس کے موقع پر بابل بھر کے خدا اکٹھے کیے گئے تھے تاکہ ایک عظیم الشان خدائی تماشہ تیار ہوسکے۔ اور ایسا نبونائی کے حکم سے ہی کیا گیا تھا۔ اور اس کا مقصد محض نئے سال کی مسرتوں میں اضافہ کرنا نہیں تھا۔ لیکن کیا یہ عجیب وغریب دیوتا سب حفاظت کی خاطر اساگیلہ کی قلعہ بند بستی میں لائے گئے تھے؟ اگر ایسا تھا تو شہر کو کس قسم کا خطرہ لاحق ہوسکتا تھا؟ یا کیا وہ بابل کی قوت میں اضافہ کرنے کے لیے لائے گئے تھے؟ اگر ایسا تھا تو کس آفتِ ناگہانی کے خلاف؟

شام ڈھلنے تک تماشائیوں کے ذہنوں میں یہ سوالات کلبلاتے رہے۔ اور ان سوالوں کے جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ شام کے وقت ایکور کے معبد کی جانب سے، جہاں جلوس کے بعد مردوک نے واپس آکر اپنی جگہ سنبھال لی تھی، ایک افواہ اڑتی ہوئی آئی کہ مردوک کو اب تمام چھوٹے بڑے خداؤں پر فوقیت حاصل ہوگئی تھی۔ اور بلند مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اس کا نظارہ جلوس کے وقت تماشائی دیکھ چکے تھے۔ لیکن معبد کے پروہت زریا نے اس بارے میں کچھ نہ کیا تھا۔ زریا بادشاہ کا آدمی اور اس کا ترجمان تھا۔ اور اس کا مطلب یہ تھا کہ خود نبونائی بھی عوام کے سامنے اس کی وضاحت نہ کرنا چاہتا تھا۔ رسم کے مطابق وہ مردوک کے ہاتھ تھامنے کے بعد پھر کبھی نہ دکھائی دیا تھا۔

شہر کے ساہوکاروں کا خیال تھا کہ زیرک وفہیم نبونائی نے اس طرح عوام کی توقعات کو تحریک دینے کی کوشش کی تھی۔ اب اس سال خواہ کیسے ہی واقعات کیوں نہ رونما ہوتے انہیں اس کی ان رسوم اور جشن سے منسوب کیا جاتا۔ ساہوکاروں کے خیال میں نبونائی نے ایک بار پھر بل شزر پر سیاسی سبقت حاصل کرلی تھی۔

اس رات بابل کے ترپن (۵۳) معبدوں کے دروازوں پر بڑے بڑے چراغ جلتے رہے۔ زمینی دیوتاؤں کے تین سو اور آسمانی دیوتاؤں کے تین سو معبدوں میں بھی روشنیاں

ہوتی رہیں۔ اس کے علاوہ سڑکوں کے ساتھ ساتھ چلی جانے والی دیواروں کے نہاں خانوں میں واقع ان گنت چھوٹے چھوٹے معبدوں کو بھی روشن کیا گیا۔ نور و رنگ کے اس سیلاب نے لوگوں کے دلوں کو بلند توقعات اور امیدوں سے لبریز کردیا اور وہ آنے والے واقعات کے بارے میں پر امید ہو بیٹھے۔

ایمگوربل کے پشتوں اور اس کے بڑے بڑے پھاٹکوں سے باہر جن پر مسلح دستوں کا پہرہ رہتا تھا۔ کبار نہر کے بکھرے ہوئے مکانات کے مکینوں کو البتہ اس قسم کے جلوسوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور نہ ہی وہ اس سے عام بابلیوں کی طرح اچھا یا برا شگون لے رہے تھے۔ اس رات نہر کے کنارے بنی ہوئی ان کی ایک کمرے والی تنگ و تاریک عبادت گاہ میں سرگوشیوں میں یسعیاہ کا باب پڑھا جا رہا تھا۔

"بل جھک گیا...... نبو ڈگمگا گیا...... ان کے بت جانوروں پر سوار تھے۔ جو ان کے بوجھ سے لڑکھڑا رہے تھے۔ ان کے لیے ان کا بوجھ اٹھانا مشکل ہوا جا رہا تھا......"

یہ الفاظ اگر زریا کے آدمیوں کے سامنے دہرائے جاتے تو انہیں ان میں کوئی غداری کی جھلک نہ دکھائی دیتی۔ لیکن ان لوگوں کے لیے جنہوں نے جلوس کا نظارہ کیا تھا، یہ الفاظ خاصے معنی خیز ثابت ہو سکتے تھے۔ وہ سمجھ سکتے تھے کہ بتوں کا یہ جلوس اس شہر کو اس کے بوجھ سے ہرگز نجات نہ دلا سکتا تھا۔

یہ نئے سال کی ضیافت کی رات کی اگلی رات تھی جب کبار نہر کے کنارے کوڑے کے ڈھیروں پر منڈلانے والے فقیروں، کوڑھیوں، بھک منگوں، معذوروں اور بیماروں نے ایک عجیب سا نظارہ دیکھا۔

انہوں نے شہر کے مشہور و معروف سوداگر حزقی ایل کے خادمِ خاص یوآب کو جو خفیف سا لنگڑا تھا کبڑے الیاسف کے ہمراہ وہاں آتے دیکھا۔ ان کے ہمراہ ایک سیاہ فام غلام تھا جو ان کے آگے آگے چلتا ہوا ان کے لیے راستہ صاف کرتا جا رہا تھا۔ اور چھڑی ہاتھ میں لیے بھکاریوں کو ان سے دور ہٹا رہا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی بلند آواز میں ان سے بھیک مانگنے

لگے تھے۔ انہوں نے ان کی طرف چند سکے اچھالے اور یہودیوں کی اس ایک کمرے کی عبادت گاہ میں داخل ہوگئے۔ جبکہ ان کا غلام باہر دروازے پر ہی رک گیا۔

وہ کمرہ بے حد تاریک تھا۔ روشنی نام کی وہاں کوئی چیز نہیں تھی۔ وہاں بیٹھے ہوئے لوگ سرگوشیوں میں اپنے نام بتا رہے تھے۔ الیاسف اور یوآب اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے کہ انہوں نے سرگوشیوں میں اپنے نام بتائے۔ پھر اندھیرے میں تمام حاضرین مجلس کے سر آپس میں جڑ گئے۔ وہ چند سوالوں جوابوں کے بعد ہمہ تن الیاسف کی طرف جھک گئے۔ جو انہیں اپنی ایرانی بادشاہ سے ملاقات کی تفصیلات سنانے لگا۔

ان کے درمیان ہونے والی سرگوشیاں تمام رات جاری رہیں۔ پھر بالآخر فیصلہ کرلیا گیا کہ بابل کے یہودی بابل کی فتح کے لیے ایرانی بادشاہ کی ہر ممکن مدد کریں گے۔

ماضی کی دہشت

سردار عمون صدوقی اپنی شاندار اور پرشکوہ خواب گاہ میں مخملیں دیوان پر بیٹھا اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ جو کمرے کی ایک دیوار میں نصب لمبے چوڑے آئینے کے سامنے کھڑی کانوں میں جواہرات جڑے آویزے پہن رہی تھی۔ اس نے لباس بھی بے حد قیمتی اور نفیس پہن رکھا تھا۔ دراز سیاہ گھنے بالوں کو بھی بڑی خوب صورت سے آراستہ کر رکھا تھا۔ اس کی مرمریں حسین گردن میں جواہرات جڑا بھاری ہار گویا اپنی ہی خوبصورتی میں اضافہ کر رہا تھا۔ اس نے حسین برف سے سفید ہاتھوں اور کلائیوں میں بھی ہیرے جڑی انگشتریاں اور چوڑیاں پہن رکھی تھیں۔ کسی انتہائی قیمتی اور نایاب سی مشرقی خوشبو سے اس کا قیامت خیز سراپا مہک رہا تھا۔ یہ مسحور کن اور جذبات برانگیختہ کرنے والی مہک عمون صدوقی کو بے چین و بے قرار کیے دے رہی تھی۔ وہ بار بار پہلو بدل رہا تھا۔

اسے اپنی حسین و جمیل بیوی سے کتنی محبت تھی! وہ اس پر کتنا فدا تھا! جب وہ گھر پر ہوتا تھا تو کہیں نہ جاتا تھا نہ اسے کہیں جانے دیتا تھا۔ ملازمت کے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں اگر اسے شہر سے باہر جانا پڑتا تھا تو اس کی یاد اسے ذرا بھی چین نہ لینے دیتی تھی۔ وہ جلد از جلد واپسی کے لیے بے تاب ہونے لگتا تھا۔ اب تو وہ سنجیدگی سے سوچنے لگا تھا کہ اسے فوجی ملازمت کو خیر باد کہہ دینا چاہیے اور گھر پر ہی رہنے لگنا چاہیے۔ مال و دولت کی اسے کمی بھی کیا تھی۔ پھر اس کے بچے بھی تھے۔ بیٹی قوعیلہ جو اسے جان سے پیاری تھی اور پیارے پیارے بیٹے روبن عمرام اور ارفیل ...... انہیں اس کے پر شفقت سائے کی، توجہ اور محبت کی سخت ضرورت تھی۔ اس کے ملک کے ایسے بگڑتے ہوئے حالات میں گھر پر کنیزوں غلاموں کے ساتھ تنہا چھوڑ کر طویل طویل عرصہ تک باہر رہنا ہرگز مناسب نہیں تھا۔ اس نے

جب جمیلہ سے اس سلسلے میں بات کی تھی تو اس نے بھی اسے یہی مشورہ دیا تھا کہ اسے بچوں کی خاطر اب فوجی ملازمت ترک کر کے گھر پر رہنا چاہیے۔ بیٹی تو اب سن شعور کو پہنچ چکی تھی۔ لیکن بیٹے ابھی چھوٹے تھے۔ انہیں اس کی توجہ اور نگرانی کی سخت ضرورت تھی۔

اس نے بیٹھے بیٹھے یہ فیصلہ کرلیا۔ فوجی ملازمت ترک کرنے کا فیصلہ...... گھر بیٹھ جانے کا فیصلہ۔ عام یہودیوں کی طرح اسے بھی بابلیوں سے شدید نفرت تھی۔ بلکہ تمام بت پرستوں کافروں سے جو سرزمین بابل سے باہر دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس کا خاندان قدیم کلدانیہ کے قدیم یہودیوں کے خاندانوں میں سے ایک تھا جو دشت تیہ سے ہجرت کر کے وہاں آباد ہوئے تھے۔ وہاں یہ خوب پھلے پھولے تھے بڑے امیر کبیر اور دولت مند بن گئے تھے۔ ان قدیم یہودیوں خاندانوں کی طرح اس کے خاندان والوں کو اور خود اسے بھی یروشلم جانے اور وہاں آباد ہونے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن عام یہودیوں کی طرح اس کی بھی یہ خواہش ضرور تھی کہ یہودیہ کا ملک پھر سے آباد ہو جائے۔ یروشلم پھر سے تعمیر ہو جائے، ہیکل سلیمانی پھر سے کھڑا ہو جائے وہاں عبادات ہونے لگیں۔

اس نے بابلی فوج کی ملازمت اس لیے اختیار نہ کی تھی کہ اسے بابل کے دفاع یا اس کے دشمنوں سے لڑنے سے کوئی دلچسپی تھی۔ یا اس کا مقصد نبوناًئی یا بل شزر کی خدمت کرنا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے ہر دم مصروف اور چاق چوبند رکھنے والی سپاہیانہ زندگی پسند تھی۔ مہم جوئی اور خطرات سے کھیلنا پسند تھا۔ وہ بڑا ماہر شہسوار بے خطا نشانچی، بے حد بہادر اور نڈر سپاہی اور بہترین قائدانہ صلاحیتیں رکھنے والا فوجی سالار تھا۔ دراز قامتی اور مردانہ وجاہت کے ساتھ اس کی ظاہری شخصیت بھی بے حد متاثر کن تھی۔ بہترین وشائستہ اطوار واخلاق اور پروقار رکھ رکھاؤ کا حامل تھا۔ اس کی شخصیت رعب داب والی اور سب پر چھا جانے والی تھی۔ وہ سخت گیر اور درشت مزاج بھی تھا۔ لیکن اپنے بیوی بچوں کے لیے وہ بے حد شفیق ومہربان اور نرم دل تھا۔ مثالی شوہر اور مثالی باپ۔

وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس لیے ان کا خوب لاڈلا پیارا تھا۔ اس نے بڑے

ناز ونعم سے پرورش پائی اور اپنی ہر خواہش پوری کروائی تھی۔ اس کا باپ بابل کا معروف یہودی ساہوکار تھا۔ اس کی بابل کے علاوہ دوسرے شہروں حتیٰ کہ ایرانی شہروں میں بھی جائیدادیں تھیں۔ اس کی ماں کا تعلق بھی بابل کے قدیم یہودی خاندان سے تھا جو بڑا دولت منداور بارسوخ تھا۔ وہ جب ہر طرح کی تعلیم حاصل کر کے بابلی فوج میں ایک اونچے درجے کا عہدیدار بن گیا تھا تو اس کے ماں باپ کو اس کی شادی کی فکر ہونا شروع ہوگئی تھی۔ وہ اس کے لیے ایسی بیوی لانا چاہتے تھے جو نہ صرف خوبصورت ہو بلکہ نیک سیرت بھی ہو۔ خواہ اس کا تعلق کسی غریب گھرانے سے ہی کیوں نہ ہو۔ اس معاملے میں اس نے بھی ان سے کوئی اختلاف نہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کی ماں نے اس کے لیے ایسی لڑکی کی تلاش شروع کر دی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ اس کی ماں کو کوئی لڑکی ملتی اسے ہی اپنے لیے ایک لڑکی دکھائی دے گئی۔ انتہائی حسین وجمیل ...... بلکہ مرقع حسن وجمال جسے دیکھ کر وہ مسحور سا ہو گیا۔ مبہوت سارہ گیا! حواس باختہ سا ہو گیا! اپنا آپ ہی بھلا بیٹھا!

اس وقت وہ اپنے شاندار گھوڑے پر سوار بابل کی غریب غربا کی بستی سے، جو دریا پار کر کے آتی تھی اور شہر کے دور دراز کے الگ تھلگ سے حصہ میں واقع تھی، گزر رہا تھا جب اس کی نظر ایک ٹوٹے پھوٹے سے مکان کے جھروکے کی طرف اٹھ گئی تھی۔ وہ راہزنِ ہوش وتمکین اسے وہاں کھڑی دکھائی دی تھی۔ اس کے ہوش وحواس پر گویا کوئی کوڑا آ کر برسا تھا۔ اس نے بے اختیار گھوڑے کی لگامیں کھینچ دی تھیں اور جنونی انداز میں اسے گھورنے لگا تھا۔ اس کے اس طرح دیکھنے پر وہ فتنہ گر بری طرح سے گھبرا گئی تھی اور فوراً ہی جھروکے سے غائب ہوگئی تھی۔ اسے بھی پھر ہوش آ گیا تھا ساتھ ہی اس نے سمجھ لیا تھا کہ وہ بالآخر اپنی مراد پا ہی چکا تھا۔ اس نے اس مکان کو اور اس کے محل وقوع کو اچھی طرح سے دیکھ بھال لیا تھا۔ پھر گھر پہنچ کر اس نے اپنی ماں کو اس فتنہ گر کے بارے میں بتاتے ہوئے اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی تھی۔ ماں کو اس پر بے پناہ خوشی ہوئی تھی۔ اس نے فوراً ہی اپنی دو کنیزوں کو اس فتنہ گر کے گھر اس کے ماں باپ کو یہ پیغام دے کر بھیج دیا تھا کہ وہ ان کے

ہاں اپنے بیٹے کے رشتے کے لیے آ رہی ہے۔ اس نے ان کنیزوں کے ہاتھ اپنا تعارفی خط بھی بھیجا تھا۔ وہ کنیزیں وہاں سے بڑا حوصلہ افزا جواب لائی تھیں۔ اس پر اس کی ماں فوراً ہی ان سے رشتہ مانگنے چلی گئی تھی۔ اور بہت خوش خوش واپس آئی تھی۔ کیونکہ ان لوگوں نے یہ رشتہ بخوشی منظور کر لیا تھا۔ لیکن ماں کی اس لڑکی سے ملاقات نہ ہو سکی تھی کیونکہ وہ بابل سے باہر کسی رشتے دار کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ اسے ان لوگوں کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا تھا وہ یہ تھا کہ اس لڑکی، جس کا نام عجیلہ بتایا گیا تھا، کا باپ عبدیاہ قدیم کلدانیہ کے قدیم یہودیوں کے خاندان سے تھا وہ بابل کا رہائشی نہیں تھا۔ بلکہ اس وقت وہ ربلہ سے اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ اپنے بڑے بیٹے سے ملنے بابل آیا ہوا تھا۔ ربلہ میں وہ ایک چھوٹے درجے کا دکاندار تھا۔ اس کے بڑے بیٹے کا نام عجلون تھا۔ وہ بابل کے ایک بڑے یہودی ساہوکار کے دفتر میں حساب دان تھا۔ چھوٹا بیٹا قطرون تھا۔ جو رتھ بان تھا۔ بیٹی عجیلہ ان دونوں سے چھوٹی تھی۔ عمون کے ماں باپ کے لیے اتنی معلومات بہت کافی تھیں۔ انہیں سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ عبدیاہ کا خاندان خالص یہودی النسل تھا۔ اس میں صدیوں سے کسی غیر یہودی خون کی ملاوٹ نہیں تھی۔ اسی لیے وہ سب خالص اسرائیلی نقوش و نگار رنگ و روپ کے مالک بے حد حسین و جمیل لوگ تھے۔ پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب عمون کی ماں نے عجیلہ کو دیکھا تو وہ اسے جلد از جلد اپنے بیٹے کے لیے بیاہ لانے کے لیے بے تاب ہو گئی۔ خود اس کے الفاظ میں ایسی حسین و جمیل دوشیزہ اس کی نظروں سے کبھی نہ گزری تھی۔

لیکن ہوا یہ کہ اس سے پہلے کہ اس کی ماں اس کی شادی کے لیے عجیلہ کی ماں سے سلسلہ جنبانی کرتی اسے اپنے فوجی دستے کے ساتھ ایرانی سرحد پر جانا پڑ گیا۔ جاتے ہوئے اس نے اپنی ماں کو تاکید کی کہ وہ پیچھے سے عجیلہ کے ماں باپ سے مل کر ضرور یہ طے کر لے کہ اس کے واپس آتے ہی اس کی اور عجیلہ کی شادی ہو جائے۔ اس کے بعد وہ اپنے فوجی دستے کے ساتھ ایرانی سرحد پر چلا گیا تھا۔ وہاں یہ ہوا تھا کہ ایرانیوں کے ساتھ آئے دن کی

چھیڑ چھاڑ اور چھوٹی بڑی جھڑپیں طول پکڑتی گئی تھیں۔ ایرانی سرحد بابل سے بہت دور تھی۔ راستہ بھی پہاڑوں سے پٹا ہوا اور دشوار گزار تھا اس لیے اسے چند دنوں کی فرصت میں ایک بار بھی بابل جانے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ یہاں تک کہ ایک سال پورا گزر گیا۔ اس کے تھکے ہارے زخمی اور بیمار سپاہیوں پر مشتمل دستے کو واپس بلوا کر اس کی جگہ تازہ دم سپاہیوں پر مشتمل ایک نیا دستہ ایک دوسرے سالار کی سربراہی میں ایرانی سرحد پر پہنچا دیا گیا۔ یوں اس کے گھر واپس پہنچنے پر اس کے ماں باپ نے اس کی دھوم دھام سے شادی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے بھی ان تیاریوں میں بڑے جوش و اشتیاق سے حصہ لیا۔ اپنے محل نما گھر کی خوب آرائش و زیبائش کی، عجیلہ کے لیے ملک ملک کے قیمتی نفیس اور خوبصورت کپڑوں کے ملبوسات تیار کروائے، ہیرے جواہرات جڑے حسین و نفیس زیورات بنوائے، مشرق سے نایاب اور انوکھی خوشبویات اور سامانِ آرائش و زیبائش منگوایا۔ گھر کو بالخصوص اپنی خواب گاہ کو بے حد قیمتی نفیس اور خوبصورت چیزوں سے سجایا۔ عجیلہ کے شایانِ شان استقبال کے لیے جی بھر کے اپنے ارمان نکالے۔

وہ دن اس کی زندگی کا واقعی ایک یادگار اور ناقابل فراموش دن تھا جب وہ بالآخر عجیلہ کو بیاہ کر اپنے گھر لے آیا تھا۔ اس کی شادی خوب دھوم دھام سے ہوئی تھی جس میں بابل کے سرکردہ خاندانوں نے شرکت کی تھی۔ ان میں یہودی بھی تھے غیر یہودی بھی ...... سب نے اس کی خوش قسمتی پر خوب خوب رشک کیا تھا۔ رشک تو خود اسے بھی اپنے اوپر بے حد آ رہا تھا۔ عجیلہ اپنے تمام تر حسن و جمال، سحر طرازی و بے پناہ کشش و دلآویزی کے ساتھ اس کی زندگی میں داخل ہوگئی تھی۔ وہ اس کے لیے واقعی مثالی رفیقہ حیات ثابت ہوئی تھی۔ حسن صورت کے ساتھ ہی حسن سیرت سے بھی وہ مزین تھی۔ بے حد پاکیزہ اطوار، نیک چلن، وفا شعار، خدمت گزار تھی۔ ان کی زندگی بڑی پرمسرت و مطمئن زندگی تھی جس میں ایک بیٹی اور تین بیٹوں نے اور بھی رنگینی اور دلکشی پیدا کر دی تھی۔ اس کے ماں باپ بھی اسے یوں بے پناہ مطمئن اور خوش دیکھ کر خوش تھے۔ لیکن بدقسمتی سے انہیں زیادہ عرصہ زندہ رہنا نصیب نہ

ہوسکا۔ اس کی شادی کے چند سال بعد وہ آگے پیچھے انتقال کر گئے۔ یوں وہ تنہا رہ گیا۔ اس کے جو رشتہ دار تھے وہ بابل کے باہر بکھرے ہوئے تھے جن سے اس کا میل جول نہ ہونے کے برابر تھا۔ یوں اپنے بیوی بچے ہی اس کے لیے سب کچھ بن گئے تھے۔

''کیا سوچ رہے ہو عمون ...... میں کب سے تمہارے سامنے کھڑی ہوں ......'' عجیلہ بنی سنوری اس کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ وہ جھینپ گیا۔

''کچھ نہیں ...... یہ لباس تو خوب جچ رہا ہے تم پر اور یہ زیورات ......'' وہ دیوان پر سے اٹھ کر اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا ...... اور اس کا مرمریں حسین ہاتھ یوں اپنے ہاتھوں میں لے لیا جیسے اس کے ٹوٹ جانے کا ڈر ہو۔

''تم چاہتی تھیں نا کہ میں فوج کی ملازمت ترک کر دوں اور گھر پر ہی رہا کروں میں نے اس کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب میں گھر پر ہی رہا کروں گا۔ تمہارے ساتھ ......اپنے پیارے پیارے بچوں کے ساتھ ......''

عجیلہ کا چہرہ مسرت سے جگمگا اٹھا۔

''تم نے دیر سے لیکن صحیح فیصلہ کیا۔ اب ملک کے حالات بھی اس کے متقاضی ہیں کہ تم گھر پر ہی رہو۔ تمہاری عدم موجودگی میں مجھے ویسے بھی خوف اور عدم تحفظ کا احساس ہوتا رہتا تھا ......''

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور کسی کنیز نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اجازت ملنے پر وہ اندر چلی آئی۔ ان کے سامنے پہنچ کر وہ مؤدبانہ خم ہوئی۔

''مالکن محترم ...... سردار ایشیاع کی بیگم آن پہنچی ہیں۔ وہ نیچے نشست گاہ میں آپ کی منتظر ہیں۔''

''تو اصفاہ آن پہنچی ...... میں تو بھول ہی گئی کہ مجھے اس کے ساتھ سردار صدقیا کے گھر برپا ہونے والی زنانہ محفل نشاط میں شرکت کرنی ہے ...... آؤ تم ذرا وہ سیاہ لبادہ اور نقاب وغیرہ پہنانے میں میری مدد کرو ......''

کنیز نے فوراً ہی تعمیل حکم کی۔

سیاہ لبادہ اور نقاب پہن چکنے کے بعد عجیلہ عمون کی طرف مڑی۔

''اچھا اب میں چلتی ہوں۔ جلد واپس آ جاؤں گی۔ اتنی دیر میں بچے تمہیں اپنے ساتھ مصروف رکھیں گے۔''

عمون نے سر ہلا دیا۔ عجیلہ کنیز کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد عمون ٹہلتا ہوا کمرے سے نکل کر ملحقہ ایوان میں داخل ہو گیا۔ اس ایوان کا ایک دروازہ جو محرابی صورت کا تھا۔ ہر سڑک کے رخ بنے ہوئے جھروکے میں کھلتا تھا۔ اس پر دبیز سیاہ حریری پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس نے اسے سرکایا اور باہر جھروکے میں نکل آیا۔ اور سڑک پر دائیں بائیں نظریں دوڑانے لگا۔ اسی وقت اس نے ایک طرف سے ایک گھڑ سوار کو آتے دیکھا۔ اس نے گھوڑے کی رفتار ہلکی کر رکھی تھی۔ وہ گھڑ سوار قریب آتے آتے اس جھروکے کے سامنے آ گیا۔ اس نے نظریں اٹھا کر جھروکے کی طرف دیکھا۔ اسے (عمون) وہاں کھڑے دیکھ کر وہ کچھ جھجکا پھر گھوڑا بھگا کر آگے لے گیا۔ عمون بڑی دلچسپی سے اسے جاتے دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ سڑک کا موڑ مڑ کر غائب ہو گیا۔

عمون کچھ دیر جھروکے میں کھڑا اسی سمت دیکھا تھا۔ پھر اندر چلا آیا۔ وہ اس گھڑ سوار کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔ جو بے حد حسین وجمیل نوجوان تھا۔ لیکن بدقسمتی سے کبڑا تھا۔ اس کا رنگ روپ چہرہ مہرہ اسے خالص یہودی النسل ثابت کرتے تھے۔ شاید وہ کسی امیر کبیر خاندان سے تعلق رکھتا تھا کیونکہ اس نے لباس بہت عمدہ اور قیمتی پہن رکھا تھا۔ اس کا مشکی گھوڑا بھی اعلیٰ نسل کا تھا۔ جانے وہ کون تھا؟ کہاں رہتا تھا؟ اس کا خاندان کیا تھا؟ سوچتے سوچتے اس نے سر کو زور سے جھٹکا۔ اسے آخر اس میں دلچسپی لینے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ کوئی بھی ہوتا اس کے بارے میں تجسس وکرید آخر اسے کیا فائدہ دے سکتی تھی؟ ایک بار پھر زور سے سر جھٹکتے ہوئے وہ اپنی خواب گاہ میں چلا آیا اور شاندار لمبے چوڑے آرامدہ پلنگ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اسے ایک دم ہی زور کی نیند آتی محسوس ہونے لگی تھی۔

لیکن توعیلہ بدستور اپنے جھروکے میں کھڑی تھی۔ اس کی ماں جب اس سے مل کر جانے لگی تھی تو وہ اس کے جانے کا نظارہ کرنے اپنے کمرے کے باہر جھروکے میں نکل آئی تھی۔ اس کے رتھ کے چلے جانے کے بعد بھی وہ جھروکے میں کھڑی رہی تھی۔ اسی وقت اس نے ایک گھڑسوار کو سڑک کے ایک طرف سے برآمد ہوتے دیکھا تھا۔ وہ غیر ارادی طور پر رک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ جب قریب پہنچا تھا تو وہ اسے فوراً ہی پہچان گئی تھی۔ وہ اس کا محبوب شہزادہ تھا۔ حسین وجمیل لیکن کبڑا شہزادہ ...... اسے دیکھ کر اسے حیرت و بے یقینی کا ایسا شدید جھٹکا لگا تھا کہ وہ لڑکھڑا سی گئی تھی اور اسے یوں دیکھنے لگی تھی گویا خواب میں دیکھ رہی ہو۔ حیرت و بے یقینی ہی کی بات تھی جو وہ حسین شہزادہ وہاں بابل میں اس کے شہر میں دکھائی دے رہا تھا۔ بے پناہ حیرت اور بے یقینی کے ساتھ اسے بے پناہ مسرت بھی ہو رہی تھی۔ اس کے وہاں دکھائی دینے کا مطلب کیا یہ نہ ہوسکتا تھا کہ وہ وہاں کا ہی باشندہ اور رہائشی تھا؟ کیوں نہ وہ اس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرے؟ اس کے خاندان، اس کے حالات سے آگاہ ہو؟ پھر دیکھے کہ اس کے اس سے ملنے کی کیا سبیل ہوسکتی تھی؟ اس کی صورت میں اس نے اپنے خوابوں کے شہزادے کو پالیا تھا اب وہ ہرگز اس سے دستبردار نہ ہوسکتی تھی۔ نہ اسے کسی اور کا ہوتے دیکھنا برداشت کرسکتی تھی۔ وہ شروع سے لے کر اب تک اپنی ہر خواش پوری کروانے اور من چاہی چیز حاصل کرنے کی عادی چلی آ رہی تھی۔ اس حسین وجمیل شہزادے کو بھی اس نے ضرور اپنے لیے حاصل کرنا تھا۔ ہر حالت میں ...... ہر قیمت پر......

اس کے دیکھتے دیکھتے وہ حسین وجمیل کبڑا گھڑسوار اس کے گھر کے سامنے کی سڑک پر آ گیا۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے سر اٹھا کر اوپر دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔ اس کا دل بیٹھ سا گیا۔ کاش ...... کاش وہ اس کے جھروکے کی طرف دیکھ لیتا۔ جہاں وہ نمایاں طور پر جنگلے کے قریب کھڑی تھی۔ وہ اسے ایک نظر دیکھ لیتا پھر ممکن نہ تھا کہ اس کا بے پناہ حسن وجمال اسے متاثر نہ کرتا اور اس کا دل اس لڑکی حرقا کی جانب سے نہ پھیر دیتا۔ لیکن حرقا سے اس کا رشتہ

کیا تھا؟ بہت سے سوالوں کی طرح یہ سوال بھی جواب طلب تھا۔ ان سب سوالات کے جواب حاصل کرنے کے لیے خاص اور خفیہ کھوج کرید کی ضرورت تھی۔

وہ جھروکے سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی آئی اور دیوان پر آ کر بیٹھ گئی۔

اب تو اسے اس سلسلے میں کچھ کرنا تھا۔ اس سے شادی کے امیدواروں کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اور اس کے ماں باپ پر دباؤ بھی۔ لیکن وہ اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اس کی وجہ سے کتنے پریشان اور متفکر تھے۔ وہ اگر انہیں اپنی پسند بتا دیتی۔ انہیں اس حسین شہزادے کے بارے میں بتا دیتی تو ان پر سے دباؤ ختم ہو جاتا۔ ان کی فکریں اور پریشانیاں دور ہو جاتیں۔

بڑی سوچ بچار کے بعد بالآخر اس نے اس شہزادے کے بارے میں کھوج اور جستجو کرنے کا فیصلہ کیا۔ حرقا نے اس سے ملاقات میں اسے اپنے باپ حزقی ایل کے بارے میں بتایا تھا جو بابل کا معروف سوداگر تھا۔ کیوں نہ وہ خود حرقا سے جا کر ملے ...... ہوشیاری سے کھوج کرید اسے اہم معلومات دے ہی سکتی تھی۔ یہ معاملہ ایسا تھا کہ وہ اس سلسلے میں اپنی معتمد سے معتمد کنیزوں پر بھی اعتماد نہ کر سکتی تھی۔ جن کے بارے میں اسے بخوبی معلوم تھا کہ وہ درحقیقت اس کی ماں کی طرف سے اس پر نگران تھیں۔

اگر اس وقت اس کی ماں گھر پر ہوتی تو شاید وہ اسے یوں حرقا سے جا کر ملنے کی اجازت نہ دے سکتی تھی۔ جس کا اس نے سردار عجیبی کے ہاں برپا ہونے والی ضیافت کے بعد کبھی ذکر کرنا یا سننا پسند نہ کیا تھا۔ اور یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آ سکی تھی کہ آخر ایسا کیوں تھا؟ اس کی ماں آخر حزقی ایل اور حرقا کا ذکر سننا کیوں ناپسند کرتی تھی۔ اس نے جب ایک بار اس سے یہ دریافت کیا تھا تو اس نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ وہ یوں ہی ہر ایرے غیرے سے راہ و رسم بڑھانے کے سخت خلاف تھی۔ لیکن اس نے اسے حرقا سے ملنے سے کبھی منع نہیں کیا تھا۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے اپنی ماں سے اس سے ملنے کی اجازت چاہی تو وہ ہرگز نہ دے گی۔ اب اسے حرقا سے ملنے کا سنہری موقع ہاتھ لگا تھا۔ اسے اس سے ملنے کے

لیے صرف اپنے باپ سے اجازت لینی تھی جس نے اسے کبھی کہیں جانے سے نہ روکا تھا۔

اس فیصلے کے ساتھ ہی اس میں گویا بجلیاں سی بھر گئیں۔ وہ فوراً ہی دیوان سے اٹھ گئی۔ کمرے سے باہر نکل کر اس نے ایک کنیز کو اپنے لیے رتھ تیار کروانے کا حکم دیا اور اپنے باپ سے اجازت لینے اس کے کمرے میں چلی گئی۔ لیکن اسے سوتا دیکھ کر واپس چلی آئی اور حرقا کی طرف جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔ اس تیاری میں اس نے کسی کنیز سے مدد نہ لی۔ تیار ہونے کے بعد اس نے سیاہ لبادہ پہنا، نقاب چڑھائی اور نیچے آن پہنچی۔ نیچے غلام گردش میں چند کنیزیں کھڑی تھیں۔

''کیا ہم بھی ہمرکاب چلیں صاجزادی محترم؟'' ایک کنیز نے مؤدبانہ استفہام کیا۔

''نہیں ...... تمہاری ضرورت نہیں۔'' اس نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

باہر رتھ اس کا منتظر تھا۔ وہ اس میں جا بیٹھی۔ ایک غلام نے اس کے گرد پردے تان دیئے۔ اور رتھ عالی شان بڑے سے پھاٹک سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔

''کہاں چلنا ہے محترم مالکن؟'' رتھ بان نے مؤدبانہ دریافت کیا۔

''شارع اریوک پر معروف سوداگر حزقی ایل کا گھر ہے۔ وہاں جانا ہے۔''

رتھ بان نے فوراً ہی رتھ کا رخ اندرونِ شہر کی طرف موڑ دیا۔

شارع اریوک، شارع نرگال سے خاصی دوری پر واقع تھی۔ اس پر پہنچنے کے لیے شاہراہِ اداد پھر معلق باغات کی طرف جانے والی سڑک سے گزرنا پڑتا تھا۔ وہاں سے کئی سڑکیں شہر کے مختلف حصوں کی طرف جا نکلتی تھیں۔ توعیلہ کے رتھ کو شارع اریوک پر پہنچنے کے لیے بہت طویل فاصلہ طے کرنا پڑا۔ پھر جب رتھ وہاں پہنچا تو حزقی ایل سوداگر کے گھر کی تلاش بھی خاصی دردِ سر ثابت ہوئی۔ رتھ بان کو جگہ جگہ رتھ روک کر حزقی ایل کا گھر دریافت کرنا پڑا۔ پھر بالآخر انہیں اس کا گھر مل ہی گیا۔ اس کی وسعت اور شان و شوکت اس کی غماز تھی کہ حزقی ایل کوئی معمولی قسم کا سوداگر نہیں تھا۔ بلکہ دولت اس کے گھر کی بھی لونڈی تھی۔

رتھ بان نے گھر کے عالی شان بڑے سے دروازے کے سامنے رتھ روک کر نیچے اتر کر رتھ کا پچھلا دروازہ کھولا۔ قوعیلہ نیچے اتر آئی۔ رتھ بان نے دروازے کی طرف جا کر اس پر دستک دی۔ دروازہ فوراً ہی کھل گیا اور ایک حبشی غلام سامنے آ گیا۔

''یہ سردار عمون کی بیٹی ہیں۔ یہ تمہاری مالکن سے ملنے آئی ہیں۔'' رتھ بان نے اس سے کہا۔

غلام نے سیاہ نقاب اور لبادے میں ملفوف قوعیلہ پر ایک نظر ڈالی۔

''کس مالکن سے؟ ذرا ان کا نام بتائیں۔''

''حرقا۔ میں اس سے ملنے آئی ہوں۔''

غلام ایک دم مؤدب ہو گیا۔

''آیئے محترم خاتون ...... مالکن حرقا گھر پر ہی ہیں۔'' اس نے ایک طرف ہٹ کر قوعیلہ کو اندر داخلے کا راستہ دیا۔

قوعیلہ اندر داخل ہو گئی۔

غلام نے دروازہ بند کیا۔ ''آیئے میرے ساتھ ......'' وہ قوعیلہ کے آگے آگے چلتا ہوا وسیع صحن سے گزر کر بلند قد مچے چڑھ کر ایک لمبے چوڑے برآمدے میں بنی غلام گردش میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد ایک ایوان آتا تھا۔ جہاں چند کنیزیں دکھائی دے رہی تھیں۔ غلام وہاں رک گیا۔

''محترم خاتون ...... آپ ان کے ہمراہ مالکن کے پاس چلی جائیں۔'' اس نے قوعیلہ سے کہا۔ اور واپس چلا گیا۔

قوعیلہ نے نقاب اور لبادہ اتارا اور ایوان میں داخل ہو گئی۔ تمام کنیزیں شاید اس کے بے پناہ حسن و جمال اور رعب و وقار کو دیکھتے ہوئے مرعوب اور مؤدب دکھائی دینے لگی تھیں۔

''مجھے حرقا کے پاس لے چلو۔'' اس نے تحکمانہ ان سے کہا۔

ایک کنیز آگے بڑھی۔ "آیئے میرے ساتھ......"

قوعیلہ اس کے پیچھے پیچھے ہولی۔

چند ایوان اور راہداریاں عبور کرنے کے بعد کنیز ایک کمرے کے دروازے کے سامنے جا کر رک گئی۔ اور اس پر ہلکے سے دستک دی۔

"کون ہے؟" اندر سے حرقا کی آواز سنائی دی۔

"مالک...... یہ خاتون آپ سے ملنے آئی ہیں۔" کنیز نے اسے اطلاع دی۔

"کون خاتون؟" حرقا نے اندر سے پوچھا اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ قوعیلہ پر نظر پڑتے ہی وہ ایک دم ہی بے پناہ مسرور اور متحیر سی ہو گئی۔

"قوعیلہ!"

قوعیلہ مسکرائی۔ "ہاں میں...... تمہیں شاید کبھی یہ خیال نہ آیا ہوگا کہ میں تم سے ملنے تمہارے گھر بھی آسکتی ہوں۔"

"ہاں ...... یہ ناقابل یقین سی بات ہے۔ تمہیں اس وقت یہاں دیکھ کر مجھے جو حیرت اور خوشی ہوئی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ......" حرقا نے گرمجوشی سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ "تمہاری یہاں آمد میرے لیے ایک اعزاز سے کم نہیں ...... آؤ اندر آجاؤ......"

قوعیلہ اس بنی بجی شاندار نشست گاہ میں چلی آئی۔

"تمہیں کیا اس پہلی ملاقات کے بعد کبھی مجھ سے ملنے کا خیال نہیں آیا؟" جب وہ دونوں مخملیں نشستوں پر بیٹھ گئیں تو قوعیلہ نے حرقا سے استفسار کیا۔

"مسلسل آتا رہا۔ لیکن کچھ ہچکچاہٹ ہی مانع رہی ...... کیونکہ اس پہلی ملاقات میں ہمارے درمیان کچھ کھل کر باتیں نہ ہو سکیں۔ تم جلد ہی چلی گئی تھیں ......" حرقا سادگی سے بولی۔

"ہاں اس دن امی کی طبیعت اچھی نہیں تھی...... اس کے بعد مجھے مصروفیات ہی کچھ

ایسی رہیں کہ جلد تم سے ملنے نہ آ سکی۔ ہاں سناؤ کیا حال احوال ہے ...... تمہارے بہن بھائی؟ تم ذرا ان سے ملواؤ۔" توعیلہ بڑی ہوشیاری سے اپنے مطلب پر آنے لگی۔

"میرے کوئی بہن بھائی نہیں ہیں۔ میں اپنے والدین کی ایک ہی اولاد ہوں۔ میں نے تمہیں بتایا ہی تھا کہ میری والدہ میری پیدائش کے تھوڑے عرصہ بعد انتقال کر گئی تھیں۔ جس کے بعد میرے والد نے دوسری شادی نہیں کی۔ میری پرورش میرے ننھیال والوں نے کی ہے۔ کیونکہ والد زیادہ تر تجارتی سفروں میں مصروف رہتے تھے۔ جب میں کچھ بڑی ہوئی تو یہاں اپنے گھر آ گئی۔ یہاں چونکہ الیاسف بھی تھا۔ اس لیے مجھے اکیلا پن محسوس نہ ہوتا تھا......" حرقا اپنی سادگی میں اسے بتا گئی۔

توعیلہ کے ابرو استفہامیہ انداز میں اوپر اٹھ گئے۔

"کون الیاسف؟" وہ کچھ سمجھ ضرور گئی تھی پھر بھی اس نے پوچھ ڈالا۔

"وہ میرا بچپن کا ساتھی اور بے حد مخلص دوست چلا آ رہا ہے۔ اس سے میرا یا میرے ماں باپ کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ لیکن ہمارے لیے وہ حقیقی رشتہ داروں سے بڑھ کر ہے۔ میرے ننھیال والے سب اسے بے حد عزیز رکھتے ہیں۔ والد تو اسے بیٹوں کی طرح چاہتے ہیں۔ وہ ہے بھی اسی قابل کہ اس سے محبت کی جائے۔ اس کی عزت کی جائے ......" حرقا کے لہجے میں اپنے بچپن کے ساتھی کے لیے جو محبت و امتنان کے جذبات تھے وہ توعیلہ نے بخوبی محسوس کیے۔ شاید یہ وہی حسین کبڑا نوجوان ہوسکتا تھا جسے وہ اپنا محبوب شہزادہ بنائے ہوئے تھی۔ اس نے حسد کے ساتھ ہی حرقا سے شدید رقابت بھی محسوس کی۔

"تمہیں اس سے محبت ہو گی؟" اس نے اسے کریدا۔

"ہاں بے حد...... جیسے کہ ایک ہمدرد اور مخلص دوست سے ہوا کرتی ہے۔" حرقا بولی۔ پھر وہ اسے الیاسف کے اوصاف و محاسن کے بارے میں بتانے لگی۔ اس کی تعریف و توصیف کرنے لگی۔ پھر وہ کچھ افسردگی اور دکھ سے کہنے لگی۔ "یہ انتہائی افسوس ناک بات ہے توعیلہ کہ الیاسف ایک بے حد حسین و جمیل مرد ہونے کے ساتھ ہی کبڑا بھی ہے۔ اس کا

یہ نقص پیدائشی نہیں بلکہ وہ جب بہت چھوٹا سا تھا تو ایک کنیز کی گود سے گر گیا۔ جس وجہ سے اس کی پشت پر کوبڑ بن گیا......"

قوعیلہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ وہ اب تک بڑی بے چینی اور اضطراب کے عالم میں حرقا کی الیاسف سے متعلق باتیں سنتی رہی تھی۔ اس کے چہرے کی رنگت لحہ بہ لحہ تبدیل ہو رہی تھی۔ لیکن سادہ دل اور معصوم فطرت حرقا پر کوئی توجہ نہ دے رہی تھی۔ نہ ہی کسی شک وشبہ میں پڑ رہی تھی۔ ویسے بھی وہ قوعیلہ کے بارے میں یہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ اس نے الیاسف کو دیکھا ہوگا اور بری طرح اس کی محبت میں مبتلا ہوگئی ہوگی۔ وہ بڑی صاف دلی اور سادگی سے اسے الیاسف کے بارے میں بتاتی جارہی تھی۔

"الیاسف کو والد نے بہترین تعلیم وتربیت دلائی ہے۔ اس نے ہر طرح کے علوم کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رکھی ہے۔ سپاہیانہ تربیت بھی لے رکھی ہے۔ وہ بڑا ماہر گھڑ سوار نشانچی اور بے حد بہادر اور جرأت مند واقع ہوا ہے۔ اسے دور دراز کے علاقوں کا تنہا سفر کرتے ذرا بھی ڈر یا خوف نہیں لگتا۔ والد ہر معاملے میں اس پر اعتماد کرتے اور اپنے ضروری کاموں سے دور دراز کے علاقوں میں بھیجتے رہتے ہیں۔"

قوعیلہ الیاسف کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتی تھی۔ اس لیے ہمہ تن گوش حرقا کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کا تجسس بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ الیاسف کون تھا؟ کیوں کر اس گھر میں پہنچا تھا؟ اس کا حسب ونسب کیا تھا؟ وہ یہ سب کچھ جاننے کے لیے بے تاب ہوئی جا رہی تھی۔ جب بالآخر حرقا کی زبان الیاسف کی تعریف وتوصیف سے فارغ ہوگئی تو اس نے بمشکل تمام اپنے لہجے میں بے نیازی اور لاپروائی کا رنگ پیدا کرتے ہوئے اس سے پوچھ ڈالا۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ الیاسف اصل میں ہے کون؟ یہ تمہارے گھر میں کیسے پہنچا؟"

"اس کی کہانی تمہیں کچھ اچھی نہیں معلوم ہوگی۔ بلکہ خاصی قابل نفرت لگے گی۔ لیکن یہاں سب لوگ اس کہانی سے بخوبی آگاہ ہیں۔ یہ کہانی اب بے حد پرانی ہو چکی ہے اور کسی

کے لیے اس میں دلچسپی باقی نہیں رہی۔ تمہاری طرح کے ناواقف اور لاعلم لوگ یہ کہانی سن لیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ الیاسف سے نفرت نہیں کرتے کیوں کہ وہ نفرت کیے جانے کے قابل ہی نہیں ہے......" حرقا بولی۔ پھر اس نے قوعیلہ کو الیاسف کے بارے میں اوّل تا آخر سب کچھ کہہ سنایا۔ پھر بولی۔

"لوگ کہتے ہیں۔ اس کے والدین خالص یہودی النسل ہوں گے۔ جب ہی وہ اتنا حسین وجمیل ہے۔ ممکن ہے اس کا تعلق کسی اچھے اعلیٰ خاندان سے ہو......"

الیاسف کی حقیقت جان کر قوعیلہ کے حواسوں پر گویا ایک کوڑا آ کر پڑا تھا۔ اس کا محبوب شہزادہ کوڑے کے ڈھیروں کی پیداوار تھا؟ کسی کے گناہوں کا پھل تھا! ناجائز اولاد! اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ حواس مختل ہوئے جارہے تھے۔ اسے حرقا کی آواز بہت دور سے آتی ہوئی ناقابل فہم سی سنائی دے رہی تھی۔ آنکھیں دھندلا رہی تھیں۔

اسی وقت کنیزیں مشروبات اور فواکہات کے تھال لا لا کران کے سامنے سجانے لگیں۔ ایک کنیز نے ایک بلوریں پیالے میں پھلوں کا رس انڈیل کر پیالہ قوعیلہ کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے کچھ کپکپاتے سے ہاتھوں سے اسے تھامتے ہوئے اس سے ایک جرعہ لیا۔ اس کے حواس کچھ ٹھکانے آئے۔ اس نے چند مزید جرعات میں پیالہ خالی کر کے نیچے رکھ دیا۔ اور حرقا کی طرف متوجہ ہوگئی جو کہہ رہی تھی۔

"الیاسف اس وقت گھر نہیں۔ اسے میں نے اپنے ایک کام سے اروک بھیجا ہے۔ ورنہ میں ضرور تمہیں اس سے ملواتی۔"

تو اس وقت وہ اس کے گھر کے سامنے سے گزرتا ہوا اروک جارہا تھا......قوعیلہ نے سوچا۔

پھر حرقا سے استفہام کیا۔

"کس کام سے؟"

"ایک ذاتی سا کام ہے......" حرقا کو بھی شاید احساس ہوگیا تھا کہ وہ اسے بہت کچھ بتا

بیٹھی تھی۔ ''ہاں تم آج کل کیا کر رہی ہو؟ تمہاری شہر میں بہت سی سہیلیاں ہوں گی؟''

''نہیں ......'' قوعیلہ نے نفی میں سر کو جنبش دی۔ ''میری تھوڑی سی ہی سہیلیاں ہیں۔ جن کے خاندانوں سے طویل عرصہ سے ہمارا میل جول چلا آ رہا ہے۔ دراصل ...... امی ان کے علاوہ دوسرے خاندانوں سے میل جول اور راہ و رسم بڑھانا پسند نہیں کرتیں۔ وہ خود بھی بہت کم کسی کے گھر جاتی ہیں۔ سال میں دو یا تین مرتبہ ہی وہ گھر سے نکلتی ہوں گی......''

حرقا حیران سی ہوگئی۔

''شاید وہ تنہائی پسند ہیں۔ اپنے گھر میں ہی سکون محسوس کرتی ہیں۔''

''کچھ ایسی ہی بات ہے۔ لیکن مجھے گھر سے باہر گھومنے پھرنے اور نت نئی سہیلیاں بنانے کا بہت شوق ہے۔ میں نے اب تمہیں بھی اپنی سہیلی بنا لیا ہے۔ میں تمہیں بہت جلد اپنی پرانی سہیلیوں سے ملاؤں گی۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔''

''بہت اچھی بات ہے...... مجھے بھی ان سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔''

قوعیلہ اپنی نشست سے اٹھ گئی۔

''اچھا اب میں چلتی ہوں۔ تمہارے ساتھ دلچسپ اور پر لطف باتوں میں مجھے خیال ہی نہ رہا کہ مجھے یہاں اتنی دیر ہو چکی ہے......'' اتنا کہنے کے ساتھ ہی اسے ایک دم اپنی ماں کا خیال آ گیا۔ اس نے کچھ گھبراہٹ سی محسوس کی۔ وہ اگر اس کی عدم موجودگی میں اپنی کسی پرانی سہیلی سے ملنے چلی جاتی تو شاید وہ کچھ نہ کہتی لیکن یہاں حرقی ایل سوداگر کے ہاں آنا ...... اسے یہ بات ہرگز اچھی نہ لگ سکتی تھی۔ جھوٹ وہ اس سے بول نہ سکتی تھی۔ رتھ بان بھی اسے سچی بات بتا دیتا۔

''تم کچھ دیر اور رک جاتیں تو اچھا ہوتا...... ہمارا وقت واقعی بہت اچھا گزر رہا......''

حرقا اس کے جانے پر کچھ افسردہ سی دکھائی دینے لگی تھی۔

''ہم ایک ہی شہر میں رہتے ہیں۔ ہماری ملاقاتیں ہوتی ہی رہا کریں گی۔'' قوعیلہ بولی۔ پھر وہ کچھ سوچ کر کہنے لگی۔ ''چند دنوں بعد میں اپنی تمام سہیلیوں کو اپنے گھر بلاؤں

گی۔ تمہیں بھی اطلاع کردوں گی۔ تم بھی میرے گھر آ جانا...... بڑا پرمسرت اجتماع ہو جائے گا۔"

"میں ضرور آ جاؤں گی......"

حرقا اسے چھوڑنے باہر تک آئی۔ قوعیلہ نے اپنا سیادہ لبادہ اور نقاب پہن لیے تھے۔ برآمدے کے بلند قد مچے اتر کر وسیع وعریض صحن میں پہنچتے ہی بڑے دروازے کو کھول کر یوآب ان کے سامنے آ گیا۔ انہیں دیکھ کر وہ رک گیا۔

"کیا کہیں جا رہی ہو حرقا بیٹی......"

"نہیں چچا یوآب...... یہ میری سہیلی مجھ سے ملنے آئی تھیں انہیں باہر تک رخصت کرنے جا رہی ہوں۔"

"اچھا...... خدا خوش رکھے انہیں بھی......" یوآب نے قوعیلہ پر ایک نظر ڈالی اور وہاں سے چلا گیا۔

"یہ کیا تمہارے کوئی رشتہ دار ہیں؟" قوعیلہ نے چلتے چلتے حرقا سے پوچھا۔

"نہیں یہ ہمارے گھر کے داروغہ ہیں۔ ہم ان کی اپنے بزرگوں ہی کی طرح عزت کرتے ہیں۔"

کھلے ہوئے بڑے دروازے پر پہنچ کر قوعیلہ اور حرقا نے گرم جوشی سے آپس میں دونوں ہاتھ ملائے۔ پھر ان کے درمیان الوداعی کلمات کا تبادلہ ہوا۔ اس کے بعد قوعیلہ باہر کھڑے اپنے رتھ میں جا بیٹھی اور رتھ وہاں سے روانہ ہو گیا۔ قوعیلہ نے نشست کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ حرقا کی الیاسف کے بارے میں سنائی ہوئی کہانی نے اسے بری طرح سے دہلا دیا تھا۔ شدید دکھ رنج، خجالت وندامت، غصے اور پشیمانی کے ملے جلے جذبات کے تیز وتند ریلے بار بار اس پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ اسے لرزا رہے تھے، بے چین ومضطرب کر رہے تھے، اپنی ہی نظروں میں گرائے دے رہے تھے۔ اسے اپنے اوپر شرم آ رہی تھی۔ غصہ بھی...... اپنی لاعلمی اور بے خبری میں وہ محض جذبات کی رو میں بہہ کر

کسے اپنے دل کی سجدہ گاہ بنا بیٹھی تھی! اسے جس کا حسب و نسب نامعلوم تھا...... جو کسی کے گناہوں کا پھل تھا...... کوڑے کے ڈھیروں کی پیداوار تھا! محض اس کی شخصی وجاہت اور حسن و جمال پر ریجھ کر وہ کیسی حماقت کا ارتکاب کر بیٹھی تھی! اگر ایسا نہ ہوتا، اس کی پیدائش حسب و نسب نامعلوم اور مشکوک نہ ہوتے۔ اس کے ماں باپ معلوم ہوتے۔ وہ جائز اولاد ہوتا تو وہ واقعی ہر طرح سے اس کے اہل ہوتا۔ اس کی محبت وچاہت، التفات وتوجہ کا مستحق ہوتا۔ وہ اس سے شادی کر سکتی تھی۔ اس کے ماں باپ بھی اس کی پسند و خوشی کو عزیز رکھتے اور محض اس کے کبڑے ہونے پر ہرگز اس کے ارمانوں کا خون کرنا پسند نہ کرتے۔ لیکن......

اسے اپنے سے گھن آنے لگی۔ اس کا منہ حلق تک کڑواہٹوں سے بھر گیا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کے چاروں طرف بدبوؤں کے جھونکے بلک جھکڑ چل رہے تھے۔ اس کا وجود گندگی میں دھنسا جا رہا تھا۔ اس کا دماغ پھٹنے لگا۔ اس نے اپنی ناک اور منہ پر سختی سے رومال لپیٹ لیا۔ اور بار بار سر جھٹکتے ہوئے ان غلیظ سوچوں سے نجات پانے کی کوشش کرنے لگی۔ پھر ایک دم ہی اس کے ذہن کے تاریک نہاں خانوں میں ایک جگنو سا ٹمٹمایا۔ یہ ٹمٹماہٹ بڑھتے بڑھتے باقاعدہ اجالے کی صورت اختیار کرتی گئی۔ پھر اس میں ایک چہرہ نمودار ہونے لگا۔ اس کے خدوخال آہستہ آہستہ واضح ہونے لگے۔ یہاں تک کہ وہ پوری آب وتاب کے ساتھ اس کے سامنے جلوہ گر ہو گیا۔

''زمران!'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ان تمام غلیظ اور گھناؤنی فضاؤں سے نکل کر ایک دم ہی روشن چمکتی دمکتی اجلی پاکیزہ فضاؤں میں آ گئی۔ بلکہ ان میں اپنے آپ کو پرواز کرتے محسوس کرنے لگی۔ اسے اپنا وجود بے حد ہلکا پھلکا محسوس ہونے لگا تھا۔ اس پر پڑا بھاری بوجھ، پراگندہ خیالیاں، سیاہیاں اور تاریکیاں آناً فاناً غائب ہو گئی تھیں۔ اب اس کے چاروں طرف رنگ و نور کی برسات ہو رہی تھی۔ خوشبوئیں مہک رہی تھیں۔ زمران کے لیے اس کے دل میں جو جذبات کبڑے الیاسف کو دیکھنے سے پہلے پیدا ہوئے تھے وہ انگڑائیاں لے لے کر بیدار ہو رہے تھے۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کی صحیح اور

اصل منزل تو زمران ہی تھا۔ جسے اس نے اس بے حسب ونسب الیاسف کی خاطر بری طرح سے دھتکار دیا تھا۔ اس سے پیچھا چھڑا لیا تھا۔ جس سے دوبارہ ملاقات کے خطرے سے بچنے کے لیے وہ فوراً ہی ربلہ سے گھر واپس آ گئی تھی۔ جانے اس کی اس حرکت نے اسے کتنا دکھ پہنچایا ہوگا...... اس کا دل کیسے ٹوٹا ہوگا...... اس کے دل میں اس کے لیے بے پناہ ہمدردی کے ساتھ ہی محبت وچاہت کے دبے کچلے جذبات بھی بیدار ہونے لگے۔ صرف اور صرف زمران ہی اس کا رفیق سفر بننے کے قابل تھا۔ وہ عالی نسب بھی تھا۔ امیر کبیر اور با رسوخ خالص یہودی النسل خاندان کا فرد بھی...... اس سے شادی اس کے ماں باپ کو بھی خوش کر سکتی تھی اور باقی رشتہ داروں کو بھی ...... اس نے اسی وقت جلد از جلد ربلہ جانے اور زمران سے ملنے، اپنے گزشتہ رویے کی تلافی کرنے اور اس سے تجدید محبت کا فیصلہ کرلیا۔ اور مطمئن ومسرور سی آئندہ آنے والے حالات کی دل کشیوں کے خیالات وتصورات میں گم ہوگئی۔

اس نے اب حرقا سے کبھی نہ ملنے کا فیصلہ بھی کرلیا تھا۔

رتھ کے گھر پہنچ کر رکتے ہی وہ اس میں سے اتر کر اندر چلی آئی۔ جب وہ اپنے کمرے میں پہنچی تو اس نے وہاں اپنی ماں کو دیوان پر بیٹھے پایا۔ وہ کچھ جھجکی، کچھ گھبرائی پھر اندر چلی آئی۔ اس کی ماں چہرے پر گہری سنجیدگی لیے عمیق نگاہی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"سلامتی ہو آپ پر ...... رب موسیٰ وہارون کی رحمتیں ہوں آپ پر......" اس نے پرسکون ومطمئن نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے کلماتِ تسلیم کہے۔

عجیلہ کوئی جواب دیئے بغیر بدستور عمیق نگاہی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظروں سے قوعیلہ کو گھبراہٹ ہو رہی تھی لیکن دل ہی دل میں وہ مطمئن تھی کہ وہ کوئی غلط کام کرکے نہیں آئی تھی۔

"کہاں گئی تھی قوعیلہ؟ کنیزیں بتا رہی تھیں کہ تم کسی کو ساتھ لے کر نہیں گئیں؟" عجیلہ کی پرسش میں خفگی اور ناخوشگواری کی واضح جھلک تھی۔

"حرقا کے گھر...... آپ چونکہ جا چکی تھی اس لیے آپ سے وہاں جانے کی اجازت نہ لے سکی۔ ابا بھی سو رہے تھے۔ اس لیے میں چلی گئی۔" قوعیلہ نے اپنی دانست میں ماں کو تسلی بخش جواب دیا۔

"لیکن تمہیں اپنے ساتھ کسی کنیز یا غلام کو تو لے جانا چاہیے تھا۔ اجنبی لوگوں کے گھر پہلی مرتبہ جانا خطرے سے خالی نہیں ہوتا جب تک کہ ان کے بارے میں مکمل معلومات حاصل نہ ہوں۔" عجیلہ کا لہجہ بدستور خفگی بھرا تھا۔

"وہ بے حد شریف اور اچھے لوگوں کا خاندان ہے امی ...... حرقا کا کوئی بہن بھائی نہیں۔ ماں فوت ہو چکی ہے اور والد حزقی ایل سوداگر آئے دن تجارتی سفروں میں مصروف رہتے ہیں۔ اس وقت بھی وہ کہیں گئے ہوئے ہیں اور حرقا کنیزوں غلاموں کے ساتھ گھر پر اکیلی ہے...... میرے آنے پر وہ بے پناہ خوش ہوگئی۔ ہمارا آپس میں بہت اچھا وقت گزرا۔ وہ بہت مخلص، سادہ طبیعت والی، بے حد محبت کرنے والی لڑکی ہے۔ جو مجھ سے فوراً ہی بے تکلف ہوگئی......"

عجیلہ عمیق مگر منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن رہ رہ کر تیز ہو رہی تھی۔ وہ بے چین اور مضطرب سی ہوئی جا رہی تھی۔

"اس نے مجھ سے بہت اچھی اچھی باتیں کیں۔ بہترین خاطر تواضع کی۔ لیکن میں اب نہ اس سے ملوں گی نہ اس کے گھر جاؤں گی نہ اس کو کبھی یہاں بلواؤں گی......" قوعیلہ کے فیصلہ کن سے لہجے پر عجیلہ نے متجسسانہ عمیق نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں؟ کیا کوئی بات ہے؟ تم نے تو بڑے ذوق و شوق سے اسے سہیلی بنایا تھا۔"

"وہ امی ......" وہ کہتے کہتے ہچکچائی۔ ماں کی بے حد لاڈلی پیاری ہونے کے باوجود وہ اس سے اس حد تک کبھی بے تکلف نہ ہو پائی تھی کہ اس سے کھلی ڈھلی باتیں کر سکتی۔ "ان کے گھر میں وہ کبڑا الیاسف رہتا ہے...... جس کے بارے میں حرقا نے بتایا تھا کہ اس کا باپ اسے کبار نہر کے کنارے سے کوڑے کے ڈھیروں سے اٹھا کر لایا تھا...... مجھے اس کی کہانی

سن کر بے حد گھن آئی تھی۔ میں فوراً ہی وہاں سے چلی آئی تھی......"

عجیلہ نے اپنے سینے میں عجیب سا درد اور اینٹھن محسوس کی۔ ایک دلخراش آہ اس کے لبوں پر آتے آتے رہ گئی۔ اس کا وجود ہولے ہولے کپکپانے لگا تھا۔ چہرے کی رنگت متغیر ہو رہی تھی۔ لیکن توعیلہ اس کی ان کیفیات سے بے خبر برابر اسے سنائے جا رہی تھی۔

"اور امی...... جب میں گھر جانے کے لیے حرقا کے ساتھ باہر صحن میں پہنچی تو عجیب سا ہی آدمی باہر دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ وہ کچھ بوڑھا سا دبلا پتلا لمبا سا آدمی تھا جو کچھ لنگڑا کر چل رہا تھا۔ اس کا چہرہ زخموں کے نشانوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک آنکھ بھی ٹیڑھی تھی۔ لیکن اسے دیکھ کر لگتا تھا جوانی میں وہ بڑا حسین رہا ہوگا۔ حرقا نے بتایا تھا کہ وہ ان کے گھر کا داروغہ تھا۔ وہ اسے چچا یوآب کہہ رہی تھی......"

عجیلہ ایک دم دیوان سے اٹھ گئی۔

"تم اب اس لڑکی کے گھر نہیں جاؤ گی نہ اس سے ملو گی بس ٹھیک ہے۔ نئی سہیلیاں ذرا دیکھ بھال کر بنایا کرو۔" ان الفاظ کے ساتھ...... جو اس نے بمشکل تمام ٹوٹنے بکھرنے سے بچاتے ہوئے ادا کیے تھے، وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

توعیلہ نے کچھ بھی محسوس نہ کیا۔ ویسے بھی اس وقت اس کے ذہن میں بار بار زمران کا خیال آ رہا تھا۔ جس سے ملنے کے لیے وہ اب بے تاب ہوئی جا رہی تھی۔

بوڑھا وفادار غلام ابلق ایک بار پھر اپنی مالکن کے ایوانِ خاص میں ان کے سامنے مودبانہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

"ابلق...... میں نے ایک مرتبہ تمہیں حزقی ایل سوداگر کے گھر بھیجا تھا۔" عجیلہ کی آواز بیٹھی بیٹھی سی تھی۔

"جی ہاں محترم مالکن......"

"تم پھر وہاں جاؤ۔ اس گھر کا داروغہ ہے یوآب...... اس کے بارے میں معلومات

حاصل کرو۔"

"بہتر مالکن محترم ...... میں آج ہی یہ کام شروع کرتا ہوں۔" ابلق نے سر اطاعت خم کیا۔

"راز داری کا خاص خیال رہے ...... اور مجھے تمہیں کوئی ہدایت دینے کی ضرورت نہیں۔" عجیلہ نے ہاتھ سے اسے رخصت ہونے کا اشارہ کیا۔

ابلق مؤدبانہ جھکا اور کمرے سے نکل گیا۔

عجیلہ بے تحاشہ دھڑکتے دل کے ساتھ، کچھ خوف، کچھ گھبراہٹ و دہشت سے لرزتے وجود کے ساتھ دیوان پر تکیوں سے ٹک گئی۔ اس کی سانسیں بے ترتیب اور ہاتھ پاؤں یخ بستہ ہوئے جا رہے تھے۔ پیشانی پسینے سے تر تھی۔

"میرے خدا! مجھ پر رحم فرما! جانے اب کیا جان لیوا انکشاف ہونے والا ہے!" اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا۔ اس کی آنکھوں سے بے تحاشہ آنسو بہتے ہوئے اس کے ہاتھوں اور چہرے کو بھگونے لگے۔

نیا اُفق

الیاسف تیز رفتاری سے گھوڑا دوڑاتا ہوا اروک جانے والی سڑک کی طوالت سمیٹ رہا تھا۔ اسے وہاں پہنچ کر زمران کا اتہ پتہ معلوم کرنا تھا۔ حرقا کو پہلے اس کے سرد مہرانہ رویے، بے اعتنائی اور بیگانگی نے شدید رنج و کرب سے دوچار کر رکھا تھا اب اس میں اس کی گمشدگی کے دکھ، فکر اور پریشانی کا بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ اسے سپار اروک اور حران سے جو خبریں اب تک ملتی رہی تھیں۔ وہ یہی ہوتی تھیں کہ زمران تاحال لاپتہ تھا۔ اب تک اس کا کہیں نہ پتہ چل سکا تھا نہ ہی وہ اب تک گھر پہنچا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے متعلق حرقا کی پریشانی اور دکھ میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ مارے فکر و پریشانی کے اس کی راتیں بے خواب اور اکثر آنسو بہاتے گزرنے لگی تھیں۔ الیاسف کو اس کی یہ حالت بے حد دکھ پہنچا رہی تھی۔ اسے ہر دم بے چین و مضطرب کیے رکھنے لگی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اروک جائے اور زمران کا کھوج لگائے۔ کہیں کہیں سے اسے تلاش کر ہی لے۔ پھر جب حرقا نے اس سے یہ درخواست کی تھی تو وہ اسی وقت اروک روانہ ہوگیا تھا۔

شہر سے باہر نکلتے ہوئے ایمگوربل کے پھاٹک کی طرف جاتے ہوئے وہ حسب معمول شارع نرگال پر سے گزرا تھا۔ حالانکہ وہ اس مرتبہ ہرگز اس سڑک سے نہ گزرنا چاہتا تھا۔ ایمگوربل کے اس پھاٹک کی طرف جانے کے اور بھی کئی راستے تھے۔ لیکن وہ بہت طویل پڑتے تھے۔ اس لیے اس نے کوئی اور راستہ اختیار نہ کیا تھا اور اسی سڑک پر ہولیا تھا۔ اس سڑک پر پہنچتے ہی اس پر وہی پہلے والی کیفیات حملہ آور ہوگئی تھیں۔ اس سفید پتھروں کے بنے ہوئے محل نما مکان تک پہنچتے پہنچتے تو دل کی تیز دھڑکنوں کے ساتھ اس کا وجود پسینوں میں نہانے لگا تھا۔ ہلکی رفتار سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے وہ اس مکان تک جا پہنچا تھا اور بڑی

پُر امید نظروں سے اس مخصوص جھروکے کو دیکھا تھا۔ لیکن اس مرتبہ اسے سیاہ حریری پردے سے جھانکتی وہ حسین سیاہ آنکھیں نہیں بلکہ ایک شخص وہاں کھڑا دکھائی دیا تھا۔ پروقار، شاندار وجیہہ ادھیڑ عمری کو پہنچتا ہوا وہ مرد شریف جانے کون تھا؟ اسے وہاں وہ جانی پہچانی حسین سیاہ آنکھیں نہ دیکھ کر بے حد مایوسی ہوئی تھی۔

وہ اب مسلسل ان آنکھوں کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ وہ آنکھیں آخر کس کی ہوسکتی تھیں؟ قوعیلہ کی؟ یا اس کی ماں کی؟ لیکن ان آنکھوں میں دکھ، حسرت، بے بسی اور غم کا امتزاج ہوتا تھا۔ ان سے اس نے آنسو بہتے بھی دیکھے تھے۔ پھر تو یہ آنکھیں ہرگز قوعیلہ کی نہ ہوسکتی تھیں جو حرقا کے بیان کے مطابق اس کی ہم عمر ہی تھی۔ یہ اس کی ماں کی آنکھیں ہوسکتی تھیں۔ شاید...... یقیناً...... لیکن وہ اسے اس طرح کیوں دیکھتی تھی۔ وہ اس کے بچپن کے زمانہ سے ہی اسے اس طرح دیکھتی چلی آرہی تھی۔ آخر کیوں؟ یہ عجیب الجھن آمیز بات تھی۔ ایک معمہ لاینحل...... کیوں نہ وہ اسے سلجھانے کی کوشش کرے؟ کوشش کر دیکھنے میں تو کوئی حرج نہیں تھا۔ اگر وہ کامیاب ہوجاتا تو اس معمے کی گتھی سلجھ جاتی۔ اس کی الجھن اور پریشانی دور ہوجاتی۔

تیزی سے گھوڑا دوڑاتے سڑک کی لمبائیاں سمیٹتے وہ اس معمہ لاینحل کو سلجھانے کے منصوبے بناتا تدبیریں سوچتا رہا۔ وہ ایسا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہتا تھا جو محفوظ بھی ہو اور رازدارانہ بھی۔ جس کی بھنک کسی کو نہ مل سکے۔ نہ تشکیک وشبہات کا غبار اٹھے۔ جس میں کسی خطرے یا نقصان کا احتمال بھی نہ ہو......

اروک میں ایالون اور ماریا کے گھر اس وقت جشن کا سماں تھا۔ بڑے طویل عرصہ بعد بالآخر زمران گھر آن ہی پہنچا تھا۔ وہ اپنے ساتھ بہت سے نسایانی گھوڑے لایا تھا جن کے بارے میں اس نے بتایا تھا کہ اس نے وہ ایرانی سرحدی علاقے سے ایک گھوڑوں کے تاجر ایرانی سے خریدے تھے۔ اپنے گھر سے یوں چپ چپاتے کہیں غائب ہوجانے کی اس نے

کوئی وجہ نہ بتائی تھی۔ بہر کیف ...... ایالون اور ماریا کے لیے اپنے اس سب سے چھوٹے سب سے پیارے بیٹے کا گھر لوٹ آنا ہی بہت تھا۔ اس خوشی میں انہوں نے اپنے گھر میں ایک شاندار محفل نشاط برپا کی تھی جس میں انہوں نے شہر کے تمام سرکردہ یہودی وغیر یہودی عمائدین امراء ورؤسا کو مدعو کیا تھا۔

اس وقت اس محفل نشاط کی رونقیں عروج پر پہنچی ہوئی تھیں جب الیاسف وہاں پہنچ کر گھوڑے سے اترا۔ اسے جب اس رونق گہما گہمی چہل پہل کی وجہ معلوم ہوئی تو اسے بے حد خوشی ہوئی۔ زمران بالآخر گھر واپس آ ہی گیا تھا۔ اب وہ اس سے مل کر حرقا کے بارے میں سب کچھ کہہ سن سکتا تھا۔ اسے حرقا کے جذبات وکیفیات سے آگاہ کرتے ہوئے اسے راہِ راست پر لا سکتا تھا۔ توعیلہ کی طرف سے دھتکارے جانے کے بعد یہ بعید از امکان نہیں تھا کہ وہ اپنی بچپن کی محبت حرقا کی طرف ملتفت ہو جاتا۔ اس کی قدر کرنے لگتا۔ اسے ہی اپنی حقیقی منزل سمجھنے لگتا۔

اپنے دھول میں اٹے سراپے سے نجات پانے کے لیے وہ محل کے مردانہ مہمان خانے کی طرف چلا گیا۔ وہاں نہا دھو کر اس نے نیا لباس پہنا۔ بال سنوارے اور باہر نکل آیا۔ محل کے مردانہ وزنانہ حصوں میں خوب چہل پہل اور رونق تھی۔ اس نے سب سے پہلے سردار ایالون اور اس کے بیٹوں سے علیک سلیک کی۔ جو اسے غیر متوقع طور پر وہاں پہنچا دیکھ کر بے حد حیرت زدہ بھی ہوئے اور خوش بھی۔ اس کے بعد وہ دوسرے رشتہ داروں اور جان پہچان کے لوگوں سے ملنے اور باتیں کرنے لگا۔ اسے زمران کہیں بھی دکھائی نہ دے رہا تھا۔ جانے وہ کہاں غائب تھا۔ وہ اس سے ملنے کے لیے بے تاب ہوا جا رہا تھا۔ اس نے اس کے بارے میں غلاموں سے پوچھا بھی۔ لیکن وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ وہ یہ سوچ کر کہ شاید وہ اپنے کمرے میں موجود ہوگا۔ اندر جانے کے لیے صحن وسیع وعریض عبور کرتے ہوئے قدمچوں کی طرف جانے لگا۔ اسی وقت اس کی نظر چمن کے ایک کونے میں درختوں کے جھنڈ میں کھڑے زمران پر پڑی جو اس وقت کسی حبشی غلام سے باتوں میں

مصروف تھا۔ وہ چلتے چلتے ٹھٹک کر رک گیا۔ اس حبشی غلام کو وہ فوراً پہچان گیا تھا۔ وہ ربلہ کے بوڑھے عبدیاہ کا غلام تھا۔ جس کے ذریعے قوعیلہ نے زمران کو ملاقات سے انکار کا پیغام بھجوایا تھا۔ یہ اب یہاں کیا کر رہا تھا؟ زمران سے کیوں ملنے آیا تھا؟ زمران اتنا خوش کیوں دکھائی دے رہا تھا؟ اس کے دل میں تجسس نے سر ابھارا۔ وہ پلٹ کر محل کی بلند وبالا بیرونی دیوار کی طرف ہولیا اور گھنے درختوں اور قد آدم پھولدار پودوں اور جھاڑیوں کے پیچھے سے سرکتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ درختوں کے اس جھنڈ سے کچھ فاصلے پر پھولوں سے لدی گھنی بیلیں اس طرح دیوار پر چڑھی ہوئی تھیں کہ ان کے اور دیوار کے درمیان طویل خلا سا بن گیا تھا۔ وہ اس خلا میں گھس گیا اور جھک کر چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ اس جھنڈ کے بالکل قریب جا پہنچا۔ وہ بیلیں اتنی گھنی تھیں کہ ان میں بمشکل ہی کوئی سوراخ دکھائی دیتا تھا۔ وہ ان میں چھپ کر بیٹھ گیا اور زمران اور اس غلام کی باتوں پر کان لگا دیئے۔ غلام کہہ رہا تھا۔

''آپ نے اس وقت اپنی شناخت پوری طرح نہیں بتائی تھی۔ اس لیے صاجزادی قوعیلہ نہ جان سکیں کہ یہ آپ ہیں۔ اگر آپ اپنا مکمل نام اور پتہ بتا دیتے تو وہ ضرور آپ کو اندر بلوا لیتیں۔ یہ تو انہیں بعد میں معلوم ہوا کہ یہ آپ تھے۔ آپ کے ساتھ اس طرح پیش آنے کا انہیں بے حد افسوس ہے۔''

''انہوں نے میرے بارے میں کس طرح معلوم کیا؟ یعنی یہ کس طرح معلوم کیا کہ یہ دراصل میں تھا؟'' زمران نے پوچھا۔ اس کا لہجہ کھنکتا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا اس وقت وہ بے پناہ مسرور تھا۔ بلکہ ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ الیاسف کو اپنا دم گھٹتا ہوا سا محسوس ہونے لگا۔ اس کا دل زخم زخم ہونے لگا۔ روح پر غبار سا چھانے لگا۔

''ان کے زمران نام کے کئی امیدوار ہیں......'' غلام کہہ رہا تھا۔ ''وہ ان میں سے کسی کو بھی پسند نہیں کرتیں۔ نہ ہی ان سے ملنا پسند کرتی ہیں۔ آپ سے ملنے سے انکار کے بعد انہوں نے شاید یہ خیال کرتے ہوئے کہ زمران نام کے اس دن ان سے ملنے آنے والے

کہیں آپ ہی نہ ہوں انہوں نے مجھ سے آپ کے بارے میں تفصیلات پوری جزئیات کے ساتھ پوچھیں۔ آپ کی قد وقامت، رنگ روپ، بال، نقوش ونگار آواز ...... اور یہ کہ آپ کس قسم کے گھوڑے پر سوار تھے۔ اس وقت انہیں معلوم ہوا کہ وہ کیسے غلط فہمی کا شکار ہو کر آپ سے ناروا سلوک کر بیٹھی تھیں۔ وہ شاید اسی وقت اس سلوک کا ازالہ کر دیتیں لیکن ان کے والد سردار عمون ایرانی سرحدات سے بابل واپس آ چکے تھے۔ اس لیے انہیں فوراً ہی واپس جانا پڑ گیا۔ اب وہ دوبارہ ربلہ پہنچی ہیں تو انہوں نے پہلا کام ہی یہ کیا ہے کہ مجھے آپ کی طرف بھیج دیا ہے......"

اس گھنی بیل کے چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے الیاسف کو زمران کے وفورِ مسرت سے سرخ ہوتے چہرے پر روشنی پھوٹتی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے صرف ہونٹ ہی نہ مسکرا رہے تھے بلکہ تمام وجود ہی مجسم مسکراہٹ بنا ہوا تھا۔

"ان سے جا کر کہہ دو کہ میں کل ان سے ملنے آ رہا ہوں۔ میں آج ابھی اور اسی وقت ان سے ملنے چلا جاتا۔ لیکن تم یہ برپا جشن دیکھ ہی رہے ہو۔ اس موقع پر میری یہاں موجودگی بے حد ضروری ہے۔" اس نے غلام سے کہا۔ اس کی آواز وفورِ اشتیاق ووارفتگی سے کپکپاتی ہوئی سی تھی۔ ساتھ ہی اس میں کچھ مایوسی اور مجبوری کی جھلک بھی تھی۔

"بہتر بہتر ...... آپ کس وقت وہاں پہنچیں گے؟" غلام نے پوچھا۔

"سہ پہر کو ...... میں کل سہ پہر کو وہاں پہنچ جاؤں گا۔ تم صاحبزادی سے کہنا ملاقات کا انتظام رکھیں۔"

"بہت بہتر ......" غلام سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے زمران کے سامنے خفیف سا خم ہوا اور اصطبل کی طرف چلا گیا۔ جہاں شاید اس نے اپنا گھوڑا باندھ رکھا تھا۔

زمران کچھ دیر کھڑا اپنے قریب ہی اُسے پھولدار پودے پر اگے بڑے بڑے کھلے ہوئے خوبصورت مہکتے پھولوں کو دیکھتا اور آپ ہی آپ مسکراتا رہا۔ پھر اس نے جھک کر ایک پھول کو سونگھا اور سرگوشی کی۔ "میرا پھول تو تم ہو تو عیلہ ......" اور مسکراتا ہوا وہاں

سے چلا گیا۔

الیاسف ایک بے جان سے ڈھیر کی طرح بیلوں کے جال کے پیچھے بیٹھا تھا۔ وفورِ رنج وکرب سے وہ بے حال ہوا جا رہا تھا۔ اس کے حواسوں پر تاریکیاں مسلط ہو رہی تھیں۔ دل پھٹا جا رہا تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر بھر آ رہے تھے۔ اس نے کیا دیکھا تھا؟ کیا سنا تھا؟ اس کا دل چاہ رہا تھا اس سب کو جھٹلا دے۔ اس کی تکذیب کر دے۔ اسے اپنے تخیل تصور کی خامہ فرسائی قرار دے دے۔ کاش یہ سب کچھ نہ ہوتا...... زمران تو اب پوری طرح سے اس نئی دوشیزہ قوعیلہ کے چنگل میں پھنس چکا تھا۔ سرتاپا اس کے عشق میں گم ہو چکا تھا۔ اس عشق کا سحر ایسا تھا کہ اس سے رہائی ممکن نہیں تھی۔ وہ دل وجان سے قوعیلہ کا والہ وشیدا بن چکا تھا۔ اس کے بارے میں اس کے جذبات میں واقعی گہرائی تھی۔ گیرائی تھی، سچائی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کی طرف سے دھتکارے جانے کے بعد وہ اس کی محبت سے چھٹکارہ حاصل کر لیتا۔ اسے بھلا دیتا، اس کے حصول کا خیال ترک کر دیتا...... اب ہونا یہی تھا کہ وہ حرقا سے شادی سے انکار کر دیتا۔ اپنے والدین کو قوعیلہ کا اتہ پتہ بتاتے ہوئے اس سے شادی پر اصرار کرتا۔ اس کے ماں باپ بھی اپنے اس سب سے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے کی پسند کا احترام کرتے اور اس کی شادی قوعیلہ سے کر دیتے۔

وہ اب حرقا کو جا کر کیا بتائے؟ اسے کس طرح زمران کی اس نئی پسند کے بارے میں بتائے؟ اسے کس طرح یہ دکھ پہنچائے؟ وہ کتنی ہی دیر تک سر پکڑے بیٹھا سوچتا رہا۔ اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا۔ کوئی راہ نہ سوجھ رہی تھی۔ اس کے سامنے تاریکیاں ہی تاریکیاں تھیں۔ جن میں کوئی ٹمٹماتا سا جگنو بھی دکھائی نہ دے رہا تھا۔ پھر بالآخر وہ گہری سانس لے کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اسے کچھ تو کرنا تھا۔ کوئی راہ تو نکالنی تھی۔

لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا ہوا وہ گھنی بیلوں کے خلا سے نکل کر کھلی جگہ پر آ گیا۔ اور بمشکل تمام اپنی حالت سنبھالتے ہوئے وسیع وعریض صحن سے گزرتے ہوئے اندر کی سمت ہولیا۔ آتے جاتے مہمانوں، غلاموں اور ملازموں میں راستہ بناتے ہوئے وہ قدچوں کی

طرف چلا جا رہا تھا کہ ایک دم ہی کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''الیاسف!'' یہ مسرت بھری چہکار زمران کی تھی۔ جو اس کے ایک طرف کھڑا مسکرا رہا تھا۔ ''خوب موقع پر پہنچے الیاسف...... کسی نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ آج کے جشن طرب کے موقع پر تم یوں غیر متوقع طور پر اچانک ہی یہاں آن پہنچو گے......''

دونوں نے ہاتھ ملائے۔

''ہاں یہ تو ہے......'' الیاسف بمشکل تمام سنبھلتے ہوئے بولا۔ ''میں دراصل یہاں تمہارا اتہ پتہ معلوم کرنے پہنچا تھا۔ تم اتنے عرصہ سے لاپتہ چلے آ رہے تھے نا؟ خالو ایالون اور خالہ ماریا بے حد پریشان اور متفکر رہے۔ بلکہ ہم سب بھی...... تم کسی کو بتا کر بھی تو نہیں گئے تھے کہ تم کہاں جا رہے ہو کب تک واپس آؤ گے۔ تم نے ایسا کیوں کیا زمران؟ تم آخر کہاں غائب رہے اتنے طویل عرصہ تک...... حرقا بھی تمہیں یاد کر کر کے روتی رہیں۔ بہت دکھی اور پریشان ہیں وہ...... اب میں جا کر انہیں تمہارے واپس آ جانے کی خوشخبری سناؤں گا تو انہیں کتنی خوشی ہوگی!''

زمران نے لاپروایانہ اس کی باتیں سنیں۔

''اکثر باتیں ایسی ہوتی ہیں جو بتائے جانے کے قابل نہیں ہوتیں۔ میں بھی کچھ ایسی ہی باتوں کے سبب گھر سے چلا گیا تھا۔ لیکن مجھے احساس تھا کہ میری یہ حرکت میرے ماں باپ کو بہن بھائیوں رشتہ داروں کو تکلیف اور دکھ دے گی۔ اس لیے میں واپس آ گیا۔'' اتنا کہتے کہتے وہ بے ساختہ ہنسا۔ ''میرا ایسا کرنا میرے لیے تو بے حد فائدہ مند ثابت ہوا۔ مجھے اپنے اصطبل کی شان بڑھانے کے لیے بے شمار نسایانی گھوڑے مل گئے!''

الیاسف خفیف سا مسکرایا۔

''تمہیں اپنا شوق پورا کرنے کا موقع خدا دے...... ہاں اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''میں اب والد کا کاروبار سنبھالوں گا۔ اس معاملے میں میری ان سے باتیں ہوئی ہیں۔ وہ بھی مجھ میں احساسِ ذمہ داری پیدا ہو جانے پر بڑے خوش ہیں۔ وہ اب گھر پر رہتے

ہوئے کاروباری امور میں میری راہنمائی کیا کریں گے.....''

''اور تمہارے گھوڑے؟'' الیاسف نے اسے چھیڑا۔

زمران نے ایک قہقہہ بلند کیا۔

''گھوڑے بھی اپنی جگہ ہوں گے۔ میرا یہ شوق قائم رہے گا۔''

باتیں کرتے کرتے وہ اس جگہ جا پہنچے جہاں لمبی لمبی میزوں پر سامانِ خورد ونوش چنا جا رہا تھا اور مہمان آ آ کر ان کے گرد جمع ہو رہے تھے۔

کھانے کے دوران زمران الیاسف کو اپنے ایرانی سرحدات کی طرف نکل جانے، ایرانی دیہاتوں میں آوارہ گردی اور پھر ایرانی سوداگروں سے نسایانی گھوڑے خریدنے کے بارے میں بتاتا رہا۔ پھر جب کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مہمان میزبانوں سے مل ملا کر رخصت ہونے لگے تو زمران الیاسف کو ساتھ لیے اندر ایک نشست گاہ میں چلا آیا۔

''تمہارا ارادہ کیا یہاں کچھ دن ٹھہرنے کا ہے؟'' جب وہ دونوں فرشی نشستوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے تو زمران نے الیاسف سے استفسار کیا۔

''زمران تم مالک حرقا کے بارے میں کیا سوچتے ہو؟'' الیاسف نے الٹا اس سے سوال کر ڈالا۔ اس کے لہجے میں گہری سنجیدگی تھی۔

''کچھ نہیں سوچتا۔ سوائے اس کے کہ وہ میری بچپن کی پر خلوص اور بے حد محبت کرنے والی ساتھی رہی ہے۔ دیکھو الیاسف...... جسے وہ محبت کہتے ہیں کہ کسی سے ہو جائے اور اسے اپنانے کی خواہش دل میں پیدا ہونے لگے وہ محبت مجھے اس سے نہیں تھی۔ اس محبت میں گہرائی، شیفتگی، گیرائی اور اشتیاق ووارفتگی ووابستگی نہیں تھی جو کسی ایسی شخصیت کے لیے غیر ارادی طور پر اور بے اختیار و بے ساختہ دل میں پیدا ہو جاتی ہے جس کی طرف انسان اپنے آپ کو بے اختیارانہ کھنچتا ہوا محسوس کرے۔ جس کی کشش اسے بے اختیار و بے تاب کر دے۔ جسے اپنانے کا جذبہ پوری شدتوں سے اس کے دل میں موجزن ہو جائے۔ جو راہزنِ ہوش و تمکین ثابت ہو۔ صبر وقرار لوٹ لے جائے۔ جس کا خیال وتصور نشاط افزا اور کیف زا

ہو۔ روح پرور اور مسحور کن ہو۔ اب میں تم سے کچھ نہ چھپاؤں گا۔ جب تک میں قوعیلہ سے نہیں ملا تھا۔ ان جذبات واحساسات وکیفیات سے نا آشنا ہی رہا تھا۔ زندگی کا سیدھا سادا سا منصوبہ بنائے ہوئے تھا کہ میں حرقا سے شادی کرلوں گا۔ گھر بسا لوں گا۔ لیکن اب ......''

زمران گہری سانس لیتے ہوئے مسکرایا۔ ''حالات مختلف ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ حرقا سے میری شادی محض ہمارے باندھے کی زبردستی کی شادی ہوگی۔ اس کے ساتھ میں کبھی خوش نہ رہ سکوں گا۔ نہ اسے کوئی خوشیاں دے سکوں گا کیونکہ میرے دل میں قوعیلہ بسی ہوگی اور اس کی محبت ...... میں اسی کے ساتھ ہی خوش رہ سکوں گا۔ اسی کے ساتھ ہی میری زندگی مسرتوں سے بھرپور گزرے گی......''

الیاسف سر جھکائے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی اس کی بات کاٹنے یا اسے جھٹلانے کی کوشش نہ کی تھی کیونکہ وہ بخوبی سمجھ رہا تھا کہ زمران جو کچھ کہہ رہا تھا ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ بالکل صحیح طور پر اپنے خیالات وجذبات کی ترجمانی کررہا تھا۔ حرقا سے شادی بلکہ زبردستی کی شادی نہ صرف اس پر بلکہ حرقا پر بھی ظلم ہی ہوتا۔

''ٹھیک ہے زمران ......'' بالآخر اس نے کہا۔ ''اپنا نفع نقصان تم ہی بہتر سمجھتے ہو۔ مالکن حرقا کو اس پر دکھ تو بہت پہنچے گا لیکن میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس معاملے میں سمجھ داری سے کام لیں گی۔''

''رشتہ داروں میں اور خاندان سے باہر اس سے شادی کے امیدواروں کی کمی نہیں۔ خالو حزقی ایل کی بہنیں بھی اپنے بیٹوں کے لیے اسے مانگ سکتی ہیں۔'' زمران بولا۔

''مالک حرقا کو رشتوں کی کمی نہیں۔'' الیاسف بولا۔ ''ہوگا وہی جو اللہ کو منظور ہوگا۔ ہاں تمہارا ارادہ کب تک شادی رچانے کا ہے؟ یہ خاتون قوعیلہ کیسی ہیں؟''

''نہایت حسین وجمیل ...... مجسم قیامت ...... تم انہیں دیکھو گے تو سانس لینا بھول جاؤ گے۔ یہ بابل کے معروف امیر اور فوجی سالار سردار عمون صدوقی کی دختر ہیں۔ تم نے ان کا نام سنا ہوگا؟'' زمران کے لہجے میں فخر ومباہات کا رنگ تھا۔

''ہاں مجھے معلوم ہے۔ میں اکثر ان کے گھر کے سامنے سے گزرتا رہتا ہوں۔ میں نے سردار عمون کو دیکھ بھی رکھا ہے۔ بڑے شاندار رعب دار آدمی ہیں وہ۔ ان کا گھر بھی بڑا شاندار محل نما ہے۔ سنا ہے کہ وہ بے حد امیر کبیر آدمی ہیں۔ جن کی جائیدادیں ایرانی علاقوں میں بھی پھیلی ہوئی ہیں۔'' الیاسف کے لہجے میں بیزاری سی تھی۔

''توعیلہ کے علاوہ ان کی اور اولادیں بھی ہیں؟''

''تین بیٹے جوان خاتون سے چھوٹے ہیں...... میں ان لوگوں کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ کیونکہ خواہ مخواہ کا تجسس میری عادت نہیں......'' الیاسف کا لہجہ سرد مہرانہ سا تھا۔

زمران نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔ پھر کہنے لگا۔

''یہ بہت اچھی بات ہے کہ سردار عمون کا خاندان بھی ہماری طرح قدیم کلدانیہ کا قدیم یہودی خاندان ہے۔ اس خاندان میں بھی شروع سے اب تک کسی غیر اسرائیلی خون کی ملاوٹ نہیں ہوئی اس لیے میری اور توعیلہ کی شادی دو خالص یہودی خاندانوں کو آپس میں ملا دے گی......''

الیاسف کو اس کی باتیں گراں گزر رہی تھیں۔ وہ اس کی طرف سے کان بند کیے مسلسل حرقا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سوچ سوچ کر دکھی ہو رہا تھا۔ جو کچھ آئندہ پیش آنا تھا اس کا خیال اس کے دکھ میں اور بھی اضافہ کر رہا تھا۔

......اگلے دن وہ زمران اور اس کے گھر والوں کے بے پناہ اصرار کے باوجود وہاں نہ رک سکا اور بابل واپس روانہ ہو گیا۔

حال اور ماضی

اس خوب روشن وسیع خوبصورت اور شاندار ایوان میں سردار عمون اور اس کی بیوی عجیلہ مخملیں دیوان پر بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے قیمتی سرخ پتھر کی بنی ہوئی لمبی سی میز پر فواکہات مشروبات بھنا ہوا گوشت اور دیگر ماکولات سجے تھے۔ میز کے دوسری طرف اونچی مخملیں نشستوں پر ان کے تینوں بیٹے روبن، عمرام اور ارفیل بیٹھے تھے۔ لذت کام ودہن میں مصروف ان کے درمیان حالاتِ حاضرہ پر باتیں ہو رہی تھیں۔

''تو تمہارا یہ فیصلہ اٹل ہے کہ تم یہودیہ نہ جاؤ گے؟'' عجیلہ نے عمون سے استفہام کیا۔

عمون نے بلوریں ساغر سے پھلوں کے رس کا ایک جرعہ لیا۔

''ہاں قطعی ...... کوئی احمق ہی ہوگا جو اس برباد شدہ ملک میں جا کر اپنی دولت اور توانائیاں برباد کرنے کی سوچے گا۔ یہاں بابل میں اور آس پاس کے علاقوں میں جتنے بھی قدیم کلدانیہ کے قدیم یہودی ہیں وہ سب یہی کہتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی وہاں جانے کے حق میں ہیں۔ اپنے مذہبی مقامات سے محبت اپنی جگہ ہے۔ ہم یہ کریں گے کہ ان کی تعمیر نو کے لیے کچھ مال و دولت ضرور دے دیں گے۔''

''ایرانی اس شہر کو، بابل کو فتح کرنے کے بعد یہاں لوٹ مار اور تباہی و بربادی تو نہیں مچائیں گے؟''

''ہرگز نہیں ...... یہ ان کی روایت نہیں۔ وہ کسی مفتوح علاقے میں ایسی حرکتیں نہیں کرتے۔ وہاں کے باشندوں اور ان کی جائیدادوں سے کوئی تعرض نہیں کرتے۔ ان میں شرافت اور انسانیت ہے ...... یہاں کے باشندوں کے جان و مال ہر طرح سے محفوظ رہیں گے ......''

''تم نے اچھا ہی کیا جو فوج کی ملازمت ترک کردی ورنہ تمہیں بھی بل شزر کی فوج کے ایک اعلیٰ عہدیدار کی حیثیت سے ایرانیوں کے خلاف اپنے دستے کی کمان کرنی پڑتی اور رب موسیٰ وہارون پناہ میں رکھے، جانے کس حشر سے دوچار ہونا پڑتا۔ ایرانی تو بڑے زبردست سپاہی ہیں۔ فاتحین ارض ہیں......''

عمون نے سر کو جنبش دی۔

''بل شزر کی فوج ایرانیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی......'' اس کی آواز دھیمی تھی۔ ''بل شزر بے حد بہادر اور جرأت مند ہے۔ بڑا عمدہ سپاہی ہے۔ لیکن عقل وخرد سے عاری ہے۔ تمہیں میں نے یہ بات کبھی نہیں بتائی کہ اس نے چاہا تھا کہ اک فوج جرار لے کر بابل سے نکلے اور ایرانی سرحد پر پہاڑوں میں جا کر ایرانی افواج سے دو دو ہاتھ کرے۔ لیکن مجھ سمیت اس کے تمام ماتحت سالاروں نے اسے اس حماقت سے باز رکھا...... ورنہ اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ جنگجو اور تجربہ کار ایرانی آناً فاناً اس کی فوج کو مار کاٹ ڈالتے اور بابل میں آگھستے جہاں اس وقت نہ فوج موجود ہوتی نہ دفاعی انتظام......''

''نبونائی کا اس پر کیا کوئی بس نہیں؟''

''نبونائی ہی نے سے تمام بابلی افواج کی کمان سونپی ہوئی ہے۔ اس طرح اس نے بڑی عقل مندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ بل شزر کو اگر ایرانیوں کے مقابلے میں فتح ہوتی ہے تو اس کا اعزاز نبونائی کو جائے گا اگر شکست ہوتی ہے بل شزر اس کا ذمہ دار قرار پائے گا۔ اس وقت بل شزر کی افواج پر ہر طرح سے کیل کانٹے سے لیس سپار میں میڈیائی فصیل سے پرے ایرانیوں کی منتظر کھڑی ہیں......''

''حالات اچھے نہیں۔ کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہو جائے اور کب...... تمہیں تو عیلہ کو ہرگز ربلہ جانے کی اجازت نہیں دینی تھی......''

''بس اس کے اصرار کے آگے میں بے بس ہوگیا۔ تم جانتی ہو کہ میں نے اپنی لخت جگر کی خوشیاں ہمیشہ عزیز رکھی ہیں۔ پھر ربلہ اپنے نانا اور نانی کے پاس جانے میں تو کوئی

حرج نہیں تھا۔ وہ بڑے حفاظتی انتظامات کے ساتھ وہاں گئی ہے۔" عمون کے لہجے میں اپنی بیٹی کے لیے بے پناہ پدرانہ شفقت اور محبت کا رنگ تھا۔

عجیلہ نے سر جھٹکا۔

"تمہاری انہی ناز برداریوں اور لاڈ پیار نے اسے خودرائے اور خود پسند بنا دیا ہے۔ مجھے تو اس کا ربلہ جانا خطرے سے خالی نہ لگ رہا تھا۔ مگر تم نے اسی کی حمایت کی۔"

عمون نے بے ساختہ قہقہہ بلند کیا۔

"وجہ صرف ایک ہی تھی۔ میں اپنی عزیز از جان دختر کو مایوس اور ملول نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔"

"تم بس یہی باتیں کرو گے ......" عجیلہ نے سر جھٹکا اور اپنے ساغر میں پھلوں کا رس انڈیلنے لگی۔ عمون شوخ سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے بھنے ہوئے گوشت کی طرف متوجہ ہوگیا اور اسے چھری سے کاٹ کاٹ کر کٹے ہوئے پارچے بیٹوں کی طشتریوں میں رکھنے لگا۔

"قوعیلہ اب شادی کی عمر کو پہنچ گئی ہے۔ تم نے کیا سوچا ہے اس کی شادی کہاں کرنی چاہیے؟" جب وہ کھانے سے فارغ ہولیے، غلام اور کنیزیں برتن وغیرہ اٹھا کر لے گئے اور تینوں بیٹے ایوان سے نکل گئے تو عجیلہ نے عمون سے استفہام کیا۔

"وہ ابھی اتنی بڑی نہیں ہوئی۔ لیکن اس کی شادی کی فکر ہمیں بہرحال کرنی ہی ہے اور اس معاملے میں ہمیں اس کی مرضی اور پسند کا احترام کرنا ہوگا۔ ویسے سچ پوچھو تو میرا دل اتنی جلدی اپنی لخت جگر کو خود سے جدا کرنے کو نہیں چاہتا......"

عجیلہ کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

"اگر خود اس نے جلد شادی کے لیے اصرار کیا؟"

"ایسی صورت میں نا اگر اسے پسند آنے والا نوجوان اس قابل ہوا کہ جلد از جلد اس کی رفاقت کے لیے بے تاب ہوا جائے......"

عجیلہ بے اختیار ہنس دی۔ کمرے کی فضا نغمہ بارسی ہوگئی۔

"کم از کم میں تو تم سے شادی کے لیے ایسی بے تاب نہیں ہوئی تھی حالانکہ تم اس قابل واقعی تھے۔"

عمون نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

"میں تو تھا...... میں تو تم سے ابھی اور اسی وقت شادی کے لیے بے تاب ہوا جا رہا تھا۔ اگر مجھے سال بھر تک کے لیے سرحد پر نہ بھیج دیا جاتا تو میں اپنی خواہش کو ضرور عملی جامہ پہنا دیتا۔ خیر...... اس دیر سے کچھ نہیں بگڑا۔ ہماری شادی ہوگئی۔ گھر بس گیا......"

عجیلہ کی روح پر اچانک ہی ایک بوجھ سا آن پڑا تھا۔ بے ساختہ سی اس مزاحیہ چھیڑ چھاڑ نے اس کے دل کے نہاں خانوں میں برسوں سے چھپے درد کو یوں جگا دیا تھا کہ وہ بے تاب ہو اٹھی تھی۔ اس درد کی اذیت ناکی نے اسے بری طرح سے بے چین و بے قرار کر دیا تھا۔ اس نے مضطربانہ پہلو بدلا اور کچھ لرزاں سے ہاتھوں سے اپنے لیے بلوریں ساغر میں پانی انڈیلتے ہوئے اسے ایک دم ہی ہونٹوں سے لگا لیا۔ عمون مسرور لہجے میں جانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ اس کے کان کچھ نہ سن رہے تھے۔ اسے وہ ایک سال یاد آ رہا تھا۔ بڑی شدت سے یاد آ رہا تھا۔ اپنی تمام تر ستم گریوں کے ساتھ...... اپنی تمام تر بے رحمیوں کے ساتھ! اس کی روح کراہ رہی تھی...... دل خون ہوا جا رہا تھا۔ وجود پر گویا بھاری سلیں آ کر گر رہی تھیں۔ حالت بکھری جا رہی تھی۔ کانٹے پڑے حلق کو بمشکل تمام تر کرتے ہوئے اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے بلوریں ساغر میز پر رکھ دیا۔ اور گہری سانس لیتے ہوئے اپنی حالت سنبھالنے کی کوشش کی۔

"رب موسیٰ و ہارون کا لاکھ لاکھ شکر کہ میرے ماں باپ نے میری خوشیاں دیکھ لیں......" عمون اس کی کیفیات سے بے خبر اسی طرح مسرور لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "انہوں نے میری بیٹی کی پیدائش دیکھی پھر تینوں بیٹوں کی بھی۔ افسوس کہ انہیں زیادہ عرصہ زندہ رہنا نصیب نہ ہوسکا ورنہ انہیں یوں پھلتے پھولتے دیکھ کر وہ کتنے خوش ہوتے...... تمہارے ماں باپ واقعی بے حد خوش قسمت ہیں جو اپنے بچوں کے خاندانوں کو یوں پھلتا پھولتا دیکھ رہے

ہیں۔ لمبی عمر بھی ایک نعمت ہی ہے......"

"ایک حد تک ...... بڑھاپے میں اولاد کی طرف سے دکھ ملے تو یہ زحمت بن جاتی ہے۔ نرا عذاب......" عجیلہ بولی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ "چلو اب چل کر آرام کریں۔ یہ گرمیوں کی دوپہریں بھی کاٹے نہیں کٹتیں۔"

عمون اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"ہاں چلو...... مجھے نیند آ رہی ہے۔ گھر کا آرام وسکون بھی کیا شے ہے۔"

لیمگور بل کے بڑے سے کھلے ہوئے پیتل کے بھاری بھرکم پھاٹک سے اندر داخل ہو کر سیاہ تنومند گھوڑے پر سوار وہ مسافر گھوڑے سے اتر گیا۔ پھاٹک پر متعین محافظوں نے متجسسانہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ مسافر کوئی آرامی سوداگر دکھائی دیتا تھا۔ گھوڑے سے اتر کر اس نے اس کی لگامیں پکڑیں اور آگے بڑھ گیا۔ محافظ پھاٹک سے اندر داخل ہونے والے دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان کی نظروں میں وہ آرامی سوداگر ایک قطعاً بے ضرر سا آدمی تھا۔ ہر قسم کے شکوک وشبہات سے بالا۔

نمیتی بل سے گزر کر وہ آرامی سوداگر پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ہلکی رفتار سے اس سڑک پر ہو لیا جو اندرونِ شہر جا کر کئی حصوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ اسے معلق باغات تک پہنچنا تھا۔ وہاں سے وہ بآسانی اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا تھا۔

سڑک پر کچھ دور آگے چل کر اس نے اپنے تھیلے سے ایک جھلی نما کاغذ نکالا۔ اس کی تہیں کھولیں۔ وہ شہر بابل کا نقشہ تھا۔ وہ اس نقشے کی راہنمائی میں آگے بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ اس سڑک کے اس حصے تک آن پہنچا جہاں سے وہ کئی حصوں میں تقسیم ہو کر شہر کے مختلف حصوں میں جا نکلتی تھی۔ وہ نقشے کو دیکھتے ہوئے ایک ذیلی سڑک پر ہو لیا۔ اس ذیلی سڑک کے بعد دو تین اور سڑکیں عبور کرنے کے بعد وہ بالآخر معلق باغات تک جا پہنچا۔ وہاں سے اب اس کا راستہ بالکل آسان تھا۔ اس نے نقشہ تہہ کر کے تھیلے میں ڈال لیا اور اپنی

منزل تک پہنچنے والی سڑک پر ہولیا۔ اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کردی اور جلد ہی اس علاقے میں نکل آیا جہاں بڑے بڑے وسیع رقبوں کے شاندار رہائشی مکانات بنے ہوئے تھے۔ اس نے چند مکانوں کے سامنے اتر کر کچھ پوچھا گچھا۔ پھر بالآخر اپنے مطلوبہ مکان تک جا پہنچا۔ اس کے شاندار لمبے چوڑے بند دروازے کے سامنے پہنچ کر وہ گھوڑے سے اتر گیا اور دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد دروازے میں بنا ہوا چھوٹا سا دروازہ کھل گیا اور ایک ادھیڑ عمر دراز قامت شخص جس کے چہرے پر زخموں کے نشانات تھے اور ایک آنکھ بھی ٹیڑھی شاید بینائی سے محروم تھی باہر نکل آیا۔ وہ یوآب تھا۔

"رب موسیٰ وہارون کی رحمتیں ہوں تم پر اے مسافر۔ تم کون ہو؟ کس سے ملنا چاہتے ہو؟" بے پناہ خوش خلقی کے اس مظاہرے پر وہ مسافر کچھ حیرت زدہ سا ہوگیا۔

"کیا الیاسف یہیں رہتا ہے؟ وہ جو کوز پشت ہے؟" اس نے دریافت کیا۔

یوآب، کچھ متحیر سا ہوگیا اور گہری کریدتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں وہ یہیں رہتا ہے۔ تم کیا اس سے ملنے آئے ہو؟ تم ہو کون؟ آؤ اندر چلے آؤ۔ معلوم ہوتا ہے تم لمبا سفر کر کے آئے ہو۔" اس نے چھوٹا دروازہ بند کر کے پھاٹک کھول دیا۔ وہ مسافر گھوڑے سمیت اندر داخل ہوگیا۔

"اے اسود!" یوآب نے وہاں سے گزرتے ایک حبشی غلام کو آواز دی۔ "یہ اس مسافر کا گھوڑا اصطبل لے جا۔ آؤ اے اللہ کے بندے میرے ساتھ ......" اس نے مسافر سے کہا اور ایک طرف ہولیا۔ وہ مسافر کچھ جھجکا پھر اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔

اپنے رہائشی حصے میں پہنچ کر یوآب ایک حجرے میں داخل ہوگیا۔

"اے معزز مہمان ...... تم ذرا نہا دھو لو۔ اتنے میں میں تمہارے کھانے پینے کا انتظام کرتا ہوں۔ پھر تم اپنے متعلق مجھے کچھ بتانا۔"

اسی وقت غلام اسود اس مسافر کا سفری تھیلا لیے وہاں آن پہنچا اور وہ اسے دے کر چلا گیا۔

وہ مسافر...... آرامی سوداگر جب نہا دھو کر تبدیلی لباس سے فارغ ہو کر حجرے میں پہنچا

تو دستر خوان تیار تھا۔ یوآب اس کے سامنے فرشی نشست پر بیٹھا تھا۔

''آؤ اے معزز مہمان۔ یہاں بیٹھ جاؤ۔ بے تکلفی سے کھاؤ پیو۔ سفر کے دوران تمہیں اچھی طرح کھانے پینے کا موقع نہ ملا ہوگا۔''

مسافر دستر خوان پر جا بیٹھا۔

ناؤ نوش کے دوران ان کے درمیان ادھر ادھر کی باتیں ہوا کیں۔ پھر جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے اور غلام سب کچھ سمیٹ لے گئے تو یوآب اپنے مہمان کی طرف متوجہ ہوا۔

''ہاں اے اللہ کے بندے! اب بتاؤ تم کون ہو؟ تمہارا نام کیا ہے؟ کہاں سے آ رہے ہو؟ تم بابلی یا یہودی نہیں معلوم ہوتے۔''

''آپ کا خیال صحیح ہے محترم میزبان...... میں ایرانی ہوں ......'' اس مسافر نے اتنا ہی کہا تھا کہ یوآب نے ایک دم ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور جلدی سے اٹھ کر حجرے کا دروازہ بند کر کے اسے کھٹکا لگا دیا۔ اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔

''ہر چند کہ اس جگہ کسی مخبری یا جاسوسی کا خطرہ نہیں پھر بھی احتیاط اشد ضروری ہے۔ آج کل جو حالات ہو رہے ہیں ان کے پیش نظر بابل کے محکمہ جاسوسی کے آدمی ہر جگہ سازشوں کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ ہم یہودیوں کو تو وہ سخت شک وشبہ کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔'' اس نے تقریباً سرگوشی میں کہا۔

مسافر نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی اور اس کی طرف جھک گیا۔

''تو آپ بھی یہودی ہیں؟ کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ کوز پشت الیاسف سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟ آپ کی اس گھر میں کیا حیثیت ہے؟''

''میں آقا حزقی ایل کے اس گھر کا داروغہ ہوں۔ میرا نام یوآب ہے۔ میرا تعلق قدیم کلدانیہ کے قدیم یہودی خاندان سے ہے جو دشت تیہ سے ہجرت کر کے کلدانیہ میں آباد ہوا تھا۔ میرا خاندان حران میں رہا کرتا تھا۔ پھر یہاں بابل آ کر آباد ہو گیا۔ میرے ماں باپ بہن بھائی سب مر چکے ہیں۔ الیاسف میرا بیٹا ہے۔ اسے آقا حزقی ایل نے اپنے حقیقی

بیٹوں کی طرح پالا ہے۔ ہم باپ بیٹا عرصۂ دراز سے اس گھر میں افرادِ خاندان کی طرح رہ رہے ہیں۔ اس وقت الیاسف اپنے کسی کام سے اروک گیا ہوا ہے۔ تم اس کی واپسی تک یہیں رکے رہو۔"

"اچھی بات ہے محترم یوآب۔ میں اس کے آنے تک یہاں رک جاتا ہوں۔ مجھے اس سے جو ضروری کام ہے وہ مجھے کر کے ہی جانا ہے...... محترم یوآب یہاں کے لوگ قابل اعتماد ہیں نا؟ اس گھر کے لوگ؟"

"آج کل کے حالات میں کسی پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ تم احتیاط کرنا۔ کسی سے کوئی بات نہ کرنا۔ یہ تو ہرگز کسی کو نہ بتایا کہ تم ایرانی ہو یا میڈیا یا لیڈیا کے باشندے ہو۔ تم اپنی شکل وصورت اور حلیے سے آرامی سوداگر دکھائی دیتے ہو یہ ٹھیک ہے۔ اس طرح کوئی تمہاری طرف سے تشکیک میں مبتلا نہیں ہوگا۔ ہاں تم نے اپنا نام نہیں بتایا؟"

"میرا نام ہوشنک ہے۔ میں باختریا کا باشندہ ہوں۔ عظیم شہنشاہ کی فوج کے ایک دستے کا سالار ہوں۔ وہ مجھ پر بے پناہ اعتماد کرتے ہیں اور مجھ سے رازدارانہ پیغام رسانی کا کام بھی لیتے ہیں۔ اس وقت میں ایسے ہی ایک کام سے الیاسف کے پاس آیا ہوں۔"

"یعنی تمہیں عظیم شہنشاہ نے بھیجا ہے؟" یوآب کی پرسش سرگوشی سے بلند نہیں تھی۔ لیکن اس میں تحیر اور بے یقینی کا رنگ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی سب کچھ سمجھ چکا تھا۔

"جی ہاں...... لیکن ان کا پیغام میں صرف الیاسف کو ہی دوں گا......"

"ہاں بالکل۔ اس کی واپسی تک تم یہیں ٹھہرے رہو۔ بعید نہیں کہ اتنے میں آقا حزقی ایل بھی اپنے تجارتی سفر سے واپس آجائیں۔"

عجیلہ اس وقت اپنے اسی خاص ایوان میں بیٹھی تھی۔ اس کی بند کھڑکیوں اور دروازوں پر بھاری مخملیں پردے پڑے تھے۔ کمرے میں نیم تاریکی تھی۔ اس نیم تاریکی میں عجیلہ کے سامنے کچھ فاصلے پر مؤدبانہ سر جھکائے کھڑا ابلق بھی نیم تاریک سے ہیولے کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔

''تم تو بہت جلد واپس آ گئے ابلق۔ کیا تم نے اپنا کام کرلیا؟'' کمرے کی نیم تاریک فضا میں عجیلہ کی دھیمی سی آواز ابھری اس کے لہجے میں کچھ تشکیک کچھ حیرت کی جھلک تھی۔

''جی ہاں مالکن محترم۔ مجھے اس سلسلے میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔'' ابلق کی مؤدب آواز بھی دھیمی سی تھی۔ ''لیکن جب شار اریوک پر پہنچا تو میری ملاقات ایک پرانے شناسا سے ہوگئی۔ وہ حزقی ایل کے گھر کے سامنے واقع ایک امیر کے گھر میں ملازم ہے۔ میں گھوڑے سے اتر کر اس سے باتیں کرنے لگا۔ ہم دونوں اس کے محل کے پھاٹک کے باہر ہی کھڑے تھے۔ ہماری باتوں کے دوران ایک گھڑ سوار وہاں سے گزرا۔ وہ شخص کچھ عجیب سا ہی تھا۔ گھوڑے پر بیٹھے ہوئے بھی اس کی دراز قامتی نمایاں تھی۔ وہ چھریرے بدن کا ادھیڑ عمری کو پہنچتا ہوا شخص تھا۔ اس کے چہرے پر زخموں کے بے شمار نشانات تھے۔ ایک آنکھ ٹیڑھی تھی۔ اس کے بال گھنگھریالے سیاہ تھے۔ رنگ بھی سرخ و سفید تھا۔ شاید وہ کبھی بڑا حسین شخص ہوتا ہوگا۔ مجھے متحیرانہ اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے میرے دوست نے مجھے اس کے بارے میں بتایا کہ اس مرد عجیب کا نام یوآب ہے۔ وہ حزقی ایل سوداگر کے گھر کا داروغہ تھا۔ میری محتاط کھوج و کرید پر اس نے مجھے اس کی تمام کہانی کہہ سنائی۔ اس نے مجھے بتایا کہ جس دن حزقی ایل سوداگر کبڑے الیاسف کو کبار نہر کے کنارے کوڑے کے ڈھیروں سے اٹھا کر گھر لایا تھا تو اس کے دو تین دن بعد یوآب اس کے گھر پہنچا تھا۔ وہ بری طرح زخمی اور نیم مردہ سا تھا۔ اس کا چہرہ لہو لہان، ایک آنکھ کی بینائی تقریباً ختم اور جسم کی کئی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ ایک جبڑے کے کئی دانت بھی ٹوٹ چکے تھے۔ ایک ٹانگ بھی تقریباً ٹوٹی ہوئی تھی۔ اپنی اس حالت کی وجہ اس نے حزقی ایل کو یہ بتائی تھی کہ وہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ سپار سے بابل آ رہا تھا کہ قافلے پر صحرائی ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ جنہوں نے قافلے کا مال اسباب لوٹنے کے ساتھ خوب قتل و غارت بھی مچائی۔ کئی آدمی مار ڈالے کئی کو بری طرح زخمی کیا وہ بھی ان کے تشدد سے نہ بچ سکا۔ ڈاکو اسے نیم مردہ حالت میں چھوڑ کر چلے گئے۔ بعد میں پہنچنے والے ایک قافلے والوں نے اسے اور دوسرے زخمیوں کو بابل

پہنچایا۔ تھوڑا بہت علاج کروایا اور ایک سرائے میں چھوڑ کر چلے گئے۔ وہاں کچھ لوگوں نے اسے حزقی ایل سوداگر کا پتہ دیا کہ وہ بے حد ہمدرد فطرت، انسان دوست، رحم دل اور غریبوں بے نواؤں کے کام آنے والا آدمی تھا۔ وہ اس کے پاس چلا جائے۔ وہ اس کے کام آئے گا۔ اس کی دست گیری کرے گا۔ چنانچہ یوآب پوچھتا پاچھتا حزقی ایل کے گھر جا پہنچا۔ حزقی ایل نے اس سے بے پناہ ہمدردی کی۔ اس کا بہترین علاج معالجہ کروایا۔ اس کی بے حد عزت کی اور اسے اپنے گھر کا داروغہ بنا دیا۔ جانے یوآب نے اسے اپنے بارے میں کیا بتایا ہوگا کہ حزقی ایل نے نہ صرف اسے اپنے گھر کے داخلی و خارجی امور کا منتظم بنا دیا بلکہ سب کو اس کے احترام و تکریم کا حکم بھی دے دیا۔ وہ اس پر ہر طرح سے اعتماد کرتا ہے۔ اسی لیے اپنی بیٹی اور پورے گھر کو اس کے سپرد کر کے لمبے لمبے تجارتی سفروں پر چلا جاتا ہے۔ اس وقت بھی وہ ایسے ہی سفر پر گیا ہوا ہے......"

عجیلہ بے جان سے ڈھیر کی طرح دیوان پر بیٹھی تھی۔ اس کے اندر ایک طوفان سا برپا تھا۔ جس کے تیز و تند جھکڑوں سے اسے اپنا آپ سنبھالنا مشکل ہوا جا رہا تھا۔ اس کی سانسیں سینے میں اٹک رہی تھیں۔ حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔

"اور ...... الیاسف ...... اس کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے؟" اس نے بمشکل تمام اٹکتے اٹکتے تقریباً سرگوشی میں استفہام کیا۔

"میرے اس دوست نے مجھے بتایا تھا کہ یوآب الیاسف کبڑے سے بے پناہ پیار کرتا ہے۔ وہ اسے اپنا بیٹا کہتا ہے۔ اس پر خوب جان چھڑکتا ہے اس پر فدا ہوتا ہے۔ الیاسف بھی اس سے بے حد محبت کرتا ہے۔ ایک باپ کی طرح اس کی عزت احترام کرتا ہے۔"

"شکریہ ابلق ...... اب تم جاؤ......" عجیلہ کے حلق سے بمشکل ہی آواز نکل سکی۔

وفادار غلام مودبانہ خم ہوا اور ایوان سے نکل گیا۔

عجیلہ کا وجود تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

شاہِ بابل کا راز

شاہِ بابل نبونائی نئے سال کی تقریبات کے بعد اپنے محل میں ہی بیٹھا رہا۔ وہ بوڑھا ہو رہا تھا۔ وہ نقلی داڑھی اور بال لگاتا تھا۔ جس طرح اشوریہ کے حکمرانوں کو خوف ناک حلیے بنا کر اپنی رعایا اور دوسرے لوگوں کے سامنے آنے کی عادت تھی اسی طرح اس نے بھی اپنے حلیے کو ایسا ہی بنانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ وہ اپنی رعایا پر اپنا خوف طاری رکھنے کے لیے اشوری حکمرانوں کی نقل کیا کرتا تھا۔ دیوتاؤں کا خوف، بادشاہ کا خوف، بادشاہ کے ملازموں کا خوف سب مل کر رعایا کو دبائے رکھتے تھے۔

بابل کے معبدوں کے نگرانِ اعلیٰ زریا نے فالیں نکالنے کے بعد اعلان کیا کہ مردوک اہل شہر سے سخت ناراض ہے۔ اس کی ناراضگی ابھی تک دور نہیں ہو سکی ہے۔ اس اعلان کے دوہرے مقاصد تھے ایک تو یہ کہ اس سے نچلے طبقوں میں خوف وہراس پیدا کیا جا سکتا تھا۔ جس سے وہ مردوک کے پجاریوں کے خلاف ہو سکتے تھے۔ جو خفیہ طور پر اسے بابل کے سب سے بڑے خدا کی خدمتوں میں کوتاہی پر بھلا برا کہتے رہتے تھے۔ دراصل اساگیلہ کی چہار دیواری کے اندر پروہت اور پجاری اپنا کھویا ہوا اثر ورسوخ دوبارہ حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ وہ اسے دربار سے چھین لینا چاہتے تھے۔ بینار اور ایکیور کا معبد بھی شاہی محل کے خلاف سازشوں میں شریک تھے۔ مردوک کے طاقت ور پروہتوں پجاریوں کے سوا اور کوئی بھی نبونائی کو ملعون ومردود قرار نہ دیتا تھا۔ جس کے متعلق سب کو یقین تھا کہ وہ پاگل ہو چکا تھا۔ اس نے انسانی زندگی کے معاملات سے خود کو الگ تھلگ کر لیا تھا اور ہر دم نادیدہ قوتوں سے راز ونیاز میں مصروف رہنے لگا تھا۔

وہ طویل عرصہ تک بابل سے دور رہ کر مغربی سرزمینوں پر مسلسل سفر کرتا رہا تھا۔ اور دو

دریاؤں کے پاس کی سرزمینوں پر پہنچ کر اس نے اپنے آپ کو بے حد قدیم مقبروں اور معابد کی تعمیر نو میں مصروف کرلیا تھا۔ وہ اس نے کھدائی میں انتہائی قدیم مدفون تختیاں برآمد کی تھیں۔ ان کی تحاریر پڑھوانے کا انتظام بھی کیا تھا۔ اس نے دور مغربی صحرا میں تیما نامی مقام پر ایک قدیم شہر کے کھنڈرات دریافت کر کے اس شہر کو از سر نو تعمیر کروایا تھا۔ اور وہاں بڑی آب وتاب والے محلات اور معابد تعمیر کروائے تھے۔ اس کے لیے تمام تعمیراتی سامان بابل سے منگوایا جاتا رہا تھا۔ یوں اپنے آپ کو اساگیلہ سے غیر حاضر رکھتے ہوئے اس پیر فرتوت نے مردوک اور اس کے پجاریوں یعنی اپنے حریفوں کی عزت دو کوڑی کی کر کے رکھ دی تھی۔

پھر اس نے سمندر تک پہنچنے والے مغربی کاروانی راستوں کی تعمیر کروائی تھی۔ اس طرح اس نے بابل کو اس عظیم فاتح سائرس کی فتوحات کا معاوضہ دلانے کی کوشش کی تھی۔ ایرانی اب شمال کی طرف جانے والے تمام راستوں کے مالک تھے۔ یہ راستے اناطولی ساحل کے بالائی دریاؤں تک جا نکلتے تھے۔ یوں شمال کی سونا اگلنے والی زرخیز زمینیں ان کے قبضے میں تھیں۔ ساتھ ہی قدیم اشوری سلطنت کا تمام علاقہ بھی ان کے قبضے میں تھا۔ میڈیائیوں کے جانشینوں کی حیثیت سے وہ بڑے وسیع وعریض علاقوں کے مالک بن چکے تھے۔ فونیقی تجارتی بندرگاہیں اور سرزمین کنعان تک ان کی قلمرو میں شامل ہو چکے تھے۔ قوت واقتدار میں اب وہ بابل کی ٹکر کے بن چکے تھے۔ اسی طرح جنوب میں دوبارہ سر اٹھانے والے عیلامی دو دریاؤں کے دہانوں کی سرزمین پر اپنا دعویٰ جتا رہے تھے۔ ان دریاؤں کا ڈیلٹا اگر سمندر تک رسائی کے کام نہ آسکتا تھا تو کم از کم ماہی گیری کے کام ضرور آسکتا تھا۔

بابل کی افواج تعداد میں اتنی ہی زیادہ تھیں جتنی کہ مٹ جانے والے اشوریوں کی ہوا کرتی تھیں۔ بل شزر نے یہ دیکھ لیا تھا کہ نئی کلدانی افواج اشوریوں کی مانند جدید ترین اور نئے ہتھیاروں سے مسلح نہ تھیں۔ ان کے جنگی رتھ بہت بھاری اور مضبوط تھے۔ مگر انہیں صرف میدانوں میں لایا جاسکتا تھا۔ صرف جنگجو اور لڑاکے میڈیائیوں کے ساتھ اتحاد کر کے ہی کلدانی افواج اس قابل ہوئی تھیں کہ وہ نینوئی میں جا گھسیں اور اسے تباہ وبرباد کر

ڈالتیں۔ اب میڈیائی گھڑ سوار سائرس ہخامنشی کی ماتحتی میں آ گئے تھے۔ اور اساگیلہ کے منصوبہ ساز اس سے دو دو ہاتھ کرنے کے فیصلے کرنے لگے تھے۔ چونکہ اب صرف بابل ہی ایسا علاقہ باقی رہ گیا تھا جسے ایرانیوں نے فتح نہ کیا تھا۔ حالانکہ وہ میڈیا کے دارالحکومت اکبتانا اور سمندروں کے تمام علاقے جو بابل کے آس پاس تھے، فتح کر چکے تھے۔ بابلی سلطنت ایرانیوں کے دو اہم شہروں پارس گرد (اصطخر) اور اکبتانا اور بحیرۂ روم کے درمیان پھیلی ہوئی تھی۔ یہ مشرق اور مغرب کے تجارتی راستوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ اساگیلہ نے منصوبہ ساز ان راستوں کو اپنے لیے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ وہ فراعنہ مصر کے اتحادی چلے آ رہے تھے اور ہر قیمت پر اس اتحاد کو قائم رکھنا چاہتے تھے۔ اور فراعنہ یہ جاننے کے لیے بے تاب تھے کہ اب جب لیڈیا کی سلطنت باقی نہ رہی تھی تو دو دریاؤں کے اس تاریخی میدان کا مالک کون ہوگا؟ مصریوں نے پہلے حتیوں کی آمد دیکھی تھی پھر حریانیوں کی، پھر اشوریوں اور میڈیائیوں کی۔ پھر انہوں نے ان طاقتور شمالی اقوام کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے بھی دیکھا۔ مصری بابلیوں کو ہر قسم کی جنگی امداد دیا کرتے تھے۔ وہ اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ جب تک فرات کے کنارے مردوک کا شہر مضبوطی سے قائم تھا، کوئی حملہ آور نیل تک نہ پہنچ سکتا تھا۔

مصریوں سے امداد باہمی معاہدہ کے علاوہ اساگیلہ کے منصوبہ سازوں نے ایرانی بادشاہ کو شکست دینے کے لیے اپنی حکمت عملی مکمل کر رکھی تھی۔ یہ بخت نصر کی مضبوط قلعہ بندیوں کے سہارے بنائی گئی تھی۔ سب سے پہلے میڈیا کی دیوار کی رکاوٹ تھی جو سپار کے مقام پر دو دریاؤں کے درمیان واقع تھی۔ یہ فصیل اتنی مضبوط تھی کہ گھڑ سوار اسے فتح نہ کر سکتے تھے۔ اس کے عقب میں بل شزر کی افواج دشمن کی منتظر کھڑی تھیں۔ اس فوج کے عقب میں بابل کا شہر تھا۔ جو ناقابل تسخیر قلعے کی صورت کا تھا۔ اس کی دوہری فصیلوں تک پہنچ کر وحشی ایرانی اور میڈیائی سپاہی بے بس ہو جاتے۔ اسی طرح جیسے ان سے قبل وحشی سدی اور حوریانی ان فصیلوں کے قریب آ کر محض ان سے اپنے سر پھوڑ کر واپس چلے گئے

تھے۔ بابلی ایسی غلطی ہرگز نہ کرنا چاہتے تھے جیسا کہ لیڈیا کے حکمران کروئی سس نے کی تھی کہ اپنی فوجیں ایرانی بادشاہ سے لڑنے کے لیے اس کے پہاڑوں میں بھیج دیں۔ خود سربل شزر نے بھی ایسا ہی کرنا چاہا تھا مگر اسے جبراً اس حماقت سے باز رکھا گیا تھا۔

بابل میں تقریباً چھ سال سے سائرس ہخامنشی کا انتظار کیا جا رہا تھا اور اس عرصے میں وہ دنیا کے دور دراز کے مشرقی علاقوں کو فتح کرتا پھر رہا تھا۔ فصیلوں کو مضبوط بنانے کی قیمت بابلیوں کے سروں پر ایک بھاری بوجھ بن کر مسلط ہوگئی تھی۔ وہ اس بوجھ تلے سسک رہے تھے۔ کراہ رہے تھے۔ پھر جونہی سائرس کے سرحدوں پر نمودار ہونے کے آثار پیدا ہوئے تھے۔ نبونائی نے وہ زبرجد کی تختی ہر خاص وعام کے لیے پڑھنے کے لیے نصب کروا دی تھی۔ اس طرح اس نے فاتح ایرانی حکمران کو میدانِ عمل میں کودنے کا چیلنج دیا تھا۔ ساتھ ہی اپنی رعایا کو یہ یقین بھی دلایا تھا کہ وہ اپنے دشمن پر ضرور فتح یاب ہوں گے۔

اس سال ماہِ اکتوبر یعنی تشری کے نئے چاند کا پہلا گھنٹہ شروع ہونے پر نبونائی نے اساگیلہ میں اپنے تخت پر بیٹھ کر تاریخ دانوں اور تاریخوں کا حساب رکھنے والوں کو اس کا اعلان کرتے سنا اور توقع ظاہر کی کہ وہ مہینہ مردوک کی رعایا کے لیے بڑا سعد ثابت ہوگا۔ پھر تاریخوں کی تختیوں کے رکھوالوں نے پانی کی گھڑی کے اوپر پرانی علامت ہٹا کر نئے ہلال کی علامت لگائی اور نبونائی کو درازیٔ عمر اور سلامتی کی گھسی پٹی دعائیں دیتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوگئے۔ تقریباً تیرہ صدیوں سے یہ ستارہ دان سورج اور ستاروں کی چالوں کا صحیح صحیح حساب رکھتے اور ہر رونما ہونے والے واقعے کو ورطۂ تحریر میں لا رہے تھے۔ ہر زمانے کی تاریخ تختیوں پر لکھی جاتی رہی تھی۔ ماضی کے افکار اور رسوم ورواج کی سختی سے حفاظت کی جاتی تھی۔ ان میں کوئی تبدیلی گوارا نہ کی جاتی تھی۔ پجاریوں پروہتوں کے قول کے مطابق مردوک نے اپنے محبوب شہر بابل کو ابد تک کے لیے محفوظ کر رکھا تھا۔ نبونائی نے جب تخت اژدر پر اپنا دعویٰ کیا تھا تو کہا تھا کہ مردوک نے اسے خواب میں آ کر کہا تھا کہ وہ مردوک کا پسندیدہ اور محبوب بندہ ہے اور مردوک کے محبوب بندے بخت نصر کا جائز اور حقیقی

وارث ہے۔

تاریخ دانوں اور تاریخوں کا حساب رکھنے والوں کے جانے کے بعد معبد کے دو پجاری اس کے چبوترے کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک پجاری جس نے اپنے سر پر مردوک علامت بیلچہ والی پٹی باندھ رکھی تھی اپنی پیش گوئی سنانے لگا۔

''بہت جلد وہ آئے گا جس سے مردوک خوش ہے۔ مردوک یعنی ہمارا رب الارباب۔ ہمارا سب سے بڑا خدا۔ آنے والا مویشیوں کے ایک ریوڑ کی حفاظت کرنے والے چرواہے کی طرح ہوگا۔ وہ ان سب کو آزاد کردے گا جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے کراہ رہے ہیں۔ اس کی آمد مردوک کے پیارے شہر بابل کے لیے بڑی مبارک ثابت ہوگی......''

نبونائی نے اس پیش گوئی پر بے حد اضطراب اور بے چینی محسوس کی۔ بابل میں ہزاروں لاکھوں مویشی تھے ان کے چرواہے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے کراہ رہے تھے۔ اس پُراسراری پیش گوئی میں جو معنی خیزی پنہاں تھی اس نے اسے شدید الجھن میں مبتلا کردیا تھا۔ اس نے سوچا اسے اس سلسلے میں اپنی بیٹی شمورا سے بات کرنی چاہیے جو بڑی عالم وفاضل اور دانشمند تھی۔ وہ اپنا تمام وقت ''خداؤں کے زنداں'' میں گزارتی تھی جہاں وہ قدیم تختیوں اور جھلی نما کاغذوں پر لکھی ہوئی قدیم زبانوں کی تحریریں پڑھا کرتی تھی۔ خداؤں کے اس زیرِ زمین زنداں میں وہ تمام دیوتا جمع تھے جنہیں عظیم بخت نصر ان کے علاقے فتح کرتے وقت ان کے معبدوں سے بابل اٹھوا لایا تھا۔ اس وسیع وعریض نیم تاریک زنداں میں یہ سب دیوتا اپنے اپنے قدمچوں پر ایستادہ بے حد ہیبت ناک نظارہ پیش کر رہے تھے۔ کیونکہ یہ سب نہایت ہی خوف ناک عفریتوں کی صورتوں کے تھے۔

جب نبونائی خداؤں کے زنداں میں داخل ہوا تو اس نے وہاں اپنی بیٹی شمورا کو چراغ ہاتھ میں لیے سپار کے دیوتا شمش کے سینے پر کھدی تحریر پڑھتے پایا۔ یہ پرانا سمیری رسم الخط تھا جسے وہ بخوبی پڑھ سکتی تھی۔ اس نے اسے پجاریوں کی پیش گوئی کے بارے میں بتایا۔

''یہ غالباً کوئی پیش گوئی نہیں ہے نہ ہی اسے معمہ کہا جاسکتا ہے۔'' شمورا بولی۔ ''یہ

لوگ پجاری پروہت دراصل ایسی باتوں سے آپ کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جہاں تک چرواہے کا تعلق ہے تو وہ کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ یہ چالاک و چالباز لوگ اپنے میں سے کسی بھی شخص کو کھڑا کر کے اعلان کرسکتے ہیں کہ یہی ہے وہ آدمی جس کے آنے کی ہم نے پیش گوئی کی تھی۔ یہی ہے مردوک کا محبوب، اسے خوش کرنے والا۔ عوام ہر ایسی پیش گوئی پر یقین کرلیتے ہیں جو پوری ہونے والی ہو۔ آپ کو ان کے خلاف فوری قدم اٹھانا چاہیے اور ان کی عزت وتوقیر گھٹانے کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔"

"مجھے کیا کرنا چاہیے۔" نبونائی نے استفہام کیا۔

"آپ اروک کی دیوی عشتار کی ستارہ بردار شبیہ کے ساتھ دربار میں جائیے۔ آپ کی حیثیت اس کے انتہائی اطاعت گزار اور منظورِ نظر خادم جیسی ہو۔ پھر ہر جگہ...... اسا گیلہ کے باہر ہر جگہ اعلان کروائیے کہ عشتار بابل کو اپنی حفاظت میں لینے لگی ہے اور یہ بات اس دیوی نے آپ کو خواب میں آ کر کہی ہے۔ مردوک کے پجاری اس پر چراغ پا تو ضرور ہوں گے لیکن اس دیوی کی ہتک کرنے کی جرأت نہ کریں گے۔"

نبونائی نے اطمینان وسکون کی گہری سانس لی۔ عشتار جو بڑی جنگجو دیوی تھی۔ زرخیزی اور خوشحالی کی دیوی تھی۔ وہ مردوں عورتوں میں یکساں مقبول تھی۔ جو اس سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ اس کٹھن اور ابتلا کی گھڑی میں اس کا ظہور لوگوں پر زبردست اثر مرتب کرسکتا تھا۔

"خواہ کچھ بھی ہوجائے آپ کو صرف اور صرف عشتار ہی سے مدد مانگنی ہے۔" شمورا نے تاکیداً کہا۔

اپنے محل واپس پہنچ کر نبونائی اپنی خواب گاہ میں جانے کے بجائے غیر ارادی طور پر پھاٹک کی طرف مڑ گیا۔ اور اس کے دونوں طرف بنے ہوئے سنگ مرمر کے بنے ہوئے اڑتے ہوئے عفریتوں کے درمیان سے تیزی سے گزر گیا۔ اور وسیع وعریض صحن میں آ گیا۔ آسمان پر عشتار کا ستارہ نبو دیوتا کے ستارے سے زیادہ روشن اور چمک دار دکھائی دے رہا

تھا۔ اس کے علاوہ آسمان پر کسی شگون کی علامت موجود نہ تھی۔ ایک نیزہ بردار محافظ کی لالٹین کی روشنی صحن کی سنگی دیوار پر پڑ رہی تھی۔ اس دیوار کی سطح پر الفاظ یوں جگمگا رہے تھے گویا فاسفورس سے لکھے گئے ہوں۔ یہ الفاظ آرامی زبان میں تھے۔ نبونائی نے انہیں آسانی سے پڑھ لیا۔

''تیری سلطنت کے دن گنے جا چکے ہیں۔''

جب وہ صحن میں داخل ہوا تھا تو اس دیوار پر یہ الفاظ موجود نہیں تھے۔ وہ انہیں گھورتا رہا یہاں تک کہ وہ آہستہ آہستہ معدوم ہو گئے۔ انجانے خوف نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ لڑکھڑاتے قدموں سے وہ صحن سے گزر کر اندر چلا گیا۔ اس کی وہ تمام رات بے خواب گزر گئی۔ اگلے دن اس نے اپنے خواب یعنی عشتار کے خواب میں دکھائی دینے کا کوئی اعلان نہ کیا۔ بلکہ خاموش رہتے ہوئے حالات پہ نظر رکھنے لگا۔

عقل کی راہ

سنگ سرخ کے بنے ہوئے اس شاندار وسیع وعریض محل نما مکان کے کھلے ہوئے شاندار بڑے پھاٹک کے اندر داخل ہو کر وہ رتھ بلند قدمچوں کے قریب جا رکا۔ اس کے اگلے حصے سے دو حبشی غلام باہر نکلے۔ انہوں نے پچھلے دروازے کو کھولا اور اس پر سے پردہ ہٹا دیا۔ سیاہ لبادے اور نقاب میں ملفوف عجیلہ اس میں سے باہر نکل آئی۔ بلند قدمچے چڑھنے کے بعد ایک وسیع برآمدہ آتا تھا۔ جس میں ایک لمبی چوڑی غلام گردش کی محراب نکلتی تھی۔ عجیلہ کے اس میں داخل ہوتے ہی ایک مؤدب کنیز اس کی طرف چلی آئی۔

''اس طرف محترم خاتون ......'' وہ اسے ساتھ لیے ایک ایوان میں داخل ہوگئی۔ وہاں پہنچ کر عجیلہ نے اپنا نقاب اور لبادہ اتارا اور اس کنیز کے حوالے کر دیا۔ وہاں اوپر کی منزل پر جانے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔

''آئیے۔ مالکن اوپر موجود ہیں۔'' اس کنیز نے کہا۔ عجیلہ اس کی راہنمائی میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جا پہنچی۔ وہاں چند ایوانوں اور راہداریوں سے گزرنے کے بعد کنیز ایک نشست گاہ میں داخل ہوگئی۔

''مالکن محترم ...... یہ خاتون آپ سے ملنے آئی ہیں۔'' اس نے وہاں موجود معروف یہودی تاجر حرمیاہ کی بیوی مریم سے کہا۔

عجیلہ کمرے میں داخل ہوگئی۔

''رب موسیٰ وہارون کی رحمتیں ہوں تم پر......''

''ارے عجیلہ تم!'' مریم ایک دم ہی دیوان سے اٹھ کر اس سے لپٹ گئی۔ ''یقین نہیں آ رہا کہ تم واقعی یہاں آئی ہوئی ہو۔ تمہیں تو برسوں ہو جاتے ہیں گھر سے نکلتے۔'' اس چہکار

کے ساتھ وہ کنیز کی طرف مڑی۔ ''اے ارکا! جا عبقلہ سے کہہ اچھی خاطر تواضع کا انتظام کرے۔ آؤ عجیلہ یہاں بیٹھ جاؤ۔ بڑی طویل مدت بعد لیکن تم یہاں آئی تو سہی۔''

عجیلہ مسکراتی ہوئی اس کے سامنے دیوان پر بیٹھ گئی۔

''ہاں سناؤ۔ آج ہماری یاد کیسے آ گئی۔ اب تو یہ حال ہو چکا ہے کہ تم سے ادھر ادھر کی تقریبات میں ہی ملاقات ہونے لگی ہے۔ کسی کے گھر جانے کی تو تم نے گویا قسم کھا لی ہے۔''

''نہیں ایسی بات نہیں۔ سب کی محبت تو اپنی جگہ ہے۔ بس میں بہت کم ہی گھر سے نکلتی ہوں اور یہ شروع ہی سے میری عادت رہی ہے۔''

شاید بھائی عموں تمہارا ادھر ادھر جانا پسند نہیں کرتے؟''

''نہیں انہوں نے مجھ پر کوئی قدغن نہیں لگا رکھی۔ ہاں وہ یہ ضرور چاہتے ہیں کہ جب وہ گھر پر ہوں تو میں کہیں نہ جایا کروں۔''

مریم نے قہقہہ لگایا۔

''ایسا تو ہونا ہی ہوتا ہے۔ بیوی بھی اگر تم جیسی ہو تو۔ ہاں اس وقت انہوں نے تمہیں کیسے یہاں آنے دیا؟''

''وہ گھر پر نہیں۔ وہ چند دن ہوئے تو عیلہ کو لینے ربلہ گئے ہوئے ہیں۔ اسی لیے تم مجھے یہاں دیکھ رہی ہو۔''

ان کے درمیان آپس کی اور ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ اس دوران کنیزوں نے ان کے سامنے مرمریں میز کھڑی کر کے اس پر قسما قسم ماکولات و مشروبات لا کر سجا دیئے۔

عجیلہ نے اپنے لیے بلوریں ساغر میں پھلوں کا رس انڈیلا۔ اس کا ایک جرعہ لیا اور کچھ لاپروایانہ سے لہجے میں کہنے لگی۔

''یہ تمہارے گھر کے سامنے کون رہتا ہے؟ سڑک پار کے مکان میں؟ میں نے اس کے پھاٹک سے ایک لڑکے کو گھوڑے پر سوار باہر نکلتے دیکھا تھا۔ وہ لڑکا بہت خوبصورت تھا

لیکن افسوس اس کی پشت پر کوبڑ ابھرا ہوا تھا۔ کیا وہ ان گھر والوں کا بیٹا تھا؟"

"کبڑا الیاسف؟ نہیں وہ اس گھر کے مالک حزقی ایل سوداگر کا کچھ نہیں لگتا۔ بلکہ اس گھر کے کسی بھی فرد سے اس کا کوئی رشتہ نہیں۔ حزقی ایل سوداگر اسے کبار نہر کے کنارے سے کوڑے کے ڈھیر میں سے اٹھا کر اپنے گھر لے آیا تھا اس وقت اس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس نے ایک حقیقی بیٹے کی طرح اس کی پرورش و پرداخت کی ہے۔ وہ اسے بے حد عزیز رکھتا ہے۔"

"حزقی ایل کی اپنی کوئی اولاد نہیں؟" عجیلہ نے جانتے بوجھتے استفہام کیا وہ بڑی ہوشیاری سے اپنے مطلب کی طرف آ رہی تھی۔

"ایک ہی بیٹی ہے حرقا...... جس کی پیدائش کے تھوڑے عرصہ بعد اس کی بیوی انتقال کر گئی تھی اس کے بعد حزقی ایل نے دوبارہ شادی نہیں کی۔ یہ حزقی ایل بھی عجیب ہی آدمی ہے عجیلہ۔ اس نے اپنے گھر میں ایسے ایسے نمونے جمع کر رکھے ہیں کہ یہاں کے لوگ اسے پاگل اور سودائی قرار دیتے ہیں۔ ایک تو یہ کبڑا الیاسف ہے۔ بے حسب ونسب کا کوڑے کے ڈھیروں کی پیدائش۔ دوسرا نابینا صدقیا ہے۔ جسے وہ مارے ہمدردی کے جانے کہاں سے پکڑ لایا تھا۔ وہ اپنے اندھے پن کی وجہ سے کسی کام کا نہیں۔ بس آرام سے روٹیاں توڑتا اور مزے کی گزر بسر کر رہا ہے۔ ایک اور شخصیت بڈھی ایارخہ کی ہے۔ جو فالج زدہ اور بالکل نکمی ناکارہ سی عورت ہے۔ جس کا کام غلاموں کنیزوں پر خواہ مخواہ کی دھونس جمانے اور اپنی خدمتیں کروانے کے اور کچھ نہیں۔ اس سے سب ڈرتے اور نفرت کرتے ہیں لیکن حزقی ایل کے خوف سے اسے کچھ نہیں کہتے۔ جس نے اسے ماں کا درجہ دے رکھا ہے۔ ایک پیر فرتوت یرمیاہ ہے جس کا کام صرف چیخم دھاڑ مچانا اور ہر وقت جانوروں کی طرح منہ چلاتے رہنا ہے......"

عجیلہ بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

"واقعی خوب بھانت بھانت کے نمونے جمع کر رکھے ہیں حزقی ایل نے۔"

''صرف یہی نہیں۔ ایک نمونہ اور بھی ہے۔ انتہائی گھناؤنا سا نمونہ۔ اس کے تذکرے سے تو مجھے قے آنے لگتی ہے وہ.....'' مریم کی بات جاری ہی تھی کہ ایک کنیز اندر چلی آئی۔

''مالکن محترم...... آقا آپ کو نیچے بلا رہے ہیں۔'' اس نے مؤدبانہ مریم کو اطلاع دی۔ مریم اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

''عجیلہ تم آرام سے کھاؤ پیو۔ میں ابھی آئی۔''

اس کے جانے کے بعد عجیلہ نے اپنا بلوریں ساغر خالی کر کے میز پر رکھا اور اپنی نشست پر سے اٹھ کر ٹہلتی ہوئی سی باہر کے رخ بنے ہوئے جھروکے کا پردہ تھوڑا سا ایک طرف سرکاتے ہوئے سامنے حزقی ایل کے گھر کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ بلا مقصد ہی ہرگز وہاں مریم کے گھر نہ آئی تھی۔ جب سے اس نے ابلق غلام کی زبانی یوآب کے بارے میں تفصیلات سنی تھیں۔ اس کا تجسس ناقابل برداشت ہوا جا رہا تھا۔ وہ یہ جاننے کے لیے ہر دم بے تاب ومضطرب رہنے لگی تھی کہ یہ یوآب آخر کون ہو سکتا تھا۔ اس کے حالات عجیب پر اسرار سے تھے۔ اس کی شخصیت بھی اس کے دل میں شکوک وشبہات پیدا کر رہی تھی۔ اسے بے چین و بے سکون کر رہی تھی۔ اس کی یہ بے چینی اضطراب وتجسس اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ اس نے بالآخر خود یوآب کو دیکھنے اور اس کی اصلیت معلوم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ خاصا مشکل کام تھا لیکن مریم کے گھر کا خیال آتے ہی اسے اپنی خواہش پوری ہوتی دکھائی دینے لگی تھی جو اس کی معلومات کے مطابق اسی علاقے میں، حزقی ایل سوداگر کے گھر کے سامنے رہتی تھی۔ مریم اس کی کوئی خاص سہیلی نہیں تھی۔ لیکن ان کے مابین انتہائی خوشگوار تعلقات تھے۔ اس کے خیال میں مریم یوآب کی شخصیت کے بارے میں اسے کافی تسلی بخش معلومات بہم پہنچا سکتی تھی۔ کیونکہ دوسروں کے معاملات کی کھوج کرید اس کی پرانی عادت تھی۔

اس جھروکے سے کچھ دور حزقی ایل کے گھر کے اندر کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ وہ گھر کا [illegible] نے کا حصہ تھا۔ پھاٹک اور بلند دیوار کے باہر ایک وسیع صحن آتا تھا۔ جس میں اس

وقت دو تین رتھ جن میں گھوڑے جتے ہوئے نہیں تھے دکھائی دے رہے تھے۔ ان سے کچھ فاصلے پر اندر جانے کے لیے بلند قد مچے بنے ہوئے تھے۔ اس وقت صحن خالی دکھائی دے رہا تھا۔ پھر قدمچوں کے ایک طرف چمن کے رخ سے ایک آدمی نمودار ہوا۔ وہ دبلا پتلا دراز قامت آدمی تھا جو کچھ لنگڑا کر چل رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے عجیلہ کچھ چونکی اور توجہ سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ تنفس کی رفتار تیز ہوگئی تھی۔ وہ آدمی قدمچوں کے گرد سے چکر لگا کر ایک رتھ کی طرف بڑھ گیا۔ رتھ کے پچھلے کھلے ہوئے حصے میں شاید رتھ بان کوئی کام کر رہا تھا۔ اس آدمی کے قریب آتے ہی وہ رتھ بان رتھ کے اندر سے نکل کر اس کی طرف چلا آیا۔ دراز قد لنگڑاتا ہوا آدمی پوری طرح دھوپ کی زد میں تھا۔ جب اس نے رتھ بان کی طرف رخ کیا تو اس کا چہرہ پوری طرح عجیلہ کے سامنے آ گیا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ سی گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔

"اوریاہ!" اس کی جگر دوز پکار سرگوشی سے بلند نہیں تھی۔

بلاشبہ وہ اوریاہ ہی تھا! اس کا بچپن کا پیارا سا ساتھی! اس کا پرخلوص جان نثار رفیق! اس کا شوہر...... وہ اسے لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ وہ زندہ تھا! وہ جیتا جاگتا اس کے سامنے موجود تھا! ہر چند کہ وہ بری طرح سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا وجیہ و حسین چہرہ زخموں کے نشانات سے داغدار خاصا کریہہ بلکہ گھناؤنا سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھ حلقے سے باہر نکلی ہوئی اور ٹیڑھی تھی۔ ایک جبڑے کے دانت ٹوٹنے کے سبب وہ رخسار اندر دھنسا ہوا تھا۔ نچلا ہوٹ بھی کٹا ہوا تھا۔ وہ اسے فوراً پہچان گئی تھی۔ آہ! اس کے ساتھ بھی کیا ظلم ہوا تھا! بیس سال پہلے کے زمانے کو وہ کیا بھول سکتی تھی؟

اپنے لرزاں وجود کو ستون کا سہارا دیے وہ کسی مسحور کی طرح یوآب یا اوریاہ کو دیکھے جا رہی تھی۔ گزرے ہوئے بیس سال اس کے سر پر چٹانوں کی طرح آ آ کر گر رہے تھے۔ اس کے ہوش وحواس مختل ہوئے جا رہے تھے۔ ذہن پر تاریکیاں مسلط ہو رہی تھیں۔ دل پھٹا جا رہا تھا۔ یوآب یا اویارہ کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار سیاہ پردے تن

رہے تھے۔

وہ زندہ تھا! زندہ سلامت اس کے سامنے موجود تھا! اس کے باپ نے، اس کے بھائیوں نے، اور اس کی ماں نے اس کے ساتھ کیسا جھوٹ بولا تھا کہ وہ مر چکا تھا۔ بابل سے سپار جاتے ہوئے ڈاکوؤں کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا۔ اس کی لاش وہیں راستے میں دفنا دی گئی تھی! کتنے جھوٹے تھے یہ لوگ! اس وقت اپنے شدید دکھ اور غم میں اسے یہ خیال نہ آیا تھا کہ اس کے بھائی عجلون اور قطرون جو اس کے ساتھ سپار کا سفر کر رہے تھے کیسے ڈاکوؤں کے حملے سے زندہ بچ گئے تھے۔ انہیں تو معمولی سی گزند بھی نہ پہنچی تھی! معاملہ کچھ اور ہی تھا ...... معاملہ کچھ اور ہی ہو سکتا تھا......

''عجیلہ!'' اسی وقت اسے اپنے قریب ہی آواز سنائی دی۔ وہ چونک کر مڑی۔ اس کے سامنے مریم کھڑی تھی۔

''ارے یہ کیا ہوا ہے تمہیں؟'' اس کا لہجہ گھبرایا ہوا سا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی نظریں سامنے اٹھ گئیں ...... حزقی ایل کے صحن میں یوآب یا اوریاہ اور رتھ بان باتوں میں مصروف کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔

''اوہ اچھا! چلو تم اندر چلو جلدی سے! تمہیں تو یہاں نکلنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ اس حرام صورت کو دیکھ کر ہر کسی کا یہی حال ہو جاتا ہے......'' وہ عجیلہ کا ہاتھ پکڑے اندر نشست گاہ میں چلی آئی۔

''یہ لو یہ پیو۔ تمہاری حالت سنبھل جائے گی۔ اتنی نفرت کرتے ہیں لوگ اس عفریت سے اور حزقی ایل ہے کہ اسے گھر سے نکالنے کا نام ہی نہیں لیتا۔'' جلے کٹے لہجے میں اتنا کہتے ہوئے اس نے عجیلہ کے بلوریں ساغر میں پھلوں کا رس انڈیلا اور ساغر اس کی طرف بڑھا دیا۔

عجیلہ نے بمشکل تمام اپنی حالت سنبھالتے ہوئے ساغر سے ایک جرعہ لیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے اپنے حواس کچھ ٹھکانے آتے محسوس ہوئے۔ مریم بدستور جلے کٹے لہجے میں

یوآب کو برا بھلا کہنے کے ساتھ ہی حزقی ایل کی بھی مذمتیں کر رہی تھی۔

''تمہیں شاید معلوم نہ ہو۔لیکن ایسا کئی بار ہو چکا ہے کہ یہاں رہنے والے بت پرست بابلیوں نے اس منحوس کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے......''

''ہائے وہ کیوں؟ وہ بدصورت ہے تو اس میں اس کا کیا قصور؟'' عجیلہ اس وقت اپنے آپ کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔

''ان کا کہنا ہے کہ یوآب منحوس ہے۔جس دن ان کی اس پر نظر پڑتی ہے وہ دن ان کے لیے انتہائی منحوس ثابت ہوتا ہے۔ان کے نزدیک یوآب ان کے رب الارباب مردوک کا پھٹکارا ہوا بندہ ہے...... میں چاہتی ہوں یوآب قتل تو نہ ہو لیکن یہاں سے دفعان ضرور ہو جائے۔اسے دیکھتے ہی میری تو طبیعت الٹنے لگتی ہے۔قے آنے لگتی ہے۔صرف میں ہی نہیں یہاں کے سب ہی لوگ یہی کہتے ہیں......''

عجیلہ کے خیالات بہت دور پہنچے ہوئے تھے۔

''وہ ہمیشہ سے ہی ایسا نہیں ہوگا۔اسے دیکھتے ہوئے لگتا ہے کبھی وہ بے حد حسین رہا ہوگا۔''

''اس سے ہمیں کیا واسطہ یا مطلب؟ بس میں چاہتی ہوں یہ منحوس عنقریب یہاں سے دفعان ہو جائے۔ یہاں کے سب لوگ کہہ رہے ہیں کہ اب حزقی ایل آتا ہے تو وہ اس سے کہیں گے کہ اس حرام صورت کو اپنے گھر سے نکال دے۔ بت پرست بابلی تو کہہ رہے ہیں کہ اگر حزقی ایل نے انکار کیا تو وہ ضرور یوآب کو قتل کر کے چھوڑیں گے!''

''توبہ! نفرت کی بھی انتہا ہے۔ ہاں کیا گھر اکیلی ہو؟ بیٹی رفاتہ نہیں دکھائی دے رہی اور دوسرے بچے......'' عجیلہ نے روئے سخن دوسری طرف موڑ دیا۔

''سب بچے اس وقت اپنی دادی سے ملنے گئے ہوئے ہیں۔شام کو ہی ان کی واپسی ہوگی۔ اگر رفاتہ کو معلوم ہوتا تم آنے والی ہو تو وہ ہرگز نہ جاتی۔تم سے بڑی محبت کرتی ہے نا وہ۔''

دونوں کے درمیان بچوں کے بارے میں باتیں چھڑ گئیں۔

پھر کچھ دیر گزرنے کے بعد عجیلہ جانے کے لیے اپنی نشست سے اٹھ گئی۔

''اب میں چلتی ہوں ...... تمہارے ساتھ بہت پر مسرت اور پر لطف وقت گزرا۔ اب تم میرے گھر آنا۔ رفاتہ کو تو ضرور ساتھ لانا......''

مریم مسکرا دی۔ اسے معلوم تھا کہ عجیلہ اپنے بڑے بیٹے روبن کے لیے رفاتہ پر نظر رکھے ہوئے تھی۔

''ضرور لاؤں گی۔ خاطر جمع رکھو۔''

نیچے بیرونی قدمچوں پر پہنچ کر عجیلہ نے مریم کو الوداع کہی اور رتھ میں جا بیٹھی اور گھر روانہ ہوگئی۔ اوریاہ کو مدتِ دراز بعد اپنے سامنے زندہ سلامت دیکھ کو جو صدمہ اور دکھ اسے پہنچا تھا۔ جو حیرت ہوئی تھی اس کی لہر اس کے ذہن سے گزر چکی تھی۔ اب وہ کچھ اور ہی سوچے جا رہی تھی۔ پر اسراریت وتشکیک کے دبیز غبار میں ملفوف بیس سال پرانے المیے کی کھوج وکرید کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن وہ ہر قیمت پر یہ کام کر ڈالنا چاہتی تھی۔ وہ اب ویسے بھی ایک نو عمر اٹھارہ انیس سالہ دوشیزہ، ناسمجھ وناتجربہ کار نہ رہی تھی بلکہ پختہ عمر کی تجربہ کار فہیم وفطین، ہوشیار وپختہ کار عورت بن چکی تھی۔ جو اپنا کام کرنا جانتی تھی۔

گھر پہنچ کر وہ رتھ سے اتری اور اندر چلی آئی۔ ایوان میں اس کے شوہر کا غلام خاص میکاہ اس کا منتظر تھا۔ اسے دیکھ کر اسے خاصی حیرت ہوئی۔

''میکاہ کیا اکیلے آئے ہو؟ تمہارے آقا اور بیٹی قوعیلہ نہیں آئے تمہارے ساتھ؟''

غلام مؤدبانہ اس کے سامنے خم ہوا۔

''جی ہاں مالکن محترم ...... میں تنہا ہی آیا ہوں۔ آقا عمون اور صاحبزادی قوعیلہ ربلہ سے سدرک چلے گئے ہیں۔ وہاں آقا محترم کے کچھ رشتہ دار رہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے یہاں بھیج دیا ہے کہ آپ کو یہ اطلاع دے دوں تاکہ آپ ان کی طرف سے پریشان نہ ہوں......''

''ہوں ...... ٹھیک ہے۔ جاؤ تم جا کر آرام کرو ......'' عجیلہ نے کہا اور غلام گردش میں ہولی۔

یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا۔ اب وہ اطمینان سے ربلہ جا سکتی تھی۔ وہاں اس کے ماں باپ اب اکیلے تھے۔ روبن اور عمرام بڑے بیٹوں کو وہ گھر چھوڑ سکتی تھی۔ وہ سن شعور کو پہنچ چکے تھے اور سمجھ دار اور ہوش مند تھے۔ لیکن چھوٹا ارفیل ابھی چھ ہی سال کا تھا۔ وہ اس کے بغیر نہ رہ سکتا تھا وہ ظاہر ہے اسے گھر پر نہ چھوڑ سکتی تھی۔

اوپر اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے کنیزوں کو اپنے اور ارفیل کے کپڑے اور دیگر ضروری چیزیں صندوقوں میں رکھنے کی ہدایت کی اور خود اپنے خاص ایوان میں جا کر دیوان پر بیٹھ گئی۔ وہاں کی تنہائی، خاموشی اور نیم تاریکی اسے ہمیشہ راحت وسکون بخشا کرتی تھی۔ سوچ وفکر کرنے کے لیے اس کا ماحول اور فضا انتہائی سازگار تھے۔

دیوان پر بیٹھتے ہی اس کے سامنے بیس سال پرانے ماضی کے دریچے کھلتے چلے گئے۔

اس وقت اس کا نام عجیلہ نہیں سارا ہوا کرتا تھا۔ اس کا باپ عبدیاہ نہیں حاشوم کہلاتا تھا اور ماں یوکبد نہیں حرمہ کہلاتی تھی۔ یہی ان کے اصلی نام تھے۔ اس کے دو بڑے بھائی جو عمر میں اس سے کافی بڑے تھے جو اب عجلون اور قطرون تھے۔ موآب اور اراب کہلاتے تھے۔ دشت تیہ سے ہجرت کے بعد قدیم کلدانیہ میں آ بسنے کے بعد سے لے کر اب تک یہ یہودی خاندان ہر طرح سے خالص یہودی چلا آ رہا تھا اس لیے اس کے تمام مرد وزن انتہائی حسین وجمیل تھے۔ اس کا باپ حاشوم حران سے تعلق رکھتا تھا جبکہ ماں حرمہ ربقہ کی یہودن تھی۔ ان کی شادی دونوں خاندانوں کے سربراہوں کی دوستی کے سبب ہوئی تھی۔ اس وقت حاشوم ربلہ میں ایک ادنی درجے کا دکاندار تھا۔ جس کی دکان بمشکل ہی گھر کے اخراجات پورے کرتی تھی۔ ان کے گھر میں ہر دم مفلسی اور تنگ دستی ڈیرے ڈالے رکھتی تھی۔ اتنی غریبی اور معاشی بدحالی میں ان میاں بیوی کے لیے اپنا گزارا بھی مشکل تھا۔ حاشوم کے خاندان کی طرح حرمہ کا خاندان بھی انتہائی غریب اور پریشان حال خاندان تھا اس لیے دونوں خاندان ایک

دوسرے کی مدد کرنے سے یکسر قاصر تھے۔ حاشوم کے ماں باپ حران میں اپنے بڑے بیٹے یرمیاہ کے پاس رہا کرتے تھے۔ جو ایک امیر کبیر سوداگر کا ملازم ہونے کے سبب کچھ خوشحال تھا۔ اس کی بیوی شادی کے کچھ عرصہ بعد انتقال کر گئی تھی۔ جس کے بعد اس نے ماں باپ کے اصرار کے باوجود دوسری شادی نہ کی تھی۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا اوریاہ۔ جو باپ کے ساتھ ہی دادا اور دادی کی بھی آنکھوں کا تارہ تھا۔ اس کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد حاشوم اور حرمہ کے ہاں دو بیٹے موآب اور اراب پیدا ہوئے تھے۔ ان تینوں کے درمیان بے حد محبت اور دوستی تھی۔ چند سال گزرنے کے بعد جب حاشوم کے ماں باپ انتقال کر گئے تو یرمیاہ اوریاہ کو اس کی تنہائی اور اکیلے پن کے سبب حاشوم کے گھر لے آیا۔ حاشوم کے گھر میں غربت تھی، فاقہ مستی تھی۔ لیکن اسے بڑے بھائی اور بھتیجے سے بے حد محبت تھی۔ اس کا دل بھی وسیع تھا۔ اس نے ایک بیٹے کی طرح اوریاہ کو اپنے گھر رکھ لیا۔ اور اسے پدرانہ شفقت سے نوازنے لگا۔ حرمہ بھی اسے ماں کا پیار دینے لگی۔ بھائیوں کا پیارا اسے موآب اور اراب سے مل گیا۔ یرمیاہ خود حران میں ہی رہتا تھا جہاں اسے اپنے مالک سوداگر کے ساتھ دور دور کے تجارتی سفروں پر جانا ہوتا تھا۔ وہ اپنے محنتانے سے حاشوم کی خاصی مالی مدد کر دیا کرتا تھا جس سبب اس کے خاندان کو اب کچھ اچھا کھانے پہننے کو ملنے لگا تھا۔ پھر کچھ عرصہ بعد حاشوم اور حرمہ کے ہاں ایک نہایت حسین وجمیل بیٹی نے جنم لیا۔ انہیں اس کی پیدائش پر بے پناہ خوشی ہوئی۔ انہوں نے اس کا نام سارا رکھا اور اسے اپنی بھرپور توجہ اور محبت دینے لگے۔ اور باوجود غربت کے اسے اچھا کھلانے پہنانے لگے۔ موآب اور اراب بھی اپنی اس ننھی بہن پر جان چھڑکتے تھے۔ اسے بے پناہ پیار کرتے تھے۔ لیکن اوریاہ تو گویا اس ننھی گڑیا پر فدا تھا۔ وہ اس کی ایسی خبر گیری کرتا تھا اور اس سے ایسا پیار کرتا تھا کہ دیکھنے والوں کو رشک آتا تھا۔ ننھی سارا جب کچھ بڑی ہوئی تو وہ بھی اپنے بھائیوں کے بجائے اوریاہ کے ساتھ ساتھ لگی رہنے لگی۔ ان کی یہ معصوم محبت دیکھ کر حاشوم اور حرمہ ہنسا کرتے اور انہیں خوب پیار کرتے۔ انہوں نے اپنے طور یہ بات طے کر رکھی تھی کہ ان کے

بڑے ہونے پر، جب اوریاہ کچھ کام کرنے کمانے لگے گا تو ان کی آپس میں شادی کردیں گے۔ اوریاہ انہیں ویسے بھی بے حد پسند تھا۔ وہ بڑا تمیزدار، شائستہ اطوار، نہایت اچھی عادتوں کا مالک تھا۔ شدید غربت کے باوجود حاشوم اسے اور اپنے بیٹوں کو دینی و دنیاوی اچھی تعلیمات دلا رہا تھا۔ اسے امید تھی کہ یہ تعلیمات انہیں اچھی ملازمتیں دلا دیں گی۔ یا وہ اچھے اور کامیاب کاروباری بن جائیں گے۔ معاشی طور پر خوشحال ہوجائیں گے۔ سارا کی تعلیم وتربیت کی طرف سے بھی اس نے کوئی لاپروائی نہ برتی تھی۔

پھر ایسا ہوا کہ ایک طویل تجارتی سفر سے واپسی پر یرمیاہ شدید بیمار پڑ گیا۔ حاشوم کو اس کی اطلاع ملی تو وہ اسے اپنے ساتھ ربلہ لے آیا اور حتی المقدور اس کا بہترین علاج معالجہ کرنے لگا۔ لیکن یرمیاہ کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد حاشوم ربلہ کی رہائش ترک کرکے اپنے خاندان کے ساتھ حران چلا گیا جہاں یرمیاہ کا بڑا سا مکان واقع تھا۔ یرمیاہ اپنے پیچھے کچھ مال و دولت بھی چھوڑ گیا تھا۔ جو اس نے اوریاہ کے حوالے کردی۔ جو اب نوجوانی کی عمر کو پہنچ رہا تھا۔ اس نے اس مال و دولت سے چھوٹے پیمانے پر تجارت شروع کردی جو اسے تھوڑا بہت منافع بھی دینے لگی۔ حاشوم نے حران کے ایک ساہوکار کے ہاں ملازمت کرلی۔ موآب اور اراب بھی ادھر ادھر یومیہ اجرت پر کام کرنے لگے۔ یوں ان کے معاشی حالات میں کچھ بہتری کے آثار نمودار ہونے لگے۔

سارا، اوریاہ سے چھ سال چھوٹی تھی۔ بچپن کا لگاؤ اور پیار اب باقاعدہ محبت ووابستگی کا روپ دھار چکا تھا۔ جوانی کی عمر کو پہنچ کر اوریاہ اپنے باپ ہی کی مانند دراز قد چھریرے جسم کا مالک، نہایت خوب رو اور حسین نوجوان بن چکا تھا۔ ظاہری حسن ووجاہت کے ساتھ ہی وہ حسن سیرت کی دولت سے بھی مالا مال تھا۔ حاشوم اور حرمہ اسے ہر طرح سے اپنی بیٹی کے اہل وقابل سمجھتے تھے۔ غریب غربا کے طبقے سے تعلق رکھنے کے سبب وہ کوئی اونچے قسم کے خواب دیکھنے والے لوگ نہیں تھے۔ اوریاہ ان کی بیٹی کو اچھی طرح سے رکھ سکتا تھا۔ ان سے بہتر کھلا پلا سکتا تھا۔ ان کے لیے یہی کافی تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ اوریاہ اور سارا کی شادی

کے بعد وہ واپس ربلہ چلے جائیں گے۔ کیونکہ اوریاہ کی حیثیت ان کے داماد کی ہو جانی تھی۔

سارا اس وقت عنفوانِ شباب میں قدم رکھ رہی تھی۔ ہر سال گزرنے کے ساتھ اس کے حسن و جمال میں بے پناہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ بھرپور شباب کی عمر کو پہنچ کر تو اس کا حسن و جمال ایسا خیرہ کن ہو چکا تھا کہ دیکھنے والے اسے انسان نہیں کوئی ماورائی مخلوق سمجھنے لگتے تھے۔ حران میں رہتے ہوئے حاشوم اور حرمہ نے یہ کیا تھا کہ کسی سے راہ و رسم نہ بڑھائی تھی۔ ہمسایوں سے بھی برائے نام ہی میل جول رکھا تھا۔ اس لیے ان کے اندرونِ خانہ حالات سے کسی کو بھی آگاہی نہیں تھی۔ اور یہ بات آگے چل کر ان کے حق میں بہتر ہی ثابت ہوئی تھی۔

حران میں رہتے ہوئے موآب اور اراب کے لیے کسی بہتر روزگار کے مواقع نہیں تھے۔ اس لیے انہوں نے قسمت آزمائی کے لیے بابل جانے کا فیصلہ کیا۔ حاشوم اور حرمہ نے بھی اس پر اعتراض نہ کیا۔ چنانچہ دونوں بھائی بابل چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر موآب نے تو ایک ساہوکار کے دفتر میں حساب دانی کی ملازمت کر لی جبکہ چھوٹا اراب ایک بابلی امیر کا رتھ بان بن گیا۔ ان بھائیوں نے غرباء کے رہائشی علاقے میں ایک مکان بھی خرید لیا جو خاصہ خستہ حال تھا مگر قابل رہائش تھا۔

پھر جب اوریاہ چوبیس سال کا ہوا اور سارہ اٹھارہ سال کی ہو گئی تو جیسا کہ طے تھا، ان کی شادی کر دی گئی۔ اس شادی میں گنے چنے لوگوں ہی نے شرکت کی۔ جو دور دراز کے رشتے دار تھے۔ جن سے حاشوم اور حرمہ کا میل جول برائے نام ہی تھا۔ جنہیں ان کے حالات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جو ان ہی کی مانند غریب غرباء تھے۔ موآب اور اراب بھی اس شادی میں شرکت کے لیے بابل سے پہنچے تھے۔ بخیر و خوبی یہ رسم دنیا پوری کرنے کے بعد حاشوم اور حرملہ واپس چلے گئے۔ جہاں حاشوم نے اپنی پرانی چھوٹی سی دکان سنبھال لی اور اپنے پرانے ٹوٹے پھوٹے سے گھر کو پھر آباد کر لیا۔ جبکہ موآب اور اراب بابل واپس چلے گئے۔

اوریاہ اور سارا شادی سے پہلے بھی ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ شادی کے بعد تو ان کی محبت میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ محبت بھرا باہمی عزت واحترام، ایک دوسرے کی مرضی اور خواہشات کے احترام، سارا کی خدمت گزاری اور حسن سیرتی نے ان کی زندگی کو واقعی جنت کا نمونہ بنا دیا۔ غربت اور معاشی تنگی کے باوجود ان کی زندگی خوشیوں مسرتوں سے بھرپور پر امن و پرسکون زندگی تھی۔ اوریاہ ہر طرح سے اس کے لیے مثالی رفیق حیات ثابت ہوا تھا۔ ایک تو اپنے چچا کے احسانات اور مہربانیوں کا احساس تھا دوسرے سارا سے محبت اور اس کے جذبات کا خیال۔ وہ ہر طرح سے اس کا خیال رکھتا اور اس پر جان چھڑکتا تھا۔ حاشوم اور حرمہ جب کبھی ان سے ملنے حران آتے تھے تو انہیں یوں خوش اور مطمئن دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ موآب اور اراب بھی کبھی کبھار حران آجاتے تھے۔ اپنی عزیز از جان بہن کی سرور و مطمئن زندگی انہیں بھی مطمئن اور خوش رکھتی تھی۔

حرمہ اکثر بابل جا کر اپنے بیٹوں کے پاس رہا کرتی تھی۔ غربت کے سبب اور کچھ مناسب وموزوں رشتے نہ ملنے کے سبب موآب اور اراب کی ابھی تک شادیاں نہ ہوسکیں تھیں۔ یہ بات حرمہ اور حاشوم کو خاصا پریشان اور دکھی رکھتی تھی۔ یہ دونوں بھائی اب پختہ عمروں کو پہنچ رہے تھے لہٰذا ان کی شادیاں اور ان کے گھر بستے دیکھنا دونوں میاں بیوی کی دلی خواہش تھی۔ جو پوری ہونے کے دور دور تک آثار نہ دکھائی دے رہے تھے۔ سارا بھی چاہتی تھی کہ اس کے بھائیوں کے گھر بس جائیں۔ ان کے سونے گھروں میں ان کے بچے کھیلیں کودیں۔ اس کے ماں باپ کو بھی بڑھاپے میں ان کی خوشیاں دیکھنی نصیب ہوں۔ اب اس کے اور اوریاہ کے چمن میں بھی ایک پھول کھلنے والا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اس موقع پر اس کی ماں اس کے پاس حران آجائے تاکہ وقت ولادت اس کی خبر گیری کر سکے۔ لیکن جب اوریاہ نے ربلہ جانے والے اپنے ایک واقف کار کے ذریعے اپنی ساس کو یہ پیغام بھجوایا تو اس نے واپسی پر آکر بتایا کہ وہ اس وقت ربلہ میں نہیں تھی۔ بلکہ بابل اپنے بیٹوں کے پاس گئی ہوئی تھی۔ اس پر اس نے اور سارہ نے باہم مشورے سے طے کیا کہ سارا کو اپنی ماں کے پاس

بابل چلے جانا چاہیے۔ بچے کی ولادت میں ابھی کچھ دیر تھی اور وہ حران سے بابل تک کا سفر آسانی سے کرسکتی تھی۔ چنانچہ وہ رخت سفر باندھ کر ایک رتھ میں سوار ہو کر بابل روانہ ہوگئے۔ ان کا یہ طویل سفر خاصا تکلیف دہ اور پر صعوبت گزرا۔ انہیں راستے میں جگہ جگہ مختلف شہروں اور قصبات میں سراؤں میں آرام کے لیے رکنا پڑا۔ پھر جب وہ بابل پہنچے تو ان کی حالتیں بے حد خستہ ہو رہی تھیں۔ موآب اور اراب نے وہاں جو مکان خرید رکھا تھا وہ شہر کے انتہائی غریب طبقے کے علاقے میں واقع تھا اور بڑی خستہ وشکستہ حالت میں تھا۔ لیکن رہائش کے لحاظ سے غنیمت ہی تھا۔ سارا کے وہاں پہنچتے ہی اس کی ماں اس کی دیکھ بھال اور خبر گیری میں لگ گئی۔ بیٹی کے ماں بننے کے خیال سے وہ بے حد خوش تھی۔ موآب اور اراب بھی اپنی بہن کا بے حد خیال رکھ رہے تھے۔ اوریاہ وہاں رہتے ہوئے اپنے لیے کاروباری مواقع تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اسے بابل میں اپنے لیے معاشی خوشحالی کے مواقع دکھائی دے رہے تھے۔ وہ حران کو خیر باد کہہ کر وہاں آباد ہوجانے کا بھی سوچنے لگا تھا اور اس معاملے میں اسے سارا اور اپنے تمام سسرالیوں کی تائید بھی حاصل تھی۔

اس علاقے میں رہتے ہوئے سارا اور اس کی ماں نے کسی سے میل جول نہ رکھا تھا۔ اس لیے کوئی بھی ان کے حالات سے واقف نہیں تھا۔ ویسے بھی ہر دم فکر معاش میں پریشان ومبتلا وہاں کے لوگوں کو کسی کے حالات سے کوئی غرض نہیں تھی۔ یہ بات بھی آگے چل کر ان کے حق میں بہت بہتر ثابت ہوئی تھی۔

سارا اپنی حالت کے پیش نظر گھر سے باہر نہ نکلا کرتی تھی۔ اس شہر بے مثال کی سیر کا اسے بے حد شوق تھا۔ جو ابھی تک پورا نہ ہوا تھا۔ وہ کبھی کبھار گھر سے بہت دور سے گزرنے والی بڑی سڑک کی رونق کا نظارہ کرنے گھر کے بوسیدہ سے جھروکے میں آ کر کھڑی ہوجایا کرتی تھی۔ ایک دن وہ اسی طرح اس جھروکے میں کھڑی اس سڑک کی رونقوں کا نظارہ کررہی تھی کہ اس علاقے سے گزرنے والی چھوٹی سی ٹوٹی پھوٹی سی سڑک پر وہاں واقع مکانات کے عقب سے نکل کر ایک گھڑ سوار وہاں آنکلا۔ وہ چھوٹی سڑک شکستہ وبوسیدہ

مکانات کے بالکل قریب سے گزرتی ہوئی دور جا کر ایک بڑی سڑک سے جا ملتی تھی۔ وہ گھڑ سوار جو بڑے شاندار اور تنومند مشکی گھوڑے پر سوار تھا۔ ہلکی رفتار سے گھوڑا دوڑاتا ہوا اس سڑک پر سے گزرتے ہوئے شاید بڑی سڑک کی طرف ہی جا رہا تھا۔ سڑک کے ایک طرف واقع مکانات کی قطار کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کی نظر یونہی اس جھروکے کی طرف اٹھ گئی جہاں سارا کھڑی تھی۔ اس نے ایک دم ہی گھوڑا روک دیا اور بڑی پر شوق نظروں سے جن میں بے پناہ حیرت اور دلچسپی کے ساتھ ہی وارفتگی اور والہانہ پن کی جھلک بھی تھی، اسے دیکھنے لگا۔ اس کے یوں دیکھنے سے سارا بے طرح گھبرا گئی۔ اور فوراً ہی جھروکے سے کمرے میں چلی آئی۔ اسے شرم بھی بہت آ رہی تھی۔ وہ اب تک کسی غیر مرد کے سامنے بغیر پردے اور نقاب کے نہ آئی تھی۔ یہ پہلا غیر مرد تھا جس نے اسے یوں بے پردگی کی حالت میں دیکھا تھا۔ اس کے بے پناہ حسن و جمال نے اسے مبہوت و مسحور سا ضرور کر دیا تھا لیکن اسے اس کی نظروں میں ہوسنا کی اور شیطانیت نہ دکھائی دی تھی۔ کمینگی اور گرسنگی نہ نظر آئی تھی۔ بلکہ اس کی نظریں پاکیزہ تھیں۔ ان میں مچلتے جذبات پاکیزہ تھے۔ اس کے وجیہہ وحسین چہرے پر خاندانی نجابت وشرافت کی جھلک تھی۔ اس کی شخصیت بڑی پروقار اور رعب دار تھی۔ اس نے لباس بھی بے حد قیمتی اور نفیس پہن رکھا تھا۔ اس نے ایرانیوں کی طرح گھٹنوں تک اونچے چمچماتے چمڑے کے جوتے پہن رکھے تھے۔ وہ سپاہیانہ شان سے گھوڑے پر بیٹھا بڑا شاندار اور پروقار دکھائی دے رہا تھا حالانکہ اس کی عمر زیادہ نہ دکھائی دیتی تھی۔ بلکہ وہ اوریاہ کا ہی ہم عمر معلوم ہوتا تھا۔ اس کی ظاہری شخصیت اسے کسی امیر کبیر گھرانے کا فرد ظاہر کرتی تھی۔ اپنے چہرے مہرے رنگ وروپ سے وہ بھی یہودی معلوم ہوتا تھا۔ شاید اس کا تعلق بابل کے قدیم یہودیوں کے کسی خاندان سے تھا۔

ہر چند کہ کسی نامحرم مرد کے بارے میں سوچنا، جبکہ وہ کسی اور کی بیوی تھی ہرگز اچھی بات نہیں تھی، سارا اس تمام دن اسی شاندار گھڑ سوار کے بارے میں سوچتی رہی۔ اس نے اس گھڑ سوار کا تذکرہ گھر میں کسی سے نہ کیا۔ لیکن جب دو تین دن گزرنے کے بعد اس کے

گھر بابل کے ایک امیر کبیر و بارسوخ یہودی خاندان کی دو کنیزیں اپنی مالکہ کی طرف سے یہ پیغام لے کر آئیں کہ وہ اس گھر والوں سے ملنے آنا چاہتی ہے تو اس کی ماں نے اس سے اس پر حیرت کا اظہار کیا اس پر اس نے اپنی نوعمری کی سادگی میں اسے اس گھڑ سوار کے بارے میں بتا دیا۔ اس وقت اس کی ماں کے چہرے پر جو تاثرات ابھرے وہ بے حد ہی عجیب اور ناقابل بیان سے تھے۔ اس نے اسے سختی سے ہدایت کی کہ وہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلے ان کنیزوں کے سامنے نہ آئے۔ اس نے ان کنیزوں کی اچھی خاطر داری کی ان سے بے حد خوش اخلاقی سے پیش آئی اور انہیں کہہ دیا کہ ان کی مالکن بصد شوق ان کے غریب خانے پر تشریف لائیں۔ انہیں بے پناہ خوشی ہوگی۔

اس رات اس کی ماں نے اپنے دونوں بیٹوں موآب اور اراب کے ساتھ ایک کمرے میں بند ہو کر جانے کیا کھچڑی پکائی کہ اگلے دن وہ دونوں بھائی اوریاہ کو ساتھ لے کر بابل سے کہیں باہر چلے گئے۔ اسی شام ایک شاندار رتھ جس میں چھ مشکی گھوڑے جتے ہوئے تھے ان کے ٹوٹے پھوٹے سے گھر کے سامنے آ کر رکا۔ جھروکے سے اس کا نظارہ کرتے ہی سارا کی ماں حرمہ نے اسے سختی سے اپنے کمرے میں بند رہنے اور خاموش رہنے کا حکم دیا۔ اور آنے والے مہمانوں کا استقبال کرنے چلی گئی۔ کمرے میں بند سارا کو بالکل معلوم نہ ہوسکا کہ اس شاندار رتھ میں کون ایسے معزز مہمان آئے تھے۔ ان کی ماں سے کیا باتیں ہوتی رہی تھیں۔ لیکن جب وہ مہمان رخصت ہوئے اور ماں نے اسے کمرے سے باہر نکلنے کی اجازت دے دی تو اس نے دیکھا تھا کہ ماں بے حد ہی مسرور وشاداں دکھائی دے رہی تھی۔ ساتھ ہی کچھ فکر مند اور پریشان سی بھی تھی۔ اس کے پوچھنے پر اس نے اسے ان مہمانوں کے بارے میں کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ بلکہ اسے سختی سے تاکید کی کہ وہ اب کبھی جھروکے میں جا کر نہ کھڑی ہو اور نہ ہی گھر سے باہر کبھی نکلے۔ اسے ماں کے رویے اور اس کی ہدایتوں پر بے حد حیرت ہوئی تھی۔ لیکن وہ خاموش ہی رہی تھی۔ اب ویسے بھی بچے کی پیدائش کا وقت قریب آ رہا تھا اور ماں جانے کیوں اس سلسلے میں کڑی راز داری کا اہتمام

کر رہی تھی۔

بچے کی پیدائش سے چند دن پہلے موآب اور اراب گھر آن پہنچے۔ وہ اکیلے تھے۔ اوریاہ ان کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ بے حد دکھی اور افسردہ دکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے اسے اور ماں کو بتایا کہ سپارسفر کے دوران ان کے قافلے پر صحرائی ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا تھا اور بے حد لوٹ مار اور قتل وغارت مچائی تھی۔ وہ تو اپنی جانیں بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے لیکن اوریاہ نہ بچ سکا۔ ڈاکوؤں کے چلے جانے کے بعد جب وہ قافلے کے راستے میں پہنچے تھے انہیں اوریاہ کی ٹوٹی پھوٹی لاش وہاں بہت سی دوسری لاشوں کے درمیان ملی۔ انہوں نے بچ نکلنے والے مسافروں کے ساتھ مل کر اس کی لاش بھی دوسری لاشوں کے ساتھ وہیں صحرا میں دفنا دی۔ انہوں نے یہ المناک واقعہ سارا کو اور ماں کو خوب اشکوں سے منہ دھوتے ہوئے سنایا۔ ماں کو اپنی بیٹی کی بیوگی کا دکھ تو ہونا ہی تھا۔ سارا پر سے تو قیامت ہی گزر گئی۔ کئی دنوں تک وفورِ رنج وصدمے سے وہ بے حال خواب وخور اپنے اوپر حرام کیے رہی۔ اوریاہ اس کے لیے کیا تھا...... اس کی جدائی نے ایسی موت نے اس پر کتنا ستم ڈھایا تھا۔ کس دکھ واذیت سے اسے دوچار کیا تھا۔ یہ وہی جانتی تھی۔ ماں اور بھائیوں کی تسلیاں دلاسے بھی اس کا غم غلط کرنے میں ناکام جا رہے تھے۔

اوریاہ کی موت کی خبر سن کر حاشوم بھی بابل آن پہنچا۔ وہ بیٹی کو سینے سے لگا کر بہت ہی رویا۔ اوریاہ اسے بے حد عزیز تھا۔ جان سے عزیز...... وہ اس کے مرحوم بھائی کی نشانی تھا۔ اس کی موت کا اسے جو دکھ ہونا تھا وہ قدرتی بات تھی۔ لیکن نوعمر ونوجوان بیٹی کا غم جواب ماں بھی بننے والی تھی اس پر مستزاد تھا۔ وہ بے حد مغموم اور دکھی تھا۔ سارا کو دیکھ کر رو دیا کرتا تھا۔ اسے بے حد تسلیاں دلاسے دیا کرتا تھا۔ اسے اچھے اور بہتر مستقبل کی امید بندھاتا تھا۔ اس کی باتوں نے، پیار وشفقت، تسلی دلاسوں نے جب تک وہ وہاں رہا سارا کی ڈھارس بندھائے رکھی۔ پھر وہ ربلہ واپس چلا گیا۔

حاشوم کے ربلہ واپس چلے جانے کے بعد سارا کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی۔ اس کی

ماں چونکہ خود ایسے امور کی ماہر اور تجربہ کار دایہ تھی۔ اس لیے اس نے کسی اور عورت کو اس موقع پر نہ بلوایا۔ بلکہ خود ہی بیٹی کو تخلیق کا مرحلہ طے کروا دیا۔ بچے کی پیدائش سے پہلے سارا شدید درد سے بے حال ہوئی جا رہی تھی۔ اس لیے اس نے اسے پیالہ بھر گرم دودھ پلا دیا تھا جس میں سے عجیب سی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ وہ دودھ پیتے ہی سارا کا درد تو کم نہ ہوا لیکن اس پر مدہوشی بلکہ بے ہوشی طاری ہو گئی۔ وہ جانے کب تک بے ہوش رہی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی ماں اور بھائی اس کے سامنے رنج و غم کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ ماں تو باقاعدہ آنسو بہا رہی تھی اور اس کے پہلو سے بچہ غائب تھا!

اس پر اک وحشت اور جنون سا طاری ہو گیا۔ وہ دیوانہ وار بچے کو ادھر ادھر تلاش کرنے اور چیخ پکار کرنے لگی۔ اس کی ماں اور بھائیوں نے بمشکل تمام اسے قابو میں کیا۔ جب اس کی حالت کچھ سنبھلی تو انہوں نے اسے بتایا کہ اس کے ہاں مردہ بچے کی پیدائش ہوئی تھی۔ شاید یہ اوریاہ کی موت کا دکھ اور غم تھا جس نے اس پر بہت برا اثر ڈالا تھا اور اس کا بچہ بھی زندہ نہ رہ سکا تھا۔ وہ بہت دیر تک بے ہوش رہی تھی۔ اس لیے انہوں نے اس کے مردہ بچے کو یہودیوں کے قبرستان میں دفنا دیا تھا۔ اس خبر نے تو اس پر قیامت ہی توڑ دی۔ اسے اپنے بچے کو دیکھنا تک نصیب نہ ہوا اور ننھی جان منوں مٹی تلے گم کر دی گئی۔ کتنے ہی دنوں تک اس کی حالت پاگلوں جیسی رہی۔ اس کی ماں اور بھائی اسے تسلیاں دلاسے دیتے رہے۔ اس کی حالت سنبھالنے کی کوشش کرتے رہے۔ پھر ایک دن وہی شاندار رتھ پھر ان کے گھر آن پہنچا۔ اس کی ماں نے جھروکے سے اسے آتے دیکھ کر بھاگم بھاگ اسے نئے اور عمدہ کپڑے پہنوائے، بنایا سنوارا اور اس کی خوشامدیں اور چاپلوسیاں کرنے لگی کہ وہ اس رتھ میں آنے والے مہمانوں کے سامنے سنبھل کر اور وقار سے نمودار ہو۔ انہیں ہرگز نہ بتائے کہ وہ ایک بیوہ عورت تھی جس نے ابھی تخلیق کا مرحلہ بھی طے کیا تھا۔ وہ ان کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آئے۔ شرمگیں انداز اپنائے۔

اس شاندار رتھ میں آنے والے مہمان ایک نہایت امیر کبیر اور با رسوخ یہودی

خاندان کی بیگم اور اس کی کنیزیں تھیں۔ وہ عورت بڑھاپے کو پہنچنے کے باوجود نہایت صحت مند و تندرست پر وقار شاندار اور خوبصورت تھی۔ اس نے نہایت بیش قیمت لباس اور زیورات پہن رکھے تھے۔ حرمہ اس کے سامنے بچھی جا رہی تھی اس نے اس کی نہایت عمدہ و اعلیٰ خاطر تواضع کی۔ پھر اس عورت کے کہنے پر اس نے سارا کو لے جا کر اس سے ملوایا۔ سارا کو دیکھتے ہی اس عورت کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ مبہوت و مسحور سی اسے دیکھنے لگی۔ شاید ایسا بے پناہ حسن و جمال اس کی نظروں سے نہ گزرا تھا۔ پھر اس نے ہوش وحواس میں آتے ہوئے اٹھ کر سارا کو گلے لگایا۔ اس کی پیشانی چومی اور اس کی ماں سے کہا کہ اس کے بیٹے نے واقعی لا جواب ہی انتخاب کیا تھا۔ راکھ میں سے ایک ہیرا ڈھونڈ نکالا تھا۔ اب وہ جلد از جلد اسے اپنے گھر لے آئے گی۔ حیران و پریشان الجھن زدہ سی سارہ کو اس معاملے کی کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی۔ پھر جب وہ عورت وہاں سے رخصت ہوگئی تو اس کی ماں نے اسے تمام باتیں کہہ سنائیں۔

وہ گھڑ سوار جسے اس نے جھروکے سے دیکھا تھا وہ بابل کے انتہائی امیر کبیر بارسوخ یہودی خاندان صدوقی سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا نام عمون تھا۔ اس کا باپ بڑی وسیع وعریض جائیدادوں کا مالک تھا۔ جن میں بہت سی ایرانی سلطنت میں بھی پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کا تعلق بھی قدیم کلدانیہ کے قدیم یہودی خاندان سے تھا اور نسل ہا نسل تک ان کے خون میں کوئی ملاوٹ نہیں تھی۔ عمون اپنے ماں باپ کی واحد اولاد تھا۔ اسے سپاہیانہ زندگی پسند تھی اس لیے وہ بابل کی فوج کا ایک اعلیٰ عہدیدار تھا۔ وہ اب تک غیر شادی شدہ چلا آ رہا تھا۔ اس کی ماں اس کے لیے ادھر ادھر رشتے دیکھ ہی رہی تھی کہ عمون کو خود اپنے لیے ایک لڑکی دکھائی دے گئی۔ وہ اس سے شادی کے لیے بے تاب ہونے لگا۔ اس نے فوراً ہی اپنی ماں کو رشتے کے لیے اس کے گھر بھیج دیا۔ یعنی سارا کے گھر۔ اس وقت اس نے صاف اور واضح لفظوں میں رشتہ نہ مانگا تھا بلکہ سارا کو دیکھنے کی خواہش کی تھی۔ جس پر اس کی ماں نے یہ کہہ کر اسے ٹال دیا تھا کہ وہ اس وقت بابل سے باہر گئی ہوئی تھی۔ سارا کو اس پر بے حد حیرت

ہوئی تھی کہ آخر اس کی ماں نے عمون کی ماں کو یہ کیوں نہ بتایا تھا کہ وہ شادی شدہ تھی اور ماں بھی بننے والی تھی۔ اس نے جب ماں سے یہ بات کہی تھی تو اس نے مبہم سا ہی جواب دیا تھا۔ پھر اوریاہ مر گیا اس کے بعد اس کا بچہ بھی زندہ نہ رہا۔ عمون کی ماں جو کچھ دنوں بعد دوبارہ آنے کا کہہ گئی تھی۔ آن پہنچی۔ اس نے سارا کو دیکھا اور بری طرح سے اس پر ریجھ گئی۔ وہ اب جلد از جلد اسے بیاہ لانے کی بات کر کے گئی تھی اور ماں کی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔ لیکن ساتھ ہی وہ کچھ فکر مند اور پریشان سی بھی تھی۔ کیونکہ سارا ابھی ابھی زچگی سے فارغ ہوئی تھی اور اس کی حالت ایسی نہ تھی کہ فوراً ہی اس کی شادی کر دی جاتی۔ عمون کی ماں کو تو اس کے حسن کی چکا چوند نے اس کے سراپے پر عذر کرنے کی مہلت نہ دی تھی۔ لیکن شادی کے وقت یہ بات ضرور کھل جاتی۔ خود سارا بھی اتنی جلدی اپنے آپ کو شادی کے لیے تیار نہ پا رہی تھی۔ اسے ایک تو اوریاہ کا غم تھا دوسرے اپنے بچے کا دکھ۔ اس کی ذہنی حالت ابتر تھی۔ ان صدمات سے سنبھلنے کے لیے کچھ عرصہ چاہیے تھا۔

قسمت شاید ان پر مہربان تھی جو عمون کو اپنے فوجی دستے کے ساتھ ایرانی سرحدات پر جانا پڑ گیا۔ اس کی ماں نے سارا کی ماں سے کہہ دیا کہ وہ بیٹی کو رخصتی کے لیے تیار رکھے۔ عمون جلد ہی واپس آ جائے گا پھر اس کی شادی کر دی جائے گی۔ حرمہ اور اس کے بیٹوں کے لیے اتنی مہلت کافی تھی۔ انہوں نے کئی راتوں تک کمرے میں بند رہ کر ایک بڑا شاندار منصوبہ ترتیب دیا۔ اس منصوبے کے مطابق ان سب کے نام بدل دیئے گئے۔ موآب اور اراب عجلون اور قطرون بن گئے۔ حرمہ اور حاشوم یوکبد اور عبدیاہ بن گئے۔ جبکہ سارا کو عجیلہ بنا دیا گیا۔ عمون کی ماں کیونکہ ان کے ناموں سے واقف نہیں تھی اس لیے یہ نام بخوبی چل جانے تھے۔

سارا یا عجیلہ کی حالت اس وقت تک سنبھلی نہیں تھی۔ اس پر جو پے در پے دکھ اور غم آ کر پڑے تھے انہوں نے اس کے دل کو مردہ سا کر دیا تھا۔ اسے اپنی دوبارہ شادی سے کوئی دلچسپی تھی نہ عمون کے لیے اس کے دل میں کوئی جذبہ کوئی خیال تھا۔ اتنی محبت کرنے جان

چھڑ کنے والے بچپن کے پر خلوص ساتھی اوریاہ اور اپنے بچے کی موت کا غم اسے بھلائے نہ بھولتا تھا۔ اسے زیادہ دکھ اس بات کا تھا کہ وہ اپنے بچے کو نہ دیکھ سکی تھی۔ اس کی ماں نے اسے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ وہ انتہائی حسین و جمیل تھا۔ بالکل اس کی صورت تھا۔ مسلسل غم واندوہ، آنسو بہاتا بے آرامی و بے سکونی اس کی صحت پر بری طرح سے اثر انداز ہو رہے تھے اور یہ بات اس کی ماں اور بھائیوں کو بے حد پریشان اور متفکر رکھتی تھی۔ وہ اس کا غم غلط کرنے اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے اسے نصیحتیں کرتے رہتے تھے کہ جو اس کی قسمت میں ہونا لکھا تھا وہ ہو چکا۔ اب اس پر رونے غم کھانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اوریاہ اور اس کا بچہ اب ہرگز واپس نہ آ سکتے تھے۔ اس لیے وہ اب صبر وسکون سے کام لے۔ اللہ کی رضا پر شاکر ہو۔ جس کا یہ بے پایاں کرم و فضل اور مہربانی تھی کہ اس کے لیے عمون جیسے شریف با کردار خوبصورت بے حد دولت مند اور با رسوخ شخص کا رشتہ آیا تھا۔ اس سے شادی اسے غربت وافلاس کی زندگی بھلا دے گی۔ ہر راحت و مسرت اس کے قدموں میں لا ڈالے گی۔ عمون اسے خوب عیش و آرام سے رکھے گا اسے سونے چاندی کے ڈھیر پر بٹھا دے گا۔ اس کی بدولت اس کے گھر والوں کے بھی دن پھر جائیں گے۔ وہ بھی خوشحال اور فارغ البال ہو جائیں گے۔

اپنی ماں اور بھائیوں کی پند ونصائح سے زیادہ سارا پر وقت نے اثر کیا۔ وقت جسے سب سے بڑا اور مؤثر مرہم کہا جاتا ہے۔ وہ اپنا غم بھولنے لگی۔ اس کی زندگی میں ٹھہراؤ آنے لگا۔ اس کے سامنے ابھی گزارنے کے لیے بڑی عمر پڑی تھی جو ظاہر تھا اسے اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھ کر نہیں گزارنی تھی۔ وہ اب اپنی آئندہ زندگی کا سوچنے لگی۔ عمون کے بارے میں سوچنے لگی۔ جس کی رفاقت میں اب اسے آئندہ زندگی گزارنی تھی۔ اس کی سوچوں میں حسین ورنگین رنگ پیدا ہونے لگے۔ خیالات میں دلکشی اور حسن پیدا ہونے لگا۔ اس کی طبیعت میں زندہ دلی اور آئندہ زندگی کے لیے حسین جذبات اور امنگیں پیدا ہونے لگیں۔ اس کی صحت بہتر ہونے لگی۔ حسن و جمال میں اور بھی نکھار پیدا ہونے لگا۔ ادھر عمون

کا ایرانی سرحدات پر قیام طوالت پکڑتا گیا۔ یہ اس کے اور اس کے گھر والوں کے حق میں بہت بہتر ثابت ہو رہا تھا۔ کیونکہ اس دوران سارا کی حالت بہتر ہوتی گئی۔ مامتا کے سوتے خشک ہوتے گئے۔ اس کا سراپا ایک کنواری دوشیزہ کا بن گیا۔ اس کی ماں اسے مسلسل یہ تاکید اور نصائح کرتی رہتی تھی کہ وہ کبھی بھول کر بھی عمون یا اس کے گھر والوں کے سامنے اپنے ماضی کا ذکر نہ کرے۔ نہ ہی اسے حران میں رہنے کے بارے میں بتائے۔ بلکہ یہی بتائے کہ وہ لوگ شروع ہی سے ربلہ میں رہتے آ رہے تھے اور ان کے رشتہ دار دور دراز کے علاقوں میں بکھرے ہوئے برائے نام ہی میل جول رکھنے والے تھے۔ وہ اسے عمون کو اپنی مٹھی میں لینے اور اپنا غلام بے دام بنائے رکھنے کی ترکیبیں بھی بتاتی رہتی تھی۔ سب گھر والوں کی آنکھوں میں اب اس کی عمون سے شادی کے نتیجے میں اپنی خوش حالی اور امیری کی زندگی کے رنگین وحسین سپنے رقصاں رہنے لگے تھے۔ وہ اب ایسی ایسی باتیں کرنے لگے تھے کہ سارا کو حیرت ہونے لگی تھے۔ ایسا لالچی اور حریص اس نے اپنے گھر والوں کو کبھی نہ پایا تھا۔ سب نے اس کی عمون سے شادی سے یہ توقعات وابستہ کر رکھی تھیں کہ یہ شادی ان پر خوشحالی اور مال ودولت کے دروازے کھول دے گی۔ عمون ضرور انہیں خوب نوازے گا۔ اپنی بے پناہ جائیدادوں میں سے انہیں بھی ضرور کچھ دے دے گا۔ بھائیوں نے جواب عجلون اور قطرون کہلانے لگے تھے، ایسی باتیں کرنی ہی تھیں۔ ماں بھی پیچھے نہ رہی تھی۔ اس کی تمام عمر غربت وافلاس میں بسر ہوئی تھی اس شادی کی صورت میں وہ بھی امیری اور دولت مندی کے خواب دیکھنے اور لالچ بھری باتیں کرنے لگی تھی۔ اپنی ماں اور بھائیوں کی باتیں سارا کو کبھی کبھار اس شک میں مبتلا کر دیتی تھیں کہ اس کی عمون سے شادی کسی طے شدہ منصوبے، کسی سازش کے تحت تو نہیں ہونے جا رہی تھی، اوریاہ کیا واقعی ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارا گیا تھا؟ اور اس کا بچہ؟ وہ معصوم جان ...... کیا واقعی وہ مردہ پیدا ہوا تھا، انسے اس کو دیکھنے کیوں نہ دیا گیا تھا؟ اس نے اس شک وشبہ کا اظہار کبھی اپنی ماں یا بھائیوں سے نہ کیا۔ لیکن اس کے دل میں یہ خلش ضرور موجود رہی۔

پھر سال گزرنے کے بعد عمون ایرانی سرحدات سے واپس آ گیا۔ اب تو اس کے ماں باپ نے بالکل دیر نہ کی اور اس کی ماں اور بھائیوں سے مل کر شادی کا دن طے کر لیا۔ اس کا بھائی عجلون ربلہ جا کر باپ حاشوم کو اپنے ساتھ بابل لے آیا۔ وہ سارے معاملے سے بالکل لاعلم تھا۔ اسے جب سب کچھ بتایا گیا تو اپنی بیوی اور لڑکوں کی ایسی منصوبہ سازی پر وہ بے حد حیرت زدہ ہوا۔ بلکہ بے حد برافروختہ ہوا۔ سارا کے بچے کی موت نے بھی اسے بے حد دکھ پہنچایا۔ اس نے بیوی اور لڑکوں کو بے حد برا بھلا کہا۔ انہیں لالچی حریص اور سازشی قرار دیا۔ اور ان پر الزام لگایا کہ انہوں نے سارا کی شادی ایک امیر آدمی سے کروانے کے لیے اوریاہ کو جان بوجھ کر راستے سے ہٹوا دیا تھا۔ اس نے جو ہنگامہ کھڑا کیا اس سے اس کی بیوی اور لڑکوں کو فکر ہونے لگی کہ وہ کہیں عمون کے گھر جا کر ان لوگوں کو اس شادی سے انکار ہی نہ کر آئے۔ انہوں نے اسے سمجھایا بجھایا۔ اس کی خوشامدیں کیں اور اپنے سروں پر تورات رکھ کر اسے یقین دلایا کہ اوریاہ کی موت واقعی صحرائی ڈاکوؤں کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ اور سارا کا بچہ واقعی مردہ پیدا ہوا تھا۔ تورات کی قسم نے حاشوم کا غصہ فرو کر دیا۔ بیٹی کے بہتر مستقبل کے خیال میں وہ بھی خوش ہونے لگا۔ اس نے اپنے نام کی تبدیلی پر بھی کوئی اعتراض نہ کیا اور بخوشی حاشوم سے عبدیاہ بن گیا۔

پھر سارا یا عجیلہ کی شادی عمون صدوقی کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے ہوگئی۔ عمون سارا یا عجیلہ پر فریفتہ و مفتون پہلے ہی سے تھا۔ اسے پا کر وہ دنیا جہاں کو بھول گیا۔ بے تحاشہ اور جنونی محبت نے اسے اس طرف کوئی توجہ نہ کرنے دی کہ وہ دوشیزہ نہیں تھی۔ اس کے حصول نے اسے بس کچھ بھلا ڈالا تھا۔ اس کی سوچ وفکر کی قوتوں کو بھی مسحور سا کر ڈالا تھا۔ اس نے اپنے جذباتِ جنون ہی اس پر نہ لٹائے بلکہ دنیا بھر کی نعمتیں بھی اس کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیں۔ اسے واقعی سونے چاندی کے ڈھیروں پر لا بٹھایا۔ اس کی بے تحاشہ نوازشات سے اس کے گھر والے بھی محروم نہ رہے۔ اس نے اس کے باپ کا دامن دولت سے بھر دیا۔ بھائیوں عجلون اور قطرون کو حمات میں واقع اپنی وسیع وعریض زرعی زمینیں دے

دیں۔ جن سے وہ خوب دولت مند اور خوشحال ہو گئے۔ ان کی شادیاں بھی اونچے درجے کے امیر کبیر گھرانوں میں ہو گئیں۔ عبدیاہ اور یوکبد اب ایک نسبتاً عمدہ سے مکان میں غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ آرام سے رہنے لگے۔ عجیلہ کی عمون سے شادی نے ان کے گھرانے سے غربت و افلاس ہمیشہ کے لیے دور کر دیے تھے۔

عمون چونکہ بابلی فوج کا اعلیٰ عہدیدار تھا۔ اس لیے اسے اکثر اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے گھر سے غیر حاضر رہنا پڑتا تھا۔ اپنی بے تحاشہ حسین و جمیل بیوی کی جدائی اس پر بے حد گراں گزرتی تھی اور اس کی آتش محبت و وارفتگی کو اور بھی بھڑکاتی تھی۔ شوق و جذبات کو اور بھی شعلہ فشاں کرتی تھی اس لیے وہ جب کبھی گھر آتا تھا تو عجیلہ جو پہلے ہی سے کسی سے بہت ہی کم میل جول رکھتی تھی گویا گھر میں بند ہو کر رہ جاتی تھی۔ عمون کے ماں باپ جوان کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ ان کی ایسی محبت سے بے حد خوش ہوتے تھے۔ عمون ان کی واحد اولاد تھا اور اس کی خوشیاں انہیں ہمیشہ دل و جان سے عزیز رہی تھیں۔

پھر عجیلہ اور عمون کے ہاں ان کا پہلا بچہ ایک نہایت حسین و جمیل بیٹی قوعیلہ پیدا ہوئی۔ جو فوراً ہی اپنے باپ اور دادا دادی کی آنکھوں کا تارہ بن گئی۔ عجیلہ کو اس کی پیدائش اپنے اس پہلے بچے کی یاد دلا گئی جسے اس نے دیکھا تک نہ تھا جسے چپ چپاتے ننھی سی قبر میں اتار دیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں اس کے دل میں یہ خلش چلی آ رہی تھی کہ اس کے بارے میں اس کی ماں اور بھائیوں نے جھوٹ بولا تھا۔ وہ زندہ تھا اور کہیں غائب کر دیا گیا۔ اسی طرح اوریاہ کے بارے میں بھی اس کے دل میں یہی خلش موجود تھی۔ لیکن بیٹی کی پیدائش کے بعد اوریاہ کے بجائے اسے اپنے بچے کا خیال ستائے رکھنے لگا تھا۔ جانے اس معصوم جان کے ساتھ کیا گزری تھی۔ وہ اب کہاں تھا کس حال میں تھا۔ اس کے خیال کے ساتھ ہی اسے اپنے سینے میں عجیب سا درد اور اینٹھن محسوس ہونے لگتی تھی۔ وہ بے تاب سی ہونے لگتی تھی۔ لیکن اپنی ان کیفیات کو بڑی ہوشیاری سے عمون اور دیگر گھر والوں سے چھپائے رکھتی تھی۔ وہ اپنے ماں باپ سے ملنے ربلہ بھی جاتی رہتی تھی۔ اپنے بھائیوں کے

پاس حمات بھی جاتی رہتی تھی لیکن اس نے کبھی ان کے سامنے اپنے شکوک وشبہات کا اظہار نہ کیا تھا جو ظاہر تھا ان کے اوپر گھناؤنے اور قتل کے الزامات ہی ہوتے۔ ان لوگوں نے حتیٰ کہ اس کے باپ تک نے جواب عبدیاہ کہلاتا تھا اور بڑی عیش وآرام کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس کی عمون سے شادی کے بعد کبھی بھولے سے بھی اوریاہ کا نام نہ لیا تھا۔ وہ اب ان کی زندگی کا ایک بھولا بسرا باب بن چکا تھا۔ یا گویا ان کی زندگی میں اس کا کبھی کوئی وجود ہی نہ رہا تھا۔ وہ اب اپنی خوشحال وفارغ البال زندگیوں میں مگن تھے۔ خوش تھے۔ اس کا بے حد احترام وعزت کرتے تھے کہ اس کی بدولت انہیں غربت وافلاس کی زندگی سے چھٹکارا نصیب ہوا تھا۔ اس کی ماں کا رویہ تو اس کے ساتھ خاصا خوشامدانہ سا ہوتا تھا۔

عمون چونکہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں اکثر گھر سے باہر رہا کرتا تھا اس لیے عجیلہ گھر پر اس کے ماں باپ اور غلاموں کنیزوں کی فوج کے ساتھ تنہا ہوتی تھی۔ اسے گھر سے باہر میل جول پسند نہیں تھا۔ وہ بہت کم کسی کے گھر جایا کرتی تھی۔ وہ زیادہ وقت اپنے ایوان کے باہر جھروکے میں کھڑی ہو کر اس کے پردے کے پیچھے سے سامنے سڑک پر سے گزرتے رتھوں گھوڑا گاڑیوں اور سواروں کا نظارہ کرتی رہتی تھی۔ اس دن بھی وہ جھروکے میں کھڑی سیاہ حریری پردے کے پیچھے سے اسے تھوڑا سا ایک طرف ہٹائے سڑک کا نظارہ کررہی تھی کہ اسے ایک کھلی شاندار گھوڑا گاڑی، جسے دو سفید گھوڑے کھینچ رہے تھے، سامنے سے گزرتی دکھائی دی۔ اس میں نہایت عمدہ اور قیمتی لباس پہنے ایک ادھیڑ عمری کو پہنچتا ہوا شخص جو چہرے مہرے رنگ روپ سے یہودی دکھائی دیتا تھا گود میں ایک بچے کو لیے بیٹھا تھا۔ اس بچے نے بھی نہایت عمدہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ پھر جب وہ اس کے گھر کے سامنے سے گزرنے لگا تو اس نے گردن موڑ کر اس مکان کی طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی عجیلہ کے دل کو گویا کسی نے ایک دم ہی اپنی مٹھی میں لے لیا۔ اس کے منہ سے ایک کراہ سی نکلی۔ وہ بے اختیار سی ہو کر پردے سے نکل کر جھروکے کے جنگلے کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی اور بکھری ٹوٹی سانسوں، وحشت زدہ سی نظروں اور بے تحاشہ دھڑکتے

دل اور دگرگوں حالت کے ساتھ اس گھوڑا گاڑی کو جاتے دیکھنے لگی جس میں بیٹھا ہوا وہ بچہ اب اسے دکھائی نہ دے رہا تھا۔ وہ اسے اس وقت دیکھتی رہی جب تک وہ گھوڑا گاڑی بہت دور جا کر سڑک کا موڑ مڑ کر نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے ہانپتی کانپتی بمشکل تمام جھروکے سے نکل کر ایوان میں چلی آئی اور بے جان سی دیوان پر گر گئی۔

وہ اس کا بچہ تھا! وہ یہ بات پورے یقین پوری سچائی کے ساتھ کہہ سکتی تھی! اب تک کسی بچے کو دیکھ کر اس کا دل یوں بے اختیار نہ ہوا تھا! اس کے خون نے یوں جوش نہ مارا تھا! اس کے دل سے مامتا کے سوتے یوں نہ پھوٹ پڑے تھے! اس کے جذبات میں یوں تلاطم نہ برپا ہوا تھا! اس کے اندر مادرانہ محبت کا طوفان یوں ایک دم نہ بپھر پڑا تھا! وہ واقعی اس کا ہی بچہ تھا! اس کا بیٹا! اس کا لختِ جگر! اس کا چاند! اس کا خون! اس کے گلشن حیات میں کھلنے والا پہلا پھول! وہ اس سے کتنا مشابہہ تھا! رنگ روپ میں! نقوش ونگار میں! اس کے بال اس کے خوب گھنے سیاہ سیدھے بالوں کے بجائے اوریاہ کے بالوں کی طرح سیاہ گھنگھریالے تھے۔ اس کی عمر دو ڈھائی سال دکھائی دیتی تھی۔ اس عمر میں بھی وہ انتہائی حسین وجمیل بچہ تھا! اس کا دل بے اختیار اسے اپنے بازوؤں میں لینے اسے سینے سے لگانے کے لیے بے تاب ہوا جا رہا تھا۔ وہ بری طرح سے تڑپ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بے تحاشہ بہہ رہی تھیں۔ نیم تاریک ایوان میں وہ تنہا اپنے دکھ کے بوجھ تلے سسک رہی تھی، کراہ رہی تھی۔ اس کا دل خون ہوا جا رہا تھا۔ ناقابل برداشت تکلیف واذیت اس کے وجود کے ٹکڑے کیے دے رہی تھی۔ اسے دھوکہ دیا گیا تھا! اس سے جھوٹ بولا گیا تھا کہ اس نے مردہ بچے کو جنم دیا تھا۔ اس کے گھر والوں نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے شاید اوریاہ کے بارے میں بھی بولا تھا۔ اوریاہ بھی شاید زندہ ہی ہوگا! مگر وہ کہاں تھا؟ کس حال میں تھا؟ ان ظالم لوگوں نے اس کے بچے کو کہاں لے جا کر چھپایا تھا؟ شاید کسی کو دے دیا تھا؟ اس آدمی کو جس کی گود میں وہ بیٹھا ہوا تھا؟ اور اوریاہ؟ اس کے ساتھ انہوں نے کیا کیا تھا؟ یہ اس کی ماں کیسی چالاک اور تیز عورت نکلی تھی جس نے اسے عمون سے بیاہنے کے لیے اوریاہ اور بچے دونوں

سے نجات حاصل کرنے کے لیے کیا ہی گھناؤنا منصوبہ ترتیب دیا تھا اور یوں اسے ایک نوعمر کنواری دوشیزہ بنا کر عمون سے بیاہ دیا تھا صرف مال ودولت کے حصول کے لیے! اس منصوبے میں اس کے بھائی بھی شریک تھے اور شاید باپ بھی ...... کتنے ظالم تھے یہ لوگ! سنگدل اور خوف خدا سے عاری!

لیکن اب وہ کیا کرسکتی تھی؟ وہ اب عمون کی بیوی بن چکی تھی۔ اس کی بیٹی کی ماں بن چکی تھی۔ ایک نہایت معزز وبارسوخ مشہور ونیک نام خاندان کی فرد بن چکی تھی۔ وہ اب ہرگز کسی پر اپنا ماضی عیاں نہ کرسکتی تھی۔ اپنے بچے پر کبھی اپنا حق نہ جتا سکتی تھی۔ اسے عزت رکھنی تھی۔ اپنے ماں باپ بھائیوں کی۔ اپنے خاوند اور اس کے گھر والوں کی۔ اس کی خاموشی پر ہی سب کی عزت کا دار ومدار تھا۔ چنانچہ اس نے جذباتیت کے بجائے ہوشمندی سے کام لیا۔ اپنا راز، اپنا غم سب سے چھپائے رکھا۔ اپنے آپ کو عمون اور اس کے ماں باپ کی خدمتوں کے لیے وقف کردیا۔ تمام تر مادرانہ محبت وتوجہ کا مرکز ننھی توعیلہ کو بنا لیا۔ اس کے باوجود دل کی خلش بدستور برقرار رہی۔ سڑک پر سے گزرتی ہر گھوڑا گاڑی اور رتھ کی آواز اسے بے چین وبے قرار کرتی رہی اور وہ جھروکے کے پردے میں پوشیدہ رہ کر اسے دیکھتی رہتی۔ جب کبھی اسے وہ بچہ نظر آتا اس کی بے قراریوں اور بے چینیوں کو قرار سا آجاتا۔ اسے اطمینان ہوجاتا کہ اس کا بچہ خیریت سے تھا۔ وقت اسی طرح گزرتا رہا۔ اس کے ہاں دو بیٹے روبن اور عمرام پیدا ہوگئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد سب سے چھوٹا بیٹا ارفیل بھی دنیا میں آ گیا۔ یہ تینوں بیٹے اپنے باپ عمون کی شکل وصورت پر گئے تھے۔ ان میں سے کسی نے اس کے پہلے بچے جیسا حسن وجمال نہ پایا تھا جو اب کافی بڑا ہوچکا تھا۔ بے حد وجیہہ وحسین نکل آیا تھا۔ مگر بدقسمتی سے اس کی پشت پر کوبڑ تھا یعنی وہ کبڑا تھا۔ اس کی نظریں ایک دفعہ اتفاقاً اس جھروکے کی طرف اٹھ گئی تھیں جس پر پڑے سیاہ حریری پردے کی درز سے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے سر اور چہرے پر نقاب اس طرح لے رکھا تھا کہ اس کی صرف آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ اس وقت گھوڑا گاڑی پر سوار اس کے گھر کے سامنے سے گزر رہا

تھا اس کے ساتھ وہی آدمی تھا جس نے اسے لے رکھا تھا۔ وہ اسے یوں پردے میں سے جھانکتے دیکھ کر کچھ حیرت زدہ سا ہو گیا تھا۔ اس کی خوبصورت سیاہ آنکھیں کشادہ سی ہو گئی تھیں۔ گاڑی وہاں سے آگے گزر جانے تک وہ برابر گردن موڑ کر اس طرف دیکھتا رہا تھا۔ اس سے...... اپنے اس بیٹے سے نظریں ملتے اس کے دل پر کیا اثر ہوا تھا؟ اس کی وہ تمام رات بے خواب گزری تھی۔ آنسو بہاتے گزری تھی۔ رنج وکرب سے پستے گزری تھی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ اس وقت عمون گھر پر نہیں تھا۔ ورنہ اس کے سامنے اپنی حالت سنبھالنا اسے مشکل ہو جاتا۔ کیسی مجبوری، کیسی بے بسی تھی کتنا بڑا ظلم تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنے پاس نہ بلا سکتی تھی۔ اسے سینے سے نہ لگا سکتی تھی۔ اس پر ممتا نچھاور نہ کر سکتی تھی۔ اب یہ ہونے لگا تھا کہ اس پر نظر پڑتے ہی اس کا دل پھٹنے لگتا تھا۔ وہ بری طرح بے چین و بے قرار ہونے لگتی تھی۔ وفورِ رنج وکرب سے اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے۔ وہ بھی شاید جان گیا تھا کہ وہ اس کے اپنے گھر کے آگے سے گزرنے کی منتظر رہتی تھی اس لیے اس کے گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کی نظریں بے اختیار اس جھروکے کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ اس کی نظروں میں حیرت ہوتی دلچسپی ہوتی تجسس واشتیاق کے ساتھ الجھن بھی ہوتی۔ جبکہ نگاہوں کا یہ تصادم عجیلہ پر قیامت ہی توڑ دیتا۔

اب اس کا یہ بیٹا شباب کی عمر کو پہنچ چکا تھا۔ بڑا حسین وجمیل نوجوان بن چکا تھا۔ وہ اپنے باپ اوریاہ کی طرح دراز قامت تھا۔ اسی کی طرح بہترین گھڑ سوار تھا۔ وہ اب اکثر اس کے گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کے اس جھروکے کے سامنے آ کر رکنے بھی لگا تھا۔ شاید اس کا وہاں دکھائی نہ دینا اسے پریشان کر دیتا تھا۔ لیکن ایسے مواقع پر وہ ہرگز جھروکے کی طرف نہ جاتی تھی۔ کیونکہ وہ گھر میں اور سڑک پر سے گزرتے لوگوں کو ہرگز تشکیک کا موقع نہ دینا چاہتی تھی۔ عمون کی گھر پر موجودگی میں تو وہ اس جھروکے کی طرف دیکھتی تک نہیں تھی۔

وہ اپنے یقین...... پختہ ومحکم یقین کے باوجود یہ اطمینان کر لینا چاہتی تھی کہ وہ واقعی

اس کا ہی بیٹا تھا۔ الیاسف...... جیسا کہ غلام ابلق نے اسے اس کا نام بتایا تھا۔ اس نے اس کے بارے میں جو معلومات حاصل کر کے اسے سنائی تھیں ان سے اس کے اس یقین کی تصدیق کامل ہوگئی تھی کہ الیاسف واقعی اسی کا بیٹا تھا جسے اس کی ظالم ماں نے اس کے ظالم بھائیوں کے ہاتھوں کبار نہر کے کنارے کوڑے کے ڈھیروں میں پھنکوا دیا تھا کہ وہاں گدھ اور کتے اسے کھا جائیں۔ لیکن اللہ کو اس معصوم ننھی سی جان کی زندگی مطلوب تھی کہ حزقی ایل سوداگر اسے اپنے گھر لے گیا۔ اس کے گھر ایک بیٹے کی طرح ناز ونعم سے پلتے بڑھتے اب وہ جوانی کی عمر کو پہنچ چکا تھا۔ اس کے ذہن میں بھی شاید یہ معلوم کرنے کی خواہش موجود ہوسکتی تھی کہ اس کے ماں باپ کون تھے؟ وہ واقعی گناہ کی پیداوار تھا یا جائز اولاد تھا۔ وہ شاید یہ کبھی معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکتا تھا کیونکہ ماضی کا ہر باب کورے کاغذ کی طرح بنا دیا گیا تھا۔ نہ ہی یوآب یا اوریاہ اسے کھوج سکتا تھا۔ جس کی وہ اب بھی شرعی وقانونی بیوی تھی۔ نئی حیثیتوں اور نئے ناموں کے مالک اس کے ماں باپ اور بھائی جواب مختلف جگہوں پر آباد تھے۔ ان کی کھوج وجستجو بھی بیکار ہی ثابت ہونی تھی۔

سوچتے سوچتے اس کے خیالات کی رو دوسری طرف مڑ گئی۔

عمون سے اس کی شادی کو طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ اس کی رفاقت میں اس نے اب تک جتنی زندگی گزاری تھی وہ انتہائی قابل رشک خوشیوں مسرتوں سے بھرپور بے حد مطمئن وآسودہ زندگی تھی۔ عمون نے دنیا کی ہر نعمت اس کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دی تھی۔ اسے بھرپور محبت احترام تحفظ دیا تھا۔ اس کے جذبات پسند وناپسند کا بے حد خیال رکھا تھا۔ وہ ہر طرح سے ایک مثالی شوہر تھا۔ بچوں کے لیے مثالی باپ تھا۔ جب تک اس کے ماں باپ زندہ رہے تھے وہ ان کا حق خدمت ادا کرتا رہا تھا۔ وہ بجا طور پر اس کی بیوی ہونے پر فخر کرسکتی تھی۔ وہ خود بھی اس کے لیے انتہائی خدمت گزار اطاعت شعار بیوی بنی رہی تھی اور بچوں کے لیے مثالی ماں...... اس کے بچے بھی اس سے کتنی محبت کرتے تھے۔ پھر؟ اسے آخر اپنے ناخوشگوار ماضی کو اکھاڑنے اور برسوں پرانے ناخوشگوار واقعات کی کھوج کرید کرنے کی

کیا ضرورت تھی؟ اگر اسے یہ معلوم ہوجاتا کہ اوریاہ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ وہ کیوں کر اس حال کو پہنچا تھا تو اس سے اسے کیا فائدہ ہونا تھا؟ اگر اس کی واقعی تصدیق ہوجاتی کہ الیاسف واقعی اس کا بیٹا تھا تو اس سے اسے کیا مل جانا تھا وہ کیا اب اتنے طویل عرصہ کی پر سکون و پر مسرت ازدواجی زندگی کو تیاگ کر، عمون جیسے شوہر کو چھوڑ کر اوریاہ کے پاس جاسکتی تھی؟ ہر چند کہ وہ اب بھی اس کی شرعی اور قانونی بیوی تھی۔ وہ کیا اب اوریاہ کی رفاقت میں زندگی گزار سکتی تھی؟ اسے جس زندگی کی عادت پڑ چکی تھی اس زندگی کو تیاگ کر برائے نام خوشحالی اور تقریباً غربت کی زندگی گزار سکتی تھی؟ اوریاہ کی رفاقت کیا اسے خوشیاں دے سکتی تھی جواب بے حد بدصورت کریہہ المنظر بن چکا تھا۔ جس کی صورت پر دوسری نظر ڈالنے کو بھی دل نہ چاہتا تھا۔ اس کا قرب کیا اسے برداشت ہوسکتا تھا؟ اس کا دل ان تمام سوالات کی نفی کرتا چلا گیا۔ برسوں پرانی خاکستر میں اب کوئی چنگاری باقی نہ رہ گئی تھی۔ اوریاہ کے لیے اس کے دل سے تمام جذبات سرد پڑ چکے تھے۔ عمون کی بے پناہ چاہت، بچوں کی مصروفیت، اپنے گھر کی حکومت نے اسے اوریاہ کے بارے میں کبھی بھرپور انداز میں سوچنے کی مہلت نہ دی تھی۔ اب برسوں بعد اسے دیکھ کر اس کے دل میں جو ہلچل مچی تھی وہ بھی فوراً ہی مردہ پڑ گئی تھی۔ اور الیاسف ...... جو اس کا اپنا خون اس کے جسم کا حصہ تھا۔ جسے غالباً اوریاہ نے بتا دیا ہوگا کہ وہ اس کا بیٹا تھا۔ اسے تمام حالات سے بھی آگاہ کردیا ہوگا پھر قدرتی طور پر اس کے دل میں اپنی ماں کے بارے میں کھوج کرید کرنے کی خواہش پیدا ہوئی ہوگی۔ وہ شاید اسے اتنے طویل عرصے سے، تسلسل سے جھروکے سے جھانکتے دیکھ کر اس کے بارے میں شک وشبہ میں بھی مبتلا ہوگیا ہوگا؟ یہ بات اس کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی تھی کہ وہ اپنے اس شک وشبہ کی بنیاد پر اس کے بارے میں جستجو کرے۔ اس کے ماضی کی کھوج کرید کرے حقیقت کھود نکالے۔ اس لیے اسے اب جھروکے میں جانا، اس کا انتظار کرنا، اس کی دید سے آنکھوں اور دل کو ٹھنڈک پہنچانا چھوڑ دینا چاہیے۔ جذباتیت کے بجائے عقل کی راہ اپنانی چاہیے۔ ماںتا کے بے پناہ جذبات کو جبراً دبا دینا چاہیے۔ اس کے

لیے اب اپنا گھر، عمون اور بچے ہی سب کچھ تھے۔ اس کی دنیا، اس کی دولت تھے۔ اسے اوریاہ اور اپنے بیٹے کو دور دراز ماضی کے بھولے بسرے کردار سمجھ کر انہیں یکسر بھلا دینا چاہیے...... صحیح اور سیدھی راہ یہی تھی۔ عقل کی راہ...... ہوشمندی کی راہ......

اس نے سر جھٹکا اور دیوان پر سے اٹھ کر ایوان سے باہر چلی آئی۔

"مالکن محترم...... سامان تیار ہو چکا ہے......" اس کی کنیز خاص نے جو ایوان کے باہر اس کی منتظر کھڑی تھی، اسے اطلاع دی۔

"رہنے دو...... سب کچھ واپس رکھ دو۔ میں کہیں نہیں جا رہی۔" اس نے کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

گریز وقصد

شارع نرگال پر گھوڑا دوڑتے ہوئے موڑ مڑتے ہی دور سے اس سفید پتھروں کے محل نما عالی شان مکان پر نظریں پڑتے ہی الیاسف کے دل کی دھڑکنیں حسب سابق بے ترتیب ہونے لگیں۔ اس نے گھوڑے کی رفتار ہلکی کردی۔ اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ چلتے چلتے وہ اس مکان کے قریب آن پہنچا۔ اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے گھوڑے کی رفتار اور کم کردی اس کے ساتھ ہی اس کی پراشتیاق اور بے تاب نظریں ایک دم اس مخصوص جھروکے کی طرف اٹھ گئیں۔ اس بار اس پر کوئی سیاہ حریری پردہ نہ لہرا رہا تھا بلکہ اس کی جگہ بند دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ گھوڑا روکے اسے دیکھنے لگا۔ اس بند دروازے کا مطلب شاید یہی ہوسکتا تھا کہ وہ خاتون، جوکوئی بھی وہ تھی، شاید اس وقت گھر پر نہیں تھی۔ اس خیال سے اسے کچھ مایوسی سی ہوئی اس نے گھوڑا آگے بڑھا دیا اور تیز رفتاری سے سڑک طے کرنے لگا۔

اسے بابل واپسی میں کافی دن لگ گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اروک سے واپسی پر وہ راستے میں یدون نامی قصبے میں اپنے ایک پرانے دوست عیسائیل کے گھر ٹھہر گیا تھا۔ جس نے طویل عرصہ بعد ملاقات کی خوشی میں اسے کئی دنوں تک اپنا مہمان بنائے رکھا تھا اور بمشکل ہی رخصتی کی اجازت دی تھی۔ اسے احساس تھا کہ حرقا بڑی بے چینی اور بے تابی سے اس کا انتظار کررہی ہوگی مگر وہ بھی بے بس اور مجبور سا ہوگیا تھا۔ ویسے بھی وہ تمام وقت اس خیال سے بے حد پریشان اور متفکر ہی رہا تھا کہ وہ حرقا کو کس طرح زمران کی باتوں سے آگاہ کرے؟ کس طرح اس کے دل کی نئی سجدہ گاہ کے بارے میں بتائے؟ وہ کچھ بھی بتاتا کسی بھی ترکیب سے بتاتا اسے حقیقت ہی بتانی تھی۔

شارع اریوک پر پہنچتے ہی اس کی پریشانی اور اضطراب میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ حرقا سے سامنا کرنے اور اسے دکھ پہنچانے کا خیال اسے بری طرح سے بے چین ومضطرب کرنے لگا۔ اس نے پہلے اپنے آپ کو بے حد کمزور بے طاقت سا محسوس کیا۔ پھر جب وہ گھر کے کھلے دروازے سے اندر داخل ہو کر اصطبل کی طرف جا کر گھوڑے سے اترا تو اس میں گویا جان ہی نہ رہی تھی۔ یوآب نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگایا۔

''بہت دنوں بعد گھر واپس آئے بیٹے الیاسف...... کہیں رہ گئے تھے کیا؟''

''ہاں چچا...... میں راستے میں یدون چلا گیا تھا اپنے پرانے دوست عیسائیل کے گھر۔ وہاں کچھ زیادہ ہی دن لگ گئے......''

''اللہ کا شکر کہ تم خیریت سے رہے۔ تمہارے جلد نہ پہنچنے پر ہم سب بے حد پریشان ہونے لگے تھے۔ صاحبزادی حرقا بھی ہر روز تمہارا پتہ پوچھتی رہیں......'' یوآب اسے سہارا دے کر اندر لے جاتے ہوئے بولا۔ پھر اس کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔ ''ایک ایرانی مہمان کئی دنوں سے تم سے ملاقات کے انتظار میں یہاں بیٹھا ہے۔ بہتر ہے کہ تم جلد از جلد اس سے ملاقات کر لو۔ معلوم ہوتا ہے اسے تم سے کوئی نہایت ضروری کام ہے۔''

الیاسف چونکا۔ اس کی کسلمندی اور تھکاوٹ آناً فاناً دور ہو گئی۔

''واقعی چچا؟ پھر تو میں ابھی اور اسی وقت اس سے ملتا ہوں۔ بس ذرا نہا دھو لوں......''

اتنا کہہ کر وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اندر چلا گیا۔

جب وہ نہا دھو کر تازہ دم یوآب کے رہائشی حصے میں پہنچا تو وہ باہر برآمدے میں اس کا منتظر تھا۔ ''آ گئے ...... چلو آؤ اس طرف......''

وہ اسے لیے برآمدے کے عقبی حصے میں واقع ایک کمرے کی سمت ہو لیا۔

الیاسف جب اس کمرے میں داخل ہوا تو اس ایرانی مہمان کو دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ یہ اسی ایرانی دستے کا سالار تھا جو اس کے کوش جاتے ہوئے اسے راستے میں گھیر کر ایرانی بادشاہ کے پڑاؤ کی طرف لے گیا تھا۔

''تم!'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''سردار ہوشنگ!''

''ہاں میں......'' سردار ہوشنگ مسکرایا اس نے گرمجوشی سے الیاسف سے ہاتھ ملایا۔

''آہورا کا لاکھ لاکھ شکر جو تم بخیر و عافیت واپس آ گئے۔ میں کئی دنوں سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔''

''معاف کرنا تمہیں تکلیف ہوئی۔'' الیاسف اس کے ساتھ کمرے میں بچھی فرشی نشست پر آ کر بیٹھ گیا۔ یوآب نے باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ اور وہیں برامدے میں بیٹھ گیا۔

''مجھے شہنشاہِ معظم نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔'' ہوشنگ نیم تاریک کمرے میں الیاسف کی طرف جھک کر اسے سرگوشی میں کہنے لگا۔ ''مجھے چونکہ صرف تمہیں ان کا پیغام دینا تھا اس لیے تمہارے انتظار میں یہاں ٹھہرا رہا۔''

''میری خوش بختی کہ عظیم شہنشاہ نے مجھے اپنی کسی خدمت کے قابل سمجھا۔ وہ پیغام کیا ہے؟ الیاسف نے ممنونیت بھرے لہجے میں استفہام کیا۔

''جیسا کہ اہل بابل کی طرح تمہیں بھی علم ہوگا......'' ہوشنگ اسی طرح سرگوشی میں کہنے لگا۔ ''عظیم شہنشاہ کی نظریں اب فتح بابل پر مرکوز ہیں۔ تمہارے ذریعے انہیں بابل اور اہل بابل کے بارے میں قابل قدر معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ ان معلومات کی روشنی میں انہوں نے فتح بابل کے بارے میں اپنا جو منصوبہ ترتیب دیا ہے وہ اس کا عملی طور پر جائزہ لینے کے لیے یہاں آنا چاہتے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس منصوبے میں کوئی خامی کوئی کمزوری تو نہیں۔ اس میں کوئی مؤثر تبدیلیاں کی جا سکتی ہیں یا نہیں۔ وہ یہاں خود گھوم پھر کر اس کا ہر پہلو سے جائزہ لینا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم انہیں یہاں کی سیر کرواؤ انہیں اس شہر کا گوشہ گوشہ دکھاؤ۔ ہر مقام، ہر جگہ......''

الیاسف کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ اس کی زندگی میں ایسا وقت بھی آنا تھا کہ ایک عظیم شہنشاہ، فاتح ارض اسے اس قابل سمجھتا! اس پر یوں اعتماد کرتا! اسے ایسی

خدمت سونپتا! اسے یہ اعزاز بخشتا۔ وفورِ جذبات سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"یہ عظیم الشان شہنشاہ کی بڑی مہربانی بڑی کرم گستری ہے جو انہوں نے اپنے اس ادنیٰ سے خادم کو اس قابل سمجھا۔ تم انہیں جا کر کہہ دو کہ میں ان کی ہر خدمت کے لیے دل و جان سے حاضر ہوں۔ وہ ہر طرح سے مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔"

ہوشنگ نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دبائے۔

"مجھے تم سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی الیاسف...... شہنشاہِ معظم اپنے محسنوں کو بھولا نہیں کرتے۔ اپنے کام آنے والوں کو وہ بہترین صلہ دیا کرتے ہیں۔ بلکہ ان کی توقعات سے بڑھ کر انہیں نوازتے ہیں۔ اچھا اب میں یہاں سے رخصت ہوتا ہوں۔ میں جا کر شہنشاہِ معظم سے کہہ دیتا ہوں کہ تم ایمگور بل کے اس پھاٹک پر جو کھیتوں اور باغات کی طرف سے کھلتا ہے۔ ان کے منتظر ہو گے۔"

الیاسف حیرت زدہ رہ گیا۔

"وہ کیا اس دروازے کے راستے شہر میں داخل ہوں گے۔ وہ تو عام آبادی سے میلوں دور ہے!"

"یہی محفوظ ترین راستہ ہے۔ تم میرے جانے کے تین دن بعد اس پھاٹک کے باہر جا کر کھڑے ہو جانا۔ شہنشاہِ معظم ایک آرامی سوداگر کے بھیس میں مشکی گھوڑے پر سوار وہاں پہنچ جائیں گے۔ تم انہیں پہچان ہی لو گے۔ وہ تنہا ہوں گے۔ بس تم انہیں شہر کی سیاحت کروا دینا۔" اتنا کہہ کر ہوشنگ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

یوآب برامدے میں سیڑھیوں پر بیٹھا تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"اب میں رخصت ہوتا ہوں محترم یوآب۔ آپ کی مہمان داری کا میں تہہ دل سے مشکور ہوں۔ اب ہماری آئندہ ملاقات فتح بابل کے موقع پر ہو گی......" ہوشنگ گرمجوشی سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔

"ان شاء اللہ تعالیٰ......" یوآب نے دعائیہ نظریں آسمان کی طرف اٹھا دیں۔

غلام اصطبل سے ہوشنگ کا گھوڑا نکال لایا۔ وہ اپنے زادِ سفر بھرے تھیلے کے ساتھ اس پر سوار ہو گیا۔ یوآب اور الیاسف نے پھاٹک تک جا کر اسے الوداع کہی اور اس کے چلے جانے کے بعد اندر چلے آئے۔

''چچا یوآب۔ کیا آقا حزقی ایل گھر آ گئے؟'' جب وہ دونوں یوآب کی نشست گاہ میں پہنچ کر فرشی نشستوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے تو الیاسف نے استفہام کیا۔

یوآب نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں...... وہ ابھی تک واپس نہیں آئے۔ ربِ موسیٰ و ہارون کی رحمتیں ان پر سایہ فگن رہیں۔ انہیں گئے کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ صاحبزادی حرقا بھی اب پریشان ہونے لگی ہیں۔''

''اللہ ان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ بخیر و عافیت گھر واپس لائے۔ ہاں چچا پیچھے سے خیریت رہی نا؟''

''ہاں شکر ہے اللہ کا...... ہاں سناؤ...... اب ایرانی ہوشنگ سے تمہاری کیا باتیں ہوئیں؟'' یوآب نے اپنی نشست پر الیاسف کی طرف سرکتے ہوئے جھک کر سرگوشی میں اس نے متجسسانہ استفہام کیا۔

الیاسف اس کی طرف جھک آیا۔ اس نے اسے سرگوشی میں ہوشنگ کی تمام باتیں کہہ سنائیں اور پھر بولا۔

''اب تین دن بعد عظیم ایرانی شہنشاہ ایگوربل کے اس انتہائی مشرق میں واقع دروازے پر پہنچیں گے جہاں وہ مجھے اپنا منتظر پائیں گے۔ کیوں چچا مجھے ایرانی بادشاہ کو نبونائی کی تیار کروائی ہوئی وہ زبرجد کی تختی دکھانی چاہیے جس میں اس نے ایرانیوں کے خلاف اپنی فتح کی پیش گوئی کندہ کروا رکھی ہے؟''

''ہاں ضرور...... تم ضرور اسے وہ تختی دکھاؤ۔ اور اسے وہ تحریر بھی پڑھواؤ۔ پھر دیکھنا وہ کیا کہتا ہے۔ ویسے غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہی ہوا کرتا ہے۔ نبونائی کا سر بھی اس ایرانی بادشاہ کے سامنے نیچا ہی ہوگا۔''

''چچا...... بابل کی تسخیر آپ کے خیال میں کیا ممکن ہے؟ یہ بے حد بلند وبالا اور بے حد چوڑی دوہری فصیلیں تو بالکل ناقابل تسخیر ہیں۔ ان کے پیتل کے بھاری بھرکم دروازوں کو توڑا جانا بھی ممکن نہیں۔ آج تک جتنے بھی حملہ آور آئے ہیں سب ان فصیلوں سے سر پھوڑ کر واپس چلے گئے ہیں۔ یہ ایرانی بادشاہ بھلا کیونکر بابل فتح کر پائے گا؟''

''شاید اس کے ذہن میں کوئی منصوبہ ہوگا......'' یوآب کچھ سوچ کر بولا۔ ''وہ اسی لیے بچشم خود یہاں آ کر شہر کا ہر حصہ ہر گوشہ دیکھنا چاہتا ہے۔ تم اس بارے میں بالکل خاموش رہنا۔ جب بادشاہ شہر دیکھ بھال کر واپس چلا جائے گا تو ہم کبار نہر کنارے واقع اپنی عبادت گاہ میں جائیں گے اور وہاں پہنچنے والے تمام لوگوں کو تم یہ سب کچھ کہہ سنانا۔ میں سب کو وہاں جمع ہونے کے خفیہ پیغامات بھیج دوں گا......''

''ٹھیک ہے چچا...... لیکن مجھے ریموت کے جاسوسوں کا خوف ہے۔ وہ مجھے ایک اجنبی کے ساتھ شہر میں گھومتے پھرتے دیکھ کر چونک جائیں گے۔ پھر جب میں آپ کے ساتھ نہر والی عبادت گاہ میں جاؤں گا تو ان کے اور بھی کان کھڑے ہوں گے......'' الیاسف کا لہجہ تشویش بھرا تھا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ آج کل ریموت پر گویا جنون سا سوار ہے۔ وہ معمولی معمولی شبہات پر بے قصور یہودیوں کو گرفتار کر رہا ہے اور سزائیں دے رہا ہے۔ ایسا وہ بل شزر کے حکم پر کر رہا ہے جو یہودیوں پر ذرا بھی اعتبار نہیں کرتا۔ اس کے خیال میں یہودی سب ایرانی بادشاہ کے طرف دار اور مملکت بابل کے غدار ہیں۔ بہرحال ...... تم انتہائی احتیاط سے کام لینا۔ کبار نہر کے عبادت خانے میں بھی ہم راز داری سے ہی جائیں گے۔ بھیس بدل کر......''

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ دونوں اپنی نشستوں پر سنبھل کر بیٹھ گئے۔

''آ جاؤ......'' یوآب نے آواز لگائی۔

دروازہ کھلا اور دو غلام کھانے پینے کی چیزوں سے سجے تھال لیے کمرے میں داخل

ہو گئے۔ انہوں نے دستر خوان بچھایا اور تھالوں کی چیزیں اس پر آراستہ کر کے چلے گئے۔

ناؤ نوش کے دوران یوآب اور الیاسف کے درمیان ملکی حالات پر باتیں ہوتی رہیں۔ پھر جب وہ کھانے پینے سے فارغ ہو لیے اور غلام سب کچھ سمیٹ کر لے گئے تو یوآب اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''بیٹا الیاسف ...... تم طویل سفر سے تھکے ہوئے ہو گے بہتر ہے اب جا کر آرام کرو۔ تمہیں صاحبزادی حرقا سے بھی ملنا ہے......''

''بہتر بہتر......'' الیاسف اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

وہ اور یوآب کمرے سے نکل کر برامدے میں آ گئے۔ الیاسف سیڑھیاں اتر کر وسیع وعریض صحن عبور کرتا ہوا بڑے رہائشی حصے کی طرف جانے لگا۔ یوآب وہیں برامدے میں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس کی نظروں میں بے پناہ پیار تھا، محبت وشفقت تھی، حسرت تھی، دکھ اور محرومیت کا احساس تھا۔ اس کی آنکھیں نمناک ہو رہی تھیں۔ پھر اس کے منہ سے اک کرب و درد سے لبریز سرگوشی نکلی۔ ''سارا......'' اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو قطرات نکلے اور اس کے رخساروں پر پھیل پڑے۔ ''سارا...... ہمارا بچہ کتنا بڑا ہو گیا...... کتنا پیارا...... کتنا حسین......اس کی صورت میں گویا تم ہو......'' اس نے وفورِ کرب سے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔

کتنا طویل عرصہ گزر چکا تھا!

وہ الیاسف کو آج تک یہ نہ کہہ سکا تھا کہ وہ اس کا باپ ہے۔ حقیقی باپ! اور وہ اس کا بیٹا تھا۔ جائز اور حقیقی اولاد...... جانے کیا بات تھی جو وہ اسے یہ بتاتے بتاتے رہ جاتا تھا۔ باوجود کوشش اور ارادے کے اسے کچھ نہ بتا پاتا تھا۔ شاید اس کی قسمت اس انکشاف کے لیے کسی مناسب وموزوں موقع کی تلاش میں تھی جو اتنے طویل عرصہ سے آ کر ہی نہ دے رہا تھا۔ اس نے سر جھٹکا اور اندر چلا آیا۔

اندر اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ فرشی نشست پر تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

یہ کیا ہو گیا تھا؟

اس نے تو کبھی خواب وخیال میں بھی نہ سوچا تھا کہ اس کی زندگی میں اتنا بڑا سانحہ آ کر گزر جائے گا! ایک دم ہی...... اچانک ہی!

ماضی کا زمانہ اس کی نظروں کے سامنے سے گزرنے لگا۔

حران میں اپنے باپ کے ساتھ اپنے گھر میں خوشیوں بھرا بچپن، ہنستی کھیلتی زندگی، ربلہ میں رہنے والے اپنے چچا زاد بہن بھائیوں کی محبت بھری رفاقت کھیل کود ہنسی مذاق، موآب اور اراب کی شرارتیں، ننھی سارا کا معصوم پیار، چچا حاشوم اور چچی حرمہ کی محبتیں اور شفقتیں، اس کی چشم تصور کے سامنے سب کچھ اجاگر ہوتا اور گزرتا چلا گیا۔ کتنا حسین وقت تھا وہ! خوشیوں مسرتوں سے بھرپور، ہر چند کہ گھر میں غربت تھی، افلاس تھا، صبر وشکر اور قناعت پسندی، پھر سب سے بڑھ کر باہمی محبت واتفاق، دکھ سکھ کی رفاقت، جذبہ ایثار وقربانی، خلوص ویگانگت نے زندگی کو آسان اور پرسکون ومطمئن بنا رکھا تھا۔ یونہی ہنستے کھیلتے وہ، موآب، اراب اور سارا جوانی کی سرحدوں پر جا پہنچے تھے۔ اس وقت اس کے باپ کے انتقال کے بعد سب حران میں اس کے گھر میں رہ رہے تھے جہاں اس نے باپ سے ورثے میں ملنے والی کچھ رقم سے تجارت شروع کر دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے باپ اور چچا چچی کے درمیان اس کے اور سارا کے رشتے کی بات طے ہو چکی تھی اس لیے وہ اپنے معاشی حالات کی بہتری کے لیے کوشاں ہو گیا تھا۔

سارا...... وہ معصوم، بے پناہ حسین پیاری سی گڑیا جو بچپن ہی سے ہر دم اس کے ساتھ لگی چلی آ رہی تھی۔ اب عنفوانِ شباب کو پہنچ کر نہایت ہی حسین وجمیل دوشیزہ بن چکی تھی۔ اس کا حسن وجمال ایسا تھا کہ لوگ اسے انسان نہیں کوئی ماورائی مخلوق سمجھتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو کتنا خوش قسمت سمجھتا تھا کہ بے مثال حسن وجمال کی مالک یہ دوشیزہ اب ہمیشہ کے لیے اس کی رفاقت میں آنے والی تھی! اس کی بیوی بننے والی تھی! اپنے معاشی حالات کی بہتری کے لیے وہ دن رات محنت کر رہا تھا۔ وہ دنیا بھر کی خوشیاں سارا کے دامن میں لا کر

ڈال دینا چاہتا تھا۔ موآب اور اراب پہلے ہی سے قسمت آزمائی کے لیے بابل جا چکے تھے۔ اس نے بھی تہیہ کرلیا تھا کہ اگر حران میں رہتے ہوئے اس کے معاشی حالات بہتر نہ ہوئے تو وہ بھی بابل چلا جائے گا۔

پھر سارا سے اس کی شادی ہوگئی...... اس وقت اسے معلوم ہوا تھا کہ زندگی کا حسن اور دلکشی کیا چیز تھی۔ سارا صرف ظاہری حسن و جمال میں ہی بے مثال نہیں تھی، سیرت کے اعتبار سے بھی بے مثال تھی۔ وہ اس کے لیے حقیقی معنوں میں اطاعت گزار، فرمانبردار، غم خوار، دکھ سکھ کی پر خلوص اور سچی ساتھی ثابت ہوئی۔ غربت کے باوجود ان کا گھر جنت کا نمونہ تھا۔ خوشیوں مسرتوں راحتوں کا گھر تھا جس میں دونوں بے حد خوش تھے، مطمئن تھے۔

ان کی شادی کے بعد سارا کے ماں باپ واپس ربلہ چلے گئے تھے۔ یوں وہ حران میں اپنے گھر میں تنہا رہ گئے تھے۔ اب ان کے ہاں جلد ہی ایک ننھے مہمان کی آمد متوقع تھی۔ حران میں چونکہ ان کے کوئی رشتہ دار نہیں تھے، اس لیے سارا بچے کی پیدائش کے لیے ربلہ اپنی ماں کے پاس جانا چاہتی تھی۔ جو اس کی بہتر دیکھ بھال بھی کرسکتی تھی۔ لیکن اس وقت اس کی ماں ربلہ میں نہیں تھی بلکہ بابل اپنے بیٹوں کے پاس گئی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس نے سارا کو بابل لے جانے کا فیصلہ کیا۔

یوآب کے منہ سے ایک جگر دوز آہ خارج ہوئی۔

آہ کاش وہ یہ فیصلہ نہ کرتا! وہ سارا کو بابل نہ لے جاتا! نہ وہ المیہ رونما ہوتا جو ان بائیس تیئس سالوں سے اس کی زندگی کا روگ بن کر اس سے چمٹا ہوا تھا۔ اسے اندر ہی اندر گھلا رہا تھا۔ وہ مر مر کر جیئے جا رہا تھا!

بابل میں موآب اور اراب نے معمولی سی ہی ملازمتیں کر رکھی تھیں۔ حالانکہ انہوں نے ہر قسم کی تعلیم حاصل کر رکھی تھی۔ ان میں ترقی کی صلاحیت بھی تھی۔ انہوں نے رہنے کے لیے جو مکان خرید رکھا تھا وہ غریب غربا کے علاقے میں اور ٹوٹا پھوٹا سا تھا۔ اس مکان میں ان کی ماں حرمہ آکر ٹھہری ہوئی تھی۔

بابل بہت بڑا شہر تھا۔ بے حد خوش حال اور ہر قسم کے کاروبار کے لیے انتہائی موزوں، اس لیے وہ سوچنے لگا تھا کہ اسے بھی وہیں آ کر بس جانا چاہیے اور کوئی کاروبار جو اچھا منافع دے سکے شروع کر دینا چاہیے۔ اس نے اس سلسلے میں موآب اور اراب سے بات کی تو انہوں نے بھی اسے پسند کیا۔ پھر ایسا ہوا کہ ان دونوں بھائیوں کو ایک دم ہی اپنے کسی کام سے سپار جانا پڑ گیا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ وہ ان کے ساتھ سپار تک چلے پھر وہاں سے حران جا کر اپنا گھر فروخت کر کے سامان وغیرہ لے کر بابل چلا جائے۔ وہ بھی یہی چاہتا تھا اس لیے وہ ان کے ساتھ ہولیا۔

آہ وہ سفر! بابل سے سپار کا سفر! جس نے اسے سارا سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا اور اپنے بچے سے بھی جو ابھی پیدا نہ ہوا تھا۔

ان کا قافلہ ابھی راستے میں ہی تھا کہ اس پر اچانک ہی صحرائی ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اس اچانک حملے سے قافلے میں کھلبلی مچ گئی۔ جس کا جہاں منہ اٹھا وہاں بھاگ اٹھا۔ وہ سراسیمہ اور بدحواس سا کچھ سوچ ہی نہ پایا تھا کہ چند ڈاکوؤں نے اسے آن لیا اور بڑی بے رحمی سے اسے مارنے اور اس کی کھال ادھیڑنے لگے۔ ان کے ہاتھ اس وقت رکے جب وہ بے ہوش ہو کر زمین پر نہ گر گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ بابل کی ایک کاروان سرائے میں پڑا تھا۔ بعد میں موقع واردات پر پہنچنے والے ایک تجارتی قافلے کے لوگ اسے اور بہت سے زخمیوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ بابل لے آئے تھے۔ جہاں انہوں نے سب کا علاج معالجہ کروایا تھا۔ اس کی ٹوٹی پھوٹی حالت علاج معالجے سے کچھ ٹھیک تو ضرور ہو گئی تھی لیکن اس کی ایک ٹانگ میں لنگ آ چکا تھا۔ ایک آنکھ حلقے سے کچھ باہر نکل آئی تھی اور ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ نچلا ہونٹ بھی کٹ گیا تھا۔ چہرہ زخموں کے داغوں سے بھر گیا تھا۔ اس نے جب اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تھا تو گھن کھا کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کی مردانہ وجاہت اب کہیں باقی نہ رہی تھی۔ اب وہ ایسا بدصورت اور کریہہ المنظر بن چکا تھا جس پر دوسری نظر ڈالنا بھی کوئی پسند نہ کرتا...... اس حادثے...... اس المیے پر وہ بے حد پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا۔ وہ اپنا یہ

چہرہ لیے اب کس طرح سارا کے سامنے جا سکتا تھا؟ کس طرح گھر والوں کا سامنا کر سکتا تھا؟ اسے حیرت تھی کہ ڈاکوؤں کے حملے کے وقت موآب اور اراب کہاں تھے؟ کہاں غائب ہوگئے تھے۔ اس نے معلوم کرلیا تھا کہ وہ قتل ہوجانے والے لوگوں میں نہ پائے گئے تھے نہ ہی وہ زخمیوں میں پائے گئے تھے۔ شاید وہ جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ اگر ایسا تھا تو انہوں نے اس کی جانب سے بے حد بے حسی اور ظلم کا مظاہرہ کیا تھا جو اسے، جو ان کی بہن کا شوہر تھا، یوں ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارے جانے کے لیے چھوڑ گئے تھے۔

پھر جب اس کی حالت کچھ بہتر ہوئی تھی تو وہ اپنا چہرہ چھپائے اس گھر میں جا پہنچا تھا جہاں سارا اپنی ماں اور بھائیوں کے ساتھ ٹھہری ہوئی تھی۔ لیکن وہاں اس وقت اجنبی لوگ رہائش پذیر تھے جنہوں نے اسے بتایا کہ اس گھر کے پہلے مکین وہ گھر ان کے ہاتھ فروخت کر کے کہیں اور جا چکے تھے۔ ان لوگوں سے اسے کوئی کام کی بات معلوم نہ ہوسکی۔ بابل بہت ہی بڑا شہر تھا جس میں کسی کو تلاش کرنا انتہائی مشکل کام تھا۔ اس نے یہ سوچ کر کہ شاید وہ لوگ ربلہ چلے گئے ہوں۔ اپنی خستہ وشکستہ حالت کے باوجود وہاں کا سفر کیا اور اس سفر سے بھی اسے سوائے مایوسی اور نا امیدی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ربلہ میں جس مکان میں چچا حاشوم کے خاندان کی رہائش تھی وہ اب اور ہی لوگوں کی ملکیت بن چکا تھا۔ چچا حاشوم اسے فروخت کر کے جانے کہاں چلے گئے تھے۔ ربلہ میں باوجود تلاشِ بسیار کے اسے ان کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ ان کی دکان بھی فروخت ہوچکی تھی۔ نئے خریدار بھی اسے ان کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے۔ پھر اسے حران کا خیال آیا۔ لیکن وہاں بھی اس کا گھر خالی پڑا تھا۔ اب تو اس کی مایوسیوں اور ناامیدیوں کا ٹھکانہ نہ رہا تھا۔ اس نے حران میں بھی ان لوگوں کو ہر جگہ تلاش کیا لیکن اسے وہاں بھی سوائے مایوسی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اب حران میں بھی اس کا کیا باقی رہ گیا تھا۔ اس کا تو سب کچھ اجڑ چکا تھا۔ دنیا برباد ہوچکی تھی۔ جانے کیوں اسے اب رہ رہ کر یہ شک ہو رہا تھا کہ اس کے چچا کے گھر والوں نے کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت

اسے راہ سے ہٹانے کی کوشش کی تھی۔ کس لیے؟ وجہ باوجود کوشش کے اس کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔ اس کے پاس تو سوائے حران کے مکان اور تھوڑی سی دولت کے کچھ نہ تھا پھر اس سے چھٹکارا پا کر انہیں کیا مل جانا تھا؟ اس کی عقل نے کچھ کام نہ دیا۔ اس نے حران میں رہنا بے کار سمجھ کر اپنا مکان فروخت کیا اور پھر بابل کی راہ لی۔ اسے امید تھی کہ وہاں رہتے ہوئے کبھی نہ کبھی تو اپنے چچا کے خاندان کا پتہ چلانے میں کامیاب ہو ہی جائے گا۔

بابل پہنچ کر اس کے سامنے اب فکر معاش کا مسئلہ تھا۔ وہاں اسے باوجود کوشش کے کوئی کام کوئی ملازمت نہ مل سکی۔ وہ ایسا ہی بدصورت کریہہ المنظر تھا کہ جہاں کہیں جاتا تھا بری طرح سے دھتکار کر بھگا دیا جاتا تھا۔ لوگ اسے دیکھ کر تھوکنا اور قے کرنا شروع کر دیتے تھے۔ اپنے حالات سے انتہائی مایوس اور دلبرداشتہ اس کے سامنے ایک ہی راہ باقی رہ گئی تھی کہ وہ اپنی زندگی کا خاتمہ کر لے۔ اس مقصد کے لیے وہ ایک دن کبار نہر کی طرف چلا گیا۔ اس کے کنارے پہنچ کر اس نے اس میں چھلانگ لگانے کے لیے جوتے اتارے ہی تھے کہ ایک فقیر نے، جو وہاں بیٹھا اس کی حرکتیں دیکھ رہا تھا آ کر اسے پکڑ لیا اور اسے حرام موت مرنے سے روک دیا۔ وہ غلیظ اور گندہ سا فقیر جو جانے کن کن بیماریوں میں مبتلا تھا اس کے ساتھ بے حد ہمدردی سے پیش آیا۔ اس نے ہمدردانہ اس کے حالات سنے پھر اسے بابل کے معروف سوداگر حزقی ایل کا پتہ بتایا کہ وہ اس کے پاس چلا جائے۔ وہ انتہائی انسان دوست رحمدل دکھیوں، بے نواؤں اور معاشرے کے دھتکارے لوگوں کا ملجا و ماویٰ، دستگیر اور حاجت روا تھا۔ وہ ابھی دو تین دن ہوئے ایک ایسے بچے کو وہاں نہر کے کنارے کوڑے کے ڈھیروں پر سے اٹھا کر اپنے گھر لے گیا تھا جسے جانے کون عورت اپنا گناہ چھپانے کے لیے کتوں اور گدھوں کی خوراک بننے وہاں ڈال گئی تھی۔ اس فقیر نے حزقی ایل کی ایسی ایسی تعریفیں کیں کہ وہ خودکشی کا ارادہ ترک کر کے اس کے گھر جا پہنچا۔ حزقی ایل واقعی ویسا ہی ثابت ہوا جیسا کہ اس فقیر نے اسے بتایا تھا۔ وہ اس سے نہایت ہمدردی مہربانی اور خلوص سے پیش آیا۔ اس نے اس کے تمام حالات نہایت ہمدردی توجہ اور دلچسپی

سے سنے۔ پھر باوجود اس کی انتہائی گھناؤنی اور کریہہ المنظر صورت، ٹانگ کے لنگ اور آنکھ کے نقص کے اسے اپنے گھر کا داروغہ بنا دیا۔ اسے رہنے کے لیے الگ رہائش گاہ دی۔ گھر کے غلاموں کنیزوں کو سختی سے اس کی خدمت کرنے اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا۔

اوریاہ یا یوآب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کا دل اپنے آقا کے لیے بے پناہ عقیدت واحسان مندی کے جذبات سے معمور ہوگیا۔ حزقی ایل واقعی انسان نہیں فرشتہ تھا۔ رحمت کا فرشتہ! اس کے گھر میں صرف وہی نہیں چند ایسے اور لوگ بھی موجود تھے جن کا دنیا میں کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔ جو معذور ومجبور تھے۔ اس کے زیرِ سایہ وہ سب سکون چین کی زندگیاں بسر کررہے تھے۔ حزقی ایل واقعی نیکی کا فرشتہ تھا۔

اس کے گھر میں رہتے ہوئے اسے اس بچے کے بارے میں بھی معلوم ہوا تھا جسے حزقی ایل کبار نہر کے کنارے کوڑے کے ڈھیروں پر سے اٹھا لایا تھا۔ اس بچے کا نام اس نے الیاسف رکھا تھا۔ وہ وہاں بڑے ناز ونعم سے پرورش پا رہا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ وہ ایک بے حد ہی حسین بچہ تھا۔ جو اپنے رنگ روپ نقوش ونگار سے خالص یہودی النسل دکھائی دیتا تھا۔ حزقی ایل کی بیوی چونکہ اسے پسند نہ کرتی تھی اس لیے وہ کنیزوں خادماؤں میں پرورش پا رہا تھا۔ وہ اس بچے کو دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن اندرون وبیرونِ خانہ ذمہ داریوں اور مصروفیات نے طویل عرصہ تک اسے اس کی فرصت نہ دی۔ پھر کئی ماہ گزرنے کے بعد بوڑھی عمورہ نے اسے لا کر دکھایا تو اسے ایسا دھچکا لگا کہ وہ دل وجان سے لرز گیا۔ اس صورت کو وہ کبھی بھول سکتا تھا؟ وہ جو ہر دم اس کے دل میں رہتی تھی! اس کی رگِ جان کے قریب رہتی تھی، ہر دم خوابوں میں بسی رہتی تھی! جس کے تصور اور خیال سے اس کی تنہائیاں آباد رہتی تھیں۔ یہ بچہ ...... جو اب ڈیڑھ سال کا ہو چکا تھا۔ حسین وجمیل بچہ ...... چاند کا ٹکڑا ...... ایک پھول ...... ہو بہو اس صورت کی ننھی سی مورت تھا! وہ اسے بوڑھی عمورہ سے لے کر بالکل جنونی انداز میں اسے ہر ہر پہلو سے، ہر ہر طرف سے دیکھنے لگا تھا۔ اس کا ایک ایک نقش، ایک ایک خط، ایک ایک عضو! پھر اس نے نیم دیوانگی کے عالم میں اسے اس کے دائیں کان کے نیچے گردن

پر کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی تھی اور اسے دیکھ ہی لیا تھا۔ وہ ابھرا ہوا سیاہ تل!

آہ یہ اس کا بچہ تھا! اس کا لخت جگر! اس کا خون! اس کا بیٹا! اس نے اسے سینے سے لگا لیا اور بے تحاشہ چومنے لگا۔ اس سے اسے وہی جانی پہچانی مہک آتی محسوس ہو رہی تھی جو اسے بری طرح تڑپائے دے رہی تھی۔ اس کا دل خون ہوا جا رہا تھا، اس میں سے سارا...... سارا کی جگر دوز کراہیں خارج ہو رہی تھیں۔ جانے یہ کیا ہوا تھا؟ اس کا بچہ یوں کوڑے کے ڈھیر پر کیوں پھینک دیا گیا تھا؟ سارا پر کیا گزری تھی؟ یہ ظلم آخر کس نے کیا تھا؟ وہ سب لوگ آخر کہاں غائب ہو گئے تھے؟ یوں چپ چپاتے ...... پراسرار طور پر...... اچانک ...... وہ تو ہر جگہ کی خاک چھان آیا تھا۔ لیکن انہیں جانے زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا تھا؟ یہ تمام معاملہ بے حد پراسرار سا تھا۔ اک معمہ لا ینحل تھا۔ جسے سلجھانے کی کوشش میں اس کی قوتیں جواب دینے لگی تھیں۔

اس نے بوڑھی عمورہ یا کسی کو نہ بتایا کہ الیاسف درحقیقت اس کا بیٹا تھا۔ اس کے اس سے بے پناہ پیار نے گھر میں کسی کو نہ چونکایا تھا کیونکہ الیاسف تھا ہی ایسا حسین و جمیل اور خوش اطوار بچہ کہ سب ہی اس سے بے پناہ پیار کرتے تھے۔ لیکن شاید یہ خون کا رشتہ تھا۔ اور اس رشتے کی کشش کہ الیاسف بھی اس کی محبت کا جواب اسی محبت سے دینے لگا اور باوجود اس کی گھناؤنی اور بگڑی ہوئی صورت کے اس سے بے پناہ پیار کرنے اور اس کے ساتھ لگا رہنے لگا۔ وہ رات کو اس کے ساتھ ان کے بستر پر اس سے لپٹ کر سو جاتا تھا۔ اس وقت اس کا دل کیا محسوس کرتا تھا؟ اس نے کئی مرتبہ پھر اپنا چہرہ چھپا کر چچا حاشوم کے خاندان کو بابل میں ہر جگہ تلاش کیا تھا لیکن نتیجہ وہی رہا تھا۔ تھک ہار کر اب اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ شاید وہ لوگ اسے مردہ فرض کر کے اور اس کے بچے سے چھٹکارہ پا کر کسی اور علاقے میں نکل گئے تھے۔ جہاں انہوں نے سارا کی دوبارہ شادی کر دی ہوگی اور وہیں بس گئے ہوں گے ...... یہ علاقہ کون سا ہو سکتا تھا؟ اس میں اس تلاش و جستجو کے لیے نہ ہمت تھی نہ قوت وسکت۔ ہر چند کہ رحمدل حزقی ایل نے اس کا بہترین علاج معالجہ کروایا تھا۔ اسے بابل کے

اچھے سے اچھے اطبا کو دکھایا تھا۔ وہ طویل سفروں اور زیادہ چلنے پھرنے سے اب بھی معذور تھا۔ یوں انتہائی مجبور و بے بس، اس نے اسی کو ہی غنیمت سمجھ لیا تھا کہ کم از کم اس کا بیٹا تو اس کے پاس تھا۔ سارا کے بعد وہی اس کی سب سے بڑی دولت تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اس کے سن شعور کو پہنچتے ہی وہ ضرور اسے اپنی کہانی سنائے گا اور اس پر یہ راز منکشف کردے گا کہ وہ اس کا حقیقی باپ ہے۔ وہ اس کا جائز اور حقیقی بیٹا ہے۔

وہ اپنی کریہہ المنظر اور گھناؤنی شکل وصورت کے سبب گھر سے بہت کم باہر نکلا کرتا تھا۔ اس علاقے میں، شارع اریوک پر واقع گھروں میں یہودیوں سے زیادہ بت پرست بابلیوں کی رہائش گاہیں تھیں جو اس سے سخت نفرت کرتے تھے اور اسے دیکھتے ہی تھوکنے اور ابکائیاں لینے لگتے تھے۔ ان میں وہ منحوس اور بدشگونی کی علامت مشہور تھا۔ ان کے کہنے کے مطابق جب کبھی ان کی نظر اس پر پڑ جاتی تھی تو ان کا وہ تمام دن منحوس گزرتا تھا۔ وہ اسے اپنے سب سے بڑے دیوتا مردوک کا پھٹکارا ہوا بندہ کہتے تھے۔ چند حادثات اور نحوست بھرے واقعات کے بعد تو وہ اس کے جانی دشمن بن چکے تھے۔ انہوں نے کئی مرتبہ حزقی ایل سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اسے گھر سے نکال دے۔ کہیں دور بھیج دے۔ لیکن حزقی ایل کبھی یہ ظلم کرنے پر آمادہ نہ ہوا تھا۔ اس پر انہوں نے اسے دھمکیاں دینی شروع کی تھیں کہ اگر اس نے اسے گھر سے نہ نکالا تو وہ ضرور اسے قتل کردیں گے۔ اس کی نحوست اب بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ ان کی دھمکیوں کے خوف سے وہ اب گھر پر ہی رہنے لگا تھا۔ حزقی ایل نے اسے سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ باہر اپنا چہرہ چھپا کر بھی نہ جایا کرے۔ بلکہ گھر پر ہی رہا کرے۔

یوں اس کا وقت گھر پر رہتے ہوئے ہی گزر رہا تھا۔ بیس سال سے اوپر کا عرصہ اسی طرح گزر چکا تھا۔ الیاسف اب جوانی کی عمر کو پہنچ چکا تھا۔ کبڑے پن کے باوجود وہ اسی کی طرح دراز قامت تھا۔ وہ انتہائی حسین و جمیل تھا، اس کے نقوش ونگار اور رنگ روپ اپنی ماں جیسا تھا۔ لیکن بال اسی کی طرح سیاہ اور گھنگھریالے تھے۔ اپنی ماں ہی کی طرح وہ حسن سیرت سے بھی مزین تھا۔ سب اس سے بے پناہ محبت کرتے اور اسے عزیز رکھتے تھے۔

اسے اپنے بیٹے پر بے پناہ فخر تھا! غرور اور ناز تھا۔

اب وہ وقت آ چکا تھا کہ وہ الیاسف کو اپنی کہانی سناتا۔ اس پر عظیم راز منکشف کرتا۔ لیکن ایسے موقع کا وہ اب تک منتظر ہی چلا آ رہا تھا۔ ہر بار وہ اسے اپنی کہانی سناتے سناتے رہ جاتا تھا۔ اپنا راز افشا کرتے کرتے رہ جاتا تھا۔ اس پر اسے بے حد حیرت بھی ہوتی تھی اور الجھن بھی۔ جانے ایسا کیوں ہو رہا تھا۔ اس میں ڈرنے ہچکچانے کی تو کوئی بات نہیں تھی۔ پھر آخر وہ اس بارے میں کیوں لب کشائی نہ کر پاتا تھا؟ یہ تو عجیب سی ہی بات تھی! ناقابل فہم اور انتہائی عجیب سی۔

یوآب یا ادریاہ نے گہری سانس لیتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

کبھی نہ کبھی تو ایسا موقع ضرور آئے گا جب اسے اپنے بیٹے کو اپنی کہانی سنانے اور اس پر وہ قیمتی راز منکشف کرتے کوئی ہچکچاہٹ، کوئی ڈر یا جھجک مانع نہ ہوگی۔

الیاسف کے غلام گردش میں داخل ہوتے ہی حرقا کی کنیز خاص معکہ اس کی طرف چلی آئی۔

''الیاسف ...... تمہیں صاحبزادی یاد کر رہی ہیں۔ اپنی نشست گاہ میں۔''

الیاسف بے اختیار مسکرا دیا۔

''ہاں میں وہیں جا رہا ہوں۔''

جب وہ نشست گاہ میں داخل ہوا تو حرقا وہاں اس کی منتظر کھڑی تھی۔

''آ گئے الیاسف!'' وہ لپک کر اس کے قریب چلی آئی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے عمر میں پہلی بار یہ حرکت کی تھی۔ الیاسف کو اپنے رگ و پے میں سنسنی سی دوڑتی محسوس ہوئی۔ ''رب موسیٰ وہارون کا لاکھ لاکھ شکر کہ تم بخیر وعافیت گھر واپس آ گئے۔ ہم تو تمہاری طرف سے پریشان اور متفکر ہی ہونے لگے تھے۔'' اس کے لہجے میں جو کھنک اور انبساط ومسرت کی جھلک تھی اس نے الیاسف پر کچھ عجیب سا اثر کیا۔

''لیکن یہ پہلا موقع تو نہیں محترم مالکن کہ میں اتنی دیر سے گھر واپس آیا ہوں۔ ایسے کئی مواقع پہلے بھی گزر چکے ہیں۔'' مسکرا کر بولا۔

''اس وقت اس خطے کے سیاسی حالات کوئی مدوجزر کے شکار نہیں تھے۔ اس وقت سیاسی حالات مخدوش ہیں۔ راستے بھی محفوظ نہیں۔ اس لیے ہمارا تمہاری طرف سے پریشان اور فکر مند ہونا قدرتی بات تھی۔'' حرقا کے لہجے میں وابستگی اور وارفتگی کا جو رنگ تھا اس نے الیاسف کو چونکا دیا۔ اس نے بھرپور نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا ہاتھ بدستور اس کے نرم وملائم ہاتھ میں تھا۔ وہ اس کے بالکل قریب کھڑی تھی۔ نہایت خوبصورت بیش قیمت لباس میں ملبوس، ہلکے لیکن نفیس زیورات سے مزین، خوب صورت صحت مند چہرے کو اس کی طرف اٹھائے۔ خوبصورت سیاہ سرگین آنکھیں اس کے چہرے پر جمائے، اس کی آنکھوں میں جو جذبات جو تاثرات تھے وہ الیاسف کے لیے بالکل نئے اور انوکھے تھے۔ اس کے جذبۂ دل نے عجیب سی کروٹ لی۔ اسے اپنے جسم کا خون سر کی طرف دوڑتا محسوس ہوا۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔ حرقا کو بھی شاید احساس ہوا۔ اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''بیٹھ جاؤ الیاسف ......'' اس نے ایک اونچی مخملیں نشست کی طرف اشارہ کیا اور اس کے سامنے دیوان پر بیٹھ گئی۔ وہ اس پرانی خلش کو بخوبی محسوس کر رہی تھی۔ اور کچھ بے چین سی ہو رہی تھی۔

''ہاں تم اروک گئے تھے وہاں کا حال تو سناؤ۔'' جب الیاسف اس کے سامنے بیٹھ چکا تو اس نے اس سے استفسار کیا۔ اس کے لہجے میں تجسس اضطراب وگھبراہٹ کا پہلے جیسا رنگ نہیں تھا۔ بلکہ لہجہ معمولی سا متجسسانہ تھا۔ الیاسف کچھ متحیر سا ہوا۔

''میں نے زمران کے بارے میں جو کچھ معلوم کیا ہے وہ آپ کو دکھ ہی دے گا مالکن محترم ...... زمران آپ کا بچپن کا ساتھی اور اچھا دوست ضرور رہا ہے۔ لیکن شادی کے معاملے میں وہ مخلص نہیں تھا ......'' اس نے رک کر حرقا کی طرف دیکھا۔ جس کے چہرے پر ناقابل فہم سے تاثرات بکھرے ہوئے تھے۔ ''میرے خیال میں اس کا یہ خیال ہوگا کہ آپ

چونکہ اس کی زندگی میں آنے والی پہلی اور واحد دوشیزہ ہیں اس لیے اسے آپ ہی سے لازماً شادی کرنی ہے۔ اسی لیے وہ آپ سے شادی کے لیے بے تاب ہوا رہتا تھا۔ لیکن پھر جب اسے ایک اور دوشیزہ دکھائی دے گئی اور اس کے دل میں اس کے لیے جو بے ساختہ سے جذبات پیدا ہوئے، احساسات میں جو تلاطم برپا ہوا اس نے اسے آپ کی طرف سے پھیر کر اس دوشیزہ کا والہ وشیدا بنا دیا۔ اس نے میرے سامنے صاف صاف اعتراف کیا کہ اس نے آپ کے لیے کبھی ایسے جذبات محسوس نہ کیے تھے۔ نہ ہی اسے آپ سے کبھی ایسی محبت ہوئی تھی۔ مالکن محترم، میں اس کی باتیں سنا کر آپ کو دکھ نہیں پہنچانا چاہتا۔ میں نے اس کی تمام باتیں، تمام تاویلات اور وضاحتیں خاموشی سے سن لیں۔ اسے سمجھانے بجھانے کی کوشش نہیں کی۔ یہ سب بیکار ہی ثابت ہوتا کیونکہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا صحیح کہہ رہا تھا۔ وہ آپ کے ساتھ نہیں اسی دوشیزہ کے ساتھ ہی خوش رہ سکتا ہے جسے وہ اب اپنے دل کی سجدہ گاہ بنائے ہوئے ہے۔"

حرقا معلوم ہوتا تھا کچھ عدم توجہی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"وہ کون ہے؟ تمہیں کیا معلوم ہے؟" اس نے دلچسپی سے خالی لہجے میں استفہام کیا۔

"وہ یہاں بابل کے مشہور ساہوکار اور فوجی سالار سردار عمون صدوقی کی صاحبزادی قوعیلہ ہے۔"

"کیا!" حرقا کو ایک دھچکا سا لگا۔ وہ الیاسف کو یوں دیکھنے لگی گویا اسے اپنی ساعت پر یقین نہ آیا تھا۔ "قوعیلہ؟ وہ زمران سے کیسے آ ٹکرائی؟"

"یہ بات مجھے زمران نے بتائی تھی۔ اس نے اسے پہلی مرتبہ اس کے ماموں عجلون کے ہاں برپا ہونے والی ایک محفل نشاط میں دیکھا تھا۔ عجلون کا بیٹا نحمیاہ اس کا دوست ہے اس لیے وہ بھی وہاں مدعو کیا گیا تھا۔ بس وہاں اس نے قوعیلہ کو دیکھا اور دل ہار گیا۔ قوعیلہ بھی دل وجان سے اس پر فدا ہوگئی۔ اب زمران نے اپنے والد کا کاروبار سنبھال لیا ہے اور خوب ذمہ داری سے کام کر رہا ہے۔ یعنی اپنے آپ کو شادی کے لیے تیار کر رہا ہے۔ آپ

قو عیلہ کے نام پر چونکیں کیوں مالکن محترم؟ کیا آپ اس سے واقف ہیں؟''

''وہ میری سہیلی ہے۔ وہ واقعی اس قابل ہے کہ کوئی بھی اس کے سامنے دل ہار جائے۔ چلو اچھا ہوا۔ زمران نے بہترین انتخاب کیا۔'' حرقا کا لہجہ ہموار اور بے تاثر تھا۔

الیاسف اسے عمیق نگاہی سے دیکھ رہا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ اس کی بتائی ہوئی باتوں پر اس نے کسی شدید قسم کے ردِعمل کا اظہار کیوں نہ کیا تھا۔ کوئی دکھ، غم یا غصہ کیوں نہ ظاہر کیا تھا۔ وہ تو پرسکون ہی رہی تھی۔ پرسکون اور مطمئن۔ کیا وہ خود بھی زمران سے چھٹکارہ پانا چاہتی تھی؟ کیا وہ بھی اس سے بے زار ہو چکی تھی؟ وہ انتہائی حیرت زدہ ہوا جا رہا تھا۔ اور الجھن زدہ بھی۔ لیکن وہ اس سے کچھ نہ پوچھ سکتا تھا۔ اسے اپنی حیثیت معلوم تھی۔

حرقا کو بار بار وہ خلش پریشان کر رہی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی کہ اب الیاسف کو دیکھتے ہی ایسا کیوں ہونے لگتا تھا کہ وہ کچھ بے چینی، کچھ اضطراب سا محسوس کرنے لگتی تھی۔ پہلے تو ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ اسے ایک ہی گھر میں بچپن سے لے کر اب تک الیاسف کے ساتھ رہتے کتنا ہی عرصہ گزر چکا تھا اور اب؟ اب ایسا کیوں ہو رہا تھا؟

وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

''شکریہ الیاسف...... تم اب جا کر آرام کرو۔ تھکے ہوئے ہو گے۔''

''بہت بہتر۔''

الیاسف اپنی نشست پر سے اٹھ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔

حرقا کچھ دیر کھڑی کچھ سوچتی رہی۔ پھر کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ ویسی ہی مضطرب و بے چین تھی۔ اس کی سمجھ و فہم کوئی کام نہ کر رہی تھی۔

آرامی سوداگر

ایمگور بل کے انتہائی مشرق بلکہ شمال مشرق کی طرف واقع اس پیتل کے بھاری بھرکم دروازے سے برائے نام ہی مسافروں کی آمد ورفت ہوا کرتی تھی۔ اس دروازے سے وہ تجارتی ومسافر قافلے آتے جاتے تھے جنہیں انتہائی مشرقی ایرانی علاقوں یا شمالی علاقوں جانا ہوتا تھا یا جو وہاں سے بابل پہنچتے تھے۔ انتہائی کم آمدورفت کے باوجود حکومت بابل اس دروازے کی طرف سے بھی غافل نہیں تھی۔ وہاں بھی خاصی تعداد میں مسلح دربان تعینات تھے اور اوپر فصیل پر بھی چاق چوبند فوجی دستے ہر دم متحرک رہتے تھے۔ اس کے پشتوں میں بنے ہوئے راستوں سے آنے والے ہر مسافر کی خواہ وہ بابل کا باشندہ ہی کیوں نہ ہوتا، تلاشی لی جاتی تھی اور اس سے پوچھ گچھ کی جاتی تھی۔ نمیتی بل سے گزرتے ہوئے البتہ کسی سے کوئی تعرض نہ کیا جاتا تھا۔

الیاسف تین دن گزر جانے کے بعد اپنے سفید گھوڑے پر سوار، یوآب کی دعائیں لے کر اور اس کی نصائح وہدایات ذہن نشین کر کے صبح سویرے ایمگور بل کے اس انتہائی دور دراز کے مشرقی پھاٹک کی سمت روانہ ہو گیا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اسے اپنی خوش بختی پر فخر وناز بھی محسوس ہو رہا تھا۔ یہ وقت بھی کبھی اس کی زندگی میں آنا تھا کہ اسے ایک بے حسب ونسب کے کبڑے کو یہ اعزاز نصیب ہوتا کہ وہ ایسے عظیم حکمران فاتح ارض کی ایسی خدمت انجام دیتا جو اس کے لیے بابل کی فتح کا راستہ کھول دیتی۔ یہودیوں کو مدتوں کی غلامی سے نجات دلا دیتی۔

یوآب کی ہدایت پر اس نے سادہ سا ہی لباس پہنا تھا کہ وہ نمایاں نہ دکھائی دے۔ گھوڑا بھی اس نے عام سا چنا تھا۔ کوئی ہتھیار وغیرہ اپنے ساتھ نہ لیا تھا۔ تیز رفتاری سے

گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس نے چوراہے پر پہنچ کر وہ سڑک اختیار کی جو معلق باغات کے ایک پہلو سے چکر لگا کر بکھرے ہوئے رہائشی علاقوں سے گزرتی ہوئی ویران علاقے میں جا نکلتی تھی۔ اس سے آگے کھیتوں اور باغات کے طویل سلسلے میلوں تک پھیلتے پھیلتے عظیم فصیلوں کے مشرقی اور شمال مشرقی پہلوؤں تک دراز ہوتے چلے جاتے تھے۔ وہ بڑی تیزی سے ان میں بنے ہوئے راستے سمیٹتا رہا۔ لحہ بہ لحہ اس پھاٹک کے قریب آتا رہا۔ نمیتی بل سے گزرنے کے بعد لمبی چوڑی گزرگاہ عبور کرنے کے بعد ایمگو ربل کی بنیادیں شروع ہوجاتی تھیں۔ اس کے پیتل کے اس بھاری بھرکم لمبے چوڑے دروازے سے اس وقت کوئی بھی آجا نہ رہا تھا۔ اس لیے باغات اور کھیتوں میں سے گزرنے والی سڑکیں بھی ویران پڑی تھیں۔ الیاسف کے خیال میں یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ کیونکہ ایسی صورت میں آنے والا واحد مسافر فصیل کے محافظوں اور پھاٹ کے پہریداروں کی توجہ کا مرکز بن جاتا۔

کھجوروں کے ایک جھنڈ میں پھاٹک سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر وہ گھوڑے سے اتر گیا۔ اس نے اسے وہاں ایک درخت کے تنے سے باندھا اور کھلے ہوئے پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔ اسی وقت گدھوں اور خچروں پر مشتمل ایک تجارتی قافلہ پھاٹک سے اندر داخل ہوگیا۔ الیاسف اس قافلے میں سے گزرتا ہوا پھاٹک سے باہر نکل کر قریبی پشتوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے وہاں ہر جگہ اس مسافر کو تلاش کیا لیکن وہ اسے کہیں نہ دکھائی دیا۔ شاید وہ ابھی وہاں پہنچا نہیں تھا۔ وہ ایک بلند پشتے پر چڑھ گیا اور مشرق کی سمت دور دور تک نظریں دوڑانے لگا۔ کاروانی راستے دور پہاڑوں تک ویران پڑے تھے۔ ان پر کوئی اکیلا دکیلا مسافر تک آتا یا جاتا نہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ پشتے کے اوپر اس کی چوٹی پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور پہاڑوں سے نکلنے والے راستوں پر نظریں جما دیں۔

کافی دیر گزر گئی۔

پھر اسے پشتوں کے عقب سے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ دوسرے ہی لمحے مشکی تنومند گھوڑے پر سوار ایک آرامی سوداگر اس کے سامنے تھا۔ اسے وہ لاکھوں میں پہچان

سکتا تھا۔ وہ سائرس ہخامنشی تھا۔ ایرانی شہنشاہ، فاتح ارض۔ وہ چھلانگ لگا کر پشتے سے نیچے اتر آیا۔ اسی وقت سائرس ہخامنشی نے اپنا ہاتھ روکنے کے انداز میں بلند کیا۔

''کسی احترام وتعظیم کا مظاہرہ نہ کرو الیاسف۔ میرے ساتھ یوں پیش آؤ جیسے تم میرے رشتہ دار، میرے بے تکلف قریبی عزیز ہو۔ گھوڑا لائے ہو؟''

''جی ہاں...... وہ اندر بندھا ہے۔'' الیاسف مؤدب لہجے میں بولا۔

''چلو پھر اندر چلیں......''

وہ دونوں پھاٹک سے اندر داخل ہوگئے۔ پھاٹک پر متعین محافظوں نے ان دونوں پر سرسری سی ہی نظریں ڈالیں اور ان سے کوئی پوچھ گچھ نہ کی۔ ظاہر تھا ایک پیدل اور ایک سوار شخص جو ہتھیار بند بھی نہیں تھے، ان کے نزدیک بے ضرر سے ہی بندے تھے۔

اندر کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ میں پہنچ کر الیاسف نے ایک درخت کے تنے میں بندھا ہوا اپنا گھوڑا کھولا اور اس پر سوار ہوگیا۔

''چلو اب تم مجھے اس شہر کے چپے چپے میں گھماؤ۔ ہر جگہ دکھاؤ۔'' سائرس ہخامنشی نے اس سے کہا۔

''آپ کیا اپنی لشکر گاہ سے تنہا یہاں پہنچے ہیں؟'' الیاسف نے کچھ ہچکچاتے ہوئے استفہام کیا۔

''نہیں ...... میں رات کے وقت اپنے ایک چھوٹے سے گھڑ سوار دستے کے ساتھ یہاں پہنچا تھا۔ اس فصیل کے عقب میں شمالی رخ واقع پشتوں میں ہم رات بھر پڑاؤ ڈالے رہے۔ میں چونکہ تنہا شہر میں داخل ہونا چاہتا تھا اس لیے اپنے ساتھ کسی کو نہ لایا...... میرے تمام سپاہی اس وقت اسی پڑاؤ پر موجود ہیں۔'' ہخامنشی حکمران نے اسے بتایا۔

فصیل کے اس رخ واقع پشتوں میں ان کے ساتھ ساتھ چونکہ کبار نہر کے کنارے ہی کی مانند غریب غرباء یہودی اور فقراء ومساکین معذور بیمار قریب المرگ گندے غلیظ لوگ ڈیرے ڈالے رہتے تھے۔ اس لیے فصیل کے اوپر چکر لگاتے رہنے والے مسلح محافظ ان

پشتوں کی طرف کوئی توجہ نہ دیتے تھے۔ ان کی اس عدم توجہی اور لا پروائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہی رات کی تاریکی میں سائرس ہخامنشی اپنے دستے کے ساتھ وہاں آن پہنچا تھا اور اس نے وہاں پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ وہ لوگ مسافروں کے بھیس میں وہاں پہنچے تھے یا پھر خانہ بدوشوں کے...... الیاسف نے کچھ نہ پوچھا اور گھوڑے پر سوار سائرس ہخامنشی کے پہلو بہ پہلو کھیتوں اور باغات سے گزرنے والے راستے پر ہولیا۔

کھیتوں اور باغات کے طویل سلسلے کو عبور کر کے وہ اس راہ پر ہو لیے جو اندرونِ شہر جاتی تھی۔ اب بابل کا بلند عظیم سنہرا اینار واضح طور پر دکھائی دینے لگا۔

''تم مجھے اس مینار تک لے چلو۔ ذرا دیکھوں یہ کیا چیز ہے۔'' سائرس نے الیاسف سے کہا۔

''آیئے بڑی سڑک پر چلیں۔ وہ قلعہ اسا گیلہ تک جاتی ہے وہاں سے اس مینار کا بہتر نظارہ ہو سکے گا......'' الیاسف بولا۔

بڑی سڑک پر پہنچ کر الیاسف اپنے معزز ہمراہی کو اس طرف لے گیا جہاں معلق باغات واقع تھے۔ ان کے ایک پہلو سے چکر لگا کر وہ شاہراہِ اداد پر آگئے۔ الیاسف اس سڑک پر پہنچ کر اپنے ہمراہی کو اس جگہ کے بارے میں بتانے لگا۔ اس سڑک سے ایک ذیلی سڑک قلعہ اسا گیلہ تک جاتی تھی۔ الیاسف نے اپنے ہمراہی کو اسا گیلہ کے بارے میں بتایا کہ وہ کیا تھا۔ وہاں کیا ہوتا تھا۔ وہ گھوڑا روک کر اس عظیم مینار کو دیکھنے لگا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر گیا۔ الیاسف نے بھی اس کی تقلید کی۔

''یہ تختیاں کیسی ہیں؟'' الیاسف کے ہمراہی نے اسا گیلہ کے وسیع وعریض چونے کی اینٹوں کے بنے ہوئے صحن میں نصب تختیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''ان تختیوں پر عظیم بابلی حکمرانوں نبو پلاسر اور اس کے بیٹے بخت نصر کے کارناموں کی تفصیلات درج ہیں۔'' الیاسف نے اسے بتایا۔

''اور وہ...... وہ تختی جو سب سے الگ دکھائی دے رہی ہے اس پر کیا لکھا ہے۔ میں وہ

زبان پڑھنا نہیں جانتا......"

"یہ تختی موجودہ بابلی حکمران نبونائی نے حال ہی میں یہاں نصب کروائی ہے۔ اس پر لکھا ہے۔ "میرے قدموں میں سائرس ایرانی کا سر جھکے گا۔ اس کی تمام سلطنت میرے ہاتھوں میں آ جائے گی۔ اس کے تمام خزائن میرے تصرف میں ہوں گے۔"

سائرس ہخامنشی بے ساختہ ہنس دیا۔ "خوب! اس کی پیش گوئی تو خوب ہے!"

"نبونائی نے کہا تھا کہ اگر سائرس اس تختی کو دیکھے گا تو اس پر درج تحریر پڑھنے سے قاصر رہے گا۔" الیاسف اس کی ہنسی سے حوصلہ پا کر اسے نبونائی کے تمسخر کے بارے میں بتا بیٹھا۔

سائرس نے قہقہہ لگایا۔

"ہاں یہ اس نے سچ کہا۔ لیکن آہورا اور اناہیتا کی قسم! وہ اسے پڑھنے کی کوشش ضرور کرے گا!"

اس وقت کئی بابلی وہاں جمع ہو چکے تھے اور عجیب نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظریں آرامی سوداگر پر کم اور کبڑے الیاسف پر زیادہ پڑ رہی تھیں۔ الیاسف شدید بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اپنے ہمراہی سے کہا۔

"آیئے یہاں سے چلیں۔ یہ لوگ ہمیں مشکوک نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔"

وہ دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور اساگیلہ کی حدود سے باہر نکل آئے۔

"دریا کس طرف بہتا ہے؟ تم مجھے وہاں لے چلو۔" سائرس نے الیاسف سے کہا۔

الیاسف نے سڑک پر پہنچ کر گھوڑے کا رخ ایک ذیلی سڑک کی طرف موڑ دیا۔ اس پر چلتے ہوئے وہ دونوں جلد ہی دریا کے پل پر جا پہنچے۔ دریا کے کنارے دور تک بید کے گُٹھے پڑے تھے۔ الیاسف کا ہمراہی سوچتی ہوئی سی نظروں سے دریا کے بہاؤ کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے پانی میں ایک تنکا پھینکا اور اسے تیرتے ہوئے دور جاتے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے الیاسف سے پوچھا۔

"یہ دریا اس شہر سے گزرتا ہوا کس مقام پر فصیل سے باہر نکلتا ہے؟"
"آیئے میں آپ کو وہاں لے چلتا ہوں ......" الیاسف دریا کے کنارے کنارے آگے بڑھ گیا۔

اس دریا سے ایک نہر نکلتی تھی۔ بڑی تعداد میں غلام بالٹیاں سنبھالے اس نہر کا پانی ایک آب راہ میں پھینک رہے تھے۔ ان کے سروں پر ایک نگران مسلط کھڑا ان کے کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ اور دیکھ رہا تھا کہ کس قدر پانی آب راہ میں ڈالا جا چکا تھا۔

چلتے چلتے بالآخر وہ اس مقام پر آن پہنچے جہاں دریا کا پانی فصیل میں بنی ہوئی ایک محراب کے اندر سے بہتا ہوا دوسری طرف جا رہا تھا۔ سائرس کافی دیر تک پر سوچ نظروں سے اس محراب اور اس میں بہتے پانی کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گھوڑے کا رخ موڑا۔

"چلو اب تم مجھے باقی شہر کی سیر کراؤ۔" اس نے الیاسف سے کہا۔

الیاسف اسے ساتھ لیے بابل کے ہر حصے ہر گوشے کی سیر کراتا رہا۔ اس کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کرتا رہا۔ یہاں تک کہ شام ہونے کو آ گئی اور فضا میں ٹھنڈک سی پیدا ہونے لگی۔

"اب میرے دوست ......" جب سائرس بابل کو اچھی طرح دیکھ بھال چکا تو اس نے الیاسف سے کہا۔ "تم مجھے واپسی کا راستہ بتاؤ۔ میں تنہا ہی یہاں سے نکل جاؤں گا۔ تم نے میرے لیے جو زحمت اٹھائی ہے اس پر میں تمہارا بے حد ممنون و مشکور ہوں۔"

وہ اس وقت ایک ویران سے کھجوروں کے باغ میں کھڑے تھے۔

"شہنشاہِ معظم ...... یہ میری بے پناہ خوش قسمتی ہے کہ مجھے آپ کی خدمت کا موقع ملا۔ آپ آئندہ بھی مجھے اپنی ہر خدمت کے لیے تیار پائیں گے۔ آیئے میں آپ کو اس جگہ لے چلتا ہوا۔ آپ فصیل کے اس دروازے سے اپنے پڑاؤ پر پہنچ جائیں گے ......"

وہ دونوں تیزی سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے جلد ہی شہر کے شمالی مشرقی حصے میں واقع باغات اور کھیتوں والے حصے میں پہنچ گئے۔ وہاں سے کئی چھوٹی سڑکیں ایمگور بل کے اس

بڑے دروازے تک جاتی تھیں۔ ایک ذیلی سڑک پر پہنچ کر سائرس ہخامنشی نے اپنا گھوڑا روک دیا۔

''آہورا اور اناہیتا کی مہربانیاں تمہارے شامل حال رہیں الیاسف ...... اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ اب فتح بابل کے وقت تم سے ملاقات ہوگی۔''

اتنا کہہ کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور برق رفتاری سے فصیل کی سمت ہولیا۔ اور جلد ہی نمیتی بل کے پشتوں کے عقب میں جا کر غائب ہوگیا۔ الیاسف نے گھوڑے کا رخ موڑا اور شہر کی سمت ہولیا۔

جب تک وہ اپنے ہمراہی کے ساتھ شہر میں چکراتا رہا تھا اس طرف سے ہرگز غافل نہ ہوا تھا کہ بابل کے محکمہ جاسوسی کے سربراہ ریموت کے جاسوس اس پر نظر رکھے ہوئے ہوں گے۔ ہر چند کہ اس نے کسی مشکوک شخص کو اپنے آس پاس نہ دیکھا تھا۔ نہ دور ہی سے اپنے پر نظر رکھے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اپنے گھیر لیے جانے اور گرفتاری کی طرف سے پوری طرح چوکنا اور خبردار تھا۔ ایرانی بادشاہ کے چلے جانے کے بعد شہر کی طرف جاتے ہوئے وہ پوری طرح سے ہوشیار اور چوکنا تھا۔ تیز رفتاری سے گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے وہ ادھر ادھر اور اپنے عقب میں بھی دیکھ رہا تھا۔ پھر جب وہ معلق باغات تک پہنچا تو ایک دم ہی دو گھڑ سوار اس کے سامنے آگئے۔ اس کے گھوڑے نے ایک زقند بھری اور بجلی کی سی پھرتی سے ان کے درمیان سے نکلتا چلا گیا۔ ان گھڑ سواروں کو کچھ سمجھنے کا موقع نہ ملا۔ جب تک وہ سنبھلتے الیاسف ایک ذیلی سڑک میں جا کر گم ہو چکا تھا۔ وسط شہر میں گھڑ سواروں اور پیدل چلنے والوں میں ویسے بھی کسی ایسے گھڑ سوار کو تلاش کرنا مشکل تھا جو سفید گھوڑے پر سوار ہو۔ جس نے معمولی سے کپڑے پہن رکھے ہوں۔ الیاسف نے اپنا کو بڑ بڑی مہارت سے چھپا رکھا تھا۔ اور سر پر سموری ٹوپی لے رکھی تھی جو اس نے اب اتار دی تھی۔ اس پر نظر رکھنے والے اگر اب اسے دیکھتے تو آسانی سے نہ پہچان پاتے۔ وہ بڑے اطمینان سے گھوڑا دوڑاتا ہوا مختلف سڑکوں پر سے گزرتا ہوا بالآخر شارع اریوک جا پہنچا۔ اور اپنے گھر پہنچ گیا۔ یوآب

اس کے انتظار میں باہر صحن میں بڑی بے چینی اور اضطراب کے عالم میں چکر لگا رہا تھا۔ جب غلاموں نے دروازہ کھولا اور الیاسف گھوڑے پر سوار اندر داخل ہوگیا تو اس نے اطمینان کی سانس لی۔

"آ گئے میرے بیٹے ...... اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ......"

الیاسف چھلانگ لگا کر گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔

"آپ کی دعائیں شامل حال رہیں۔ میں بخیر و عافیت گھر پہنچ گیا۔" اس نے اس لہجے میں کہا کہ یوآب نے بے تاب ہو کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"آؤ اندر چلو ...... پہلے کچھ کھا پی لو۔ پھر مجھے سب کچھ سنانا۔"

یوآب کے رہائشی حصے میں نشست گاہ میں پہنچ کر وہ دونوں فرشی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد دو غلام اشیائے اکل و شرب سے بھرے تھال لیے اندر داخل ہوگئے اور ان کے سامنے دستر خوان بچھا کر ان پر تمام اشیاء سجا گئے۔

"ہاں اب سناؤ کیا گزری؟ اس معزز مہمان کے ساتھ تمہارا وقت کیسا گزرا؟" یوآب نے عبرانی زبان میں دھیمے لہجے میں اس سے استفہام کیا۔

عبرانی زبان اس گھر میں صرف حزقی ایل اور بوڑھی عمورہ کو ہی آتی تھی یا یوآب اور الیاسف کو اس لیے اگر کوئی کن سوئیاں بھی لیتا تو کچھ نہ سمجھ پاتا۔

الیاسف اسے دھیمی آواز میں بلکہ نیم سرگوشی میں ایرانی بادشاہ سے اپنی ملاقات کا حال اور اس کے ہمراہ تمام دن کی مصروفیات کے بارے میں بتانے لگا۔ ان کے درمیان ناؤ نوش کا دور بھی چلتا رہا۔ پھر جب وہ کھانے پینے سے فارغ ہو لیے تو یوآب نے متشکرانہ ہاتھ بلند کر دیے۔

"رب موسیٰ و ہارون کی رحمتیں سایہ فگن ہوں ہم یہودیوں پر! وہ غفور الرحیم ہماری تقصیریں گناہ اور خطائیں معاف فرمائے۔ ہم پر رحم فرمائے ...... یہ ہخامنشی حکمران اس کی طرف سے ہمارا نجات دہندہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس کے ہاتھوں ضرور بابل فتح ہو کر رہے گا

اور ہم یہودی طویل مدت کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے اور واپس یہودیہ چلے جائیں گے۔ یروشلم کو پھر سے آباد کریں گے۔ ہیکل سلیمانی کی از سرِ نو تعمیر کریں گے۔ اس کے ملبے سے تابوتِ سکینہ بھی ہمیں ضرور مل جائے گا......"

الیاسف کے چہرے پر گہری سنجیدگی اور فکر مندی کی جھلک تھی۔

"لیکن چچا...... آپ کے خیال میں ایمگور بل اور نمیتی بل جیسی فصیلوں کی تسخیر کیا ایسی ہی آسان ہے؟ یہ تو قطعاً ناقابل تسخیر ہیں۔"

یوآب نے پر سوچ انداز میں سر کو جنبش دی۔

"یہ فصیلیں واقعی ناقابل تسخیر کہی جاسکتی ہیں۔ لیکن ایرانی بادشاہ واضح طور پر کہہ گیا ہے کہ وہ فتح بابل کے بعد تم سے ملاقات کرے گا۔ اس کے ذہن میں اس شہر کی تسخیر کے لیے کوئی منصوبہ ضرور ہوگا۔"

الیاسف نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔

"یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے۔ میرے خیال میں اس نے شہر کی سیاحت کے دوران شاید اس کے دفاعی انتظامات میں کوئی کمزور پہلو بھانپ لیا ہوگا۔"

"ہاں......" یوآب نے پر زور لہجے میں تائید کی۔ "اس کی شہر کی سیاحت کا مقصد یہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے کامیابی دے۔ وہ شریف اور رحم دل حکمران ہے جو اپنے ہر مفتوحہ علاقے کے لوگوں سے شرافت، رواداری اور انصاف سے پیش آتا ہے۔ کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں ہونے دیتا۔ ہم مظلوم و مقہور یہودیوں کے حق میں وہ ضرور مسیحا ثابت ہوگا۔"

"اب آپ سب کو خفیہ طور پر نہر والی عبادت گاہ میں جمع ہونے کے پیغام بھجوا دیجیے۔" الیاسف دبی زبان سے بولا۔

"ہاں ضرور......" یوآب اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ "میں ابھی اور اسی وقت یہ کام کرتا ہوں۔ پھر آج رات اس عبادت گاہ میں ہمارا اجتماع ہوگا۔ تم اس وقت جا کر آرام کرو۔ دن بھر کی دوڑ بھاگ سے تم بہت تھک چکے ہو گے۔"

......اس رات کبار نہر کے کنارے کوڑے کے ڈھیروں سے ہٹ کر بنی ہوئی یہودیوں کی اس عبادت گاہ میں تمام یہودی مذہبی اکابرین اور دیگر عمائدین جمع ہوئے۔ وہاں یوآب اور الیاسف بھی پہنچے ہوئے تھے۔ الیاسف نے سرگوشیوں میں تمام قصہ ان کے گوش گزار کیا۔ پھر عبادت گاہ میں نسبتاً اونچی آواز میں گنتی کا باب پڑھا جانے لگا۔

''اور خداوند نے موسیٰ وہارون سے کہا۔ بنی اسرائیل اپنے اپنے ڈیرے اپنے اپنے جھنڈے کے پاس اور اپنے اپنے آبائی خاندان کے علَم کے ساتھ خیمہ اجتماع کے مقابل اور اس کے گرداگرد لگائیں۔ بنی یہودا، بنی اشکار، بنی زبولون، بنی روبن، بنی شمعون، بنی جد، بنی لاوی، بنی افرائیم، بنی منسی، بنی بن یمین، بنی دان، بنی آشر، بنی نفتالی، دو دو کی نفری میں مشرق، مغرب، شمال اور جنوب میں اپنے ہزاروں لاکھوں لشکروں کے ساتھ ڈیرہ لگائیں۔ خداوند کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے والوں سے مل کر خداوند کے دشمنوں سے لڑیں ......''

ریموت کے آدمی جو شکاری کتوں کی طرح اس مشکوک گھڑسوار کی ہر جگہ بوسونگھتے پھر رہے تھے، عبادت گاہ کے دروازے سے کان لگائے اندر سے آنے والی یہ آواز سن رہے تھے۔ انہیں اس میں سازش کی بو صاف سونگھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے جا کر ریموت کو اس کی خبر کی۔ ریموت نے اپنے طور پر جب اس خبر کا تجزیہ کیا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ کوئی نئی خبر نہیں تھی۔ پچھلے کئی سالوں سے یہودی عمائدین اپنے نجات دہندہ کی آمد اور اس کے ہاتھوں یہودیوں کی بابلیوں کی غلامی سے رہائی کے مژدے عام یہودیوں کو سناتے پھر رہے تھے اور کچھ بھی نہ ہوتا رہا تھا۔ لیکن اب اس آرامی سوداگر اور اس کے ساتھی پراسرار گھڑسوار والے واقعہ کے بعد یہودیوں کی سازشوں کی طرف سے خبردار رہنا اور ان کی ہر حرکت کی طرف سے کان کھڑے اور آنکھیں کھلی رکھنا ضروری ہوگیا تھا۔ اس آرامی سوداگر کے بارے میں اسے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ شہر سے چلا گیا تھا۔ لیکن اس کا ساتھی گھڑسوار باوجود سرتوڑ تلاش کے اس کے آدمیوں کو کہیں نہ مل سکا تھا۔ لیکن اس کے بارے میں اسے شک

ہی نہیں پختہ یقین تھا کہ وہ ضرور یہودی ہی ہوگا۔ اور وہ آرامی سوداگر بھی کوئی جاسوس ہوگا۔ شاید ایرانی بادشاہ کی طرف سے بھیجا ہوا جاسوس...... جسے اس گھڑ سوار یہودی نے شہر کے بارے میں اہم معلومات بہم پہنچائی ہوں گی......

اس نے شاہ نبونائی کو یہودیوں کی اس نمک حرامی اور سازش سے آگاہ کرنے کے ساتھ ہی اپنے آدمیوں کو بابل میں موجود تمام یہودیوں کی کڑی نگرانی کا حکم دے دیا۔

چھٹکارہ

پھر بالآخر حزقی ایل اپنے طویل وطول تجارتی سفر سے گھر واپس آ گیا۔ اس کی واپسی پر گھر میں جشن کا سا سماں ہوگیا۔ ہر خاص وعام بے پناہ خوش ہوا اٹھا۔ حرقا کو تو اپنے باپ کی گھر واپسی پر اتنی خوشی ہوئی کہ اس نے فوراً ہی اس خوشی میں گھر میں اک زبردست محفل نشاط برپا کروانے کا انتظام کر ڈالا۔ اس نے شارع اریوک پر واقع تمام گھروں کے رہائشیوں اور اپنے ملنے جلنے والوں کو اس محفل نشاط میں شرکت کی دعوت دی۔ اپنی نئی سہیلی قوعیلہ اور اس کے تمام گھر والوں کو بھی خصوصی بلاوا بھجوایا۔

قوعیلہ اب حرقا سے کوئی واسطہ نہ رکھنا چاہتی تھی۔ نہ ہی عجیلہ وہاں جانا چاہتی تھی۔ اس لیے ان کے گھر سے کوئی بھی اس محفل نشاط میں شامل نہ ہوا۔ شارع اریوک کے رہائشی بت پرست بابلی یوآب کی نحوست اور اس سے شدید نفرت کے سبب اس محفل نشاط میں نہ گئے۔ یوں اس محفل نشاط میں چیدہ چیدہ سرکردہ یہودی ساہوکاروں اور سوداگروں اور مذہبی عمائدین کے خاندانوں کے علاوہ کسی نے شرکت نہ کی۔ اس میں حرقا کی سہیلیوں کے خاندان بھی شریک ہوئے۔ الیاسف کے دوستوں نے بھی شرکت کی۔ یوں یہ محفل نشاط بے حد پر رونق اور بے حد کامیاب رہی۔ لیکن اس میں ایک چونکا دینے والی بات یہ ہوئی کچھ پر اسرار سے لوگ جن کا شمار مہمانوں میں نہیں تھا۔ ادھر ادھر گھومتے اور کن سوئیاں لینے کی کوشش کرتے دکھائی دیتے رہے۔

بابل میں ایرانیوں کے ممکنہ حملے کے پیش نظر اب خوف وہراس کی فضا طاری رہنے لگی تھی۔ اس پراسرار آرامی سوداگر کی آمد کی خبر پر لگا کر شہر بھر میں اڑ گئی تھی۔ سب کا خیال تھا کہ وہ کوئی ایرانی جاسوس تھا جو شہر کے رہائشی کسی یہودی غدار کی مدد سے شہر کے دفاعی

انتظامات کا جائزہ لینے وہاں پہنچا تھا۔ اس یہودی غدار کی تلاش بڑی سرگرمی سے کی جا رہی تھی اور ہر مشکوک یہودی کو گرفتار کر کے داخل زنداں کیا جا رہا تھا۔ نئے پرانے تمام یہودی خاندانوں پر نظر رکھی جا رہی تھی۔ ان میں حزقی ایل کا خاندان بھی شامل تھا۔

حرقا کو اپنے گھر میں برپا کردہ محفل نشاط میں قوعیلہ کے شرکت نہ کرنے کا بے حد افسوس تھا۔ وہ اس سے مل کر اس کی وجہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے اگلے دن وہ رتھ میں سوار ہو کر اس کے گھر جا پہنچی۔ قوعیلہ کو جب اس کی کنیز نے اس کی آمد کی خبر دی تو اس نے انتہائی ناگواری محسوس کی۔ وہ اب اس سے کوئی واسطہ نہ رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن اب چونکہ وہ اس کے گھر آن ہی پہنچی تھی۔ اس لیے اس کے لیے اخلاقاً اس سے ملنا ضروری تھا۔

جب وہ اپنی ناگواری کو چھپائے نشست گاہ میں داخل ہوئی تو پر خلوص اور صاف دل حرقا مسکراتی ہوئی اس کی طرف چلی آئی۔

''سلامتی ہو تم پر...... رب موسیٰ وہارون کی رحمتیں تم پر نازل ہوں۔''

دونوں نے ہاتھ ملائے اور آمنے سامنے مخملیں نشستوں پر بیٹھ گئیں۔

حرقا گہری نظروں سے قوعیلہ کو دیکھ رہی تھی۔ بیش قیمت اور خوبصورت لباس میں ملبوس، ہلکے قیمتی زیورات سے مزین ...... بے پناہ خوبصورت ...... بالکل اپنی ماں کی طرح ...... زمران اگر اس بری طرح اس پر فریفتہ ہو گیا تھا اور اس کا والہ وشیدا بن گیا تھا تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔

''سناؤ حرقا کیا حال چال ہے۔ تم تو بڑے عرصہ بعد ملنے آئیں۔'' قوعیلہ نے رسماً مزاج پرسی کی۔ اس کے لہجے کی دبی دبی سی ناخوشگواری کو حرقا نے محسوس نے کیا۔

''تم کل ہمارے گھر نہیں آئیں قوعیلہ۔ اس محفل نشاط میں مجھے تمہاری کمی بہت بری طرح سے محسوس ہوتی رہی۔'' حرقا نے شکوہ کیا۔

''دراصل کل میرا اور امی کا بازار جانا طے تھا۔ اس لیے میں نے تمہیں معذرت بھیج دی تھی۔'' بازار کے ذکر پر حرقا نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ان دنوں بازاروں

کی رونقیں ماند پڑتی جا رہی تھیں۔ ریموت کے محکمہ کے کارندوں کے ہاتھوں پکڑ دھکڑ کے خوف سے یہودیوں نے اور ان کی عورتوں نے گھر سے باہر نکلنا کم کردیا تھا۔ بازاروں کا تو وہ لوگ رخ ہی نہ کرتے تھے۔

''تمہیں ڈر نہیں لگا؟ آج کل ہم یہودی حکومت کی نظروں میں مشکوک بنے ہوئے ہیں۔ بازاروں کا رخ کرتے تو ہمیں سخت خوف آتا ہے۔''

''ہماری بات دوسری ہے۔ ابا محترم کا سب کو پتہ ہے کہ وہ فوج کے اعلیٰ عہدیدار ہیں۔ ہماری ہر جگہ عزت وتکریم کی جاتی ہے۔ پھر بازار جانا ہمارے لیے ضروری بھی تھا۔ کیونکہ بہت جلد زمران سے میری شادی ہونے والی ہے۔ اس کی تیاریاں ہیں۔'' قوعیلہ نے اسے اطلاع بہم پہنچائی۔

''اچھا...... مبارک ہو بہت بہت۔ یہ زمران کون صاحب ہیں؟ کیا تم ان کے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گی؟'' حرقا نے جانتے بوجھتے استفہام کیا۔

''ان کا تعلق اروک سے ہے۔ یہ بھی یہودی قدماء کا خاندان ہے۔ ان کے والد ایالون بڑے تاجر اور سرمایہ کار ہیں۔ ان کی والدہ ماریا سپار کے معروف یہودی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ زمران کے بڑے بھائی بھی امیر کبیر سوداگر ہیں۔ یہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ قسما قسم نسلوں کے گھوڑوں کا خوب شوق رکھتے ہیں۔ پہلے یہ کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ لیکن اب انہوں نے اپنے والد کا کاروبار سنبھال لیا ہے۔ شادی کے بعد ہم اروک میں ہی رہیں گے۔ جیسے امی شادی کے بعد دادا اور دادی کی خوب خدمت کرتی رہی تھیں ویسے میں بھی زمران کے ماں باپ کی خدمت کروں گی۔''

حرقا مسکرائی۔

''یہ میری بڑی خالہ اور خالو ہیں قوعیلہ۔ اور زمران میرے خالہ زاد بھائی۔ بڑی خوشی کی بات ہے جو تم بیاہ کر ان کے گھر جا رہی ہو۔ ہاں کیا شادی کی بات پکی ہو چکی؟ ہمیں ان کی طرف سے ابھی کوئی اطلاع نہیں پہنچی۔''

تو عیلہ نے متحیرانہ اس کی طرف دیکھا۔
''تمہاری خالہ اور خالو؟ زمران نے تو مجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا کہ تم اس کی اتنی قریبی رشتہ دار ہو؟ ان لوگوں نے یعنی تمہاری خالہ اور خالو نے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا ......''

''انہوں نے خیال کیا ہوگا کہ ابتدائی ملاقاتوں میں اپنے رشتہ داروں کے لمبے چوڑے تعارف کروانے کی کیا ضرورت ہے ہاں وہ کیا تمہارا رشتہ مانگنے یہاں آئے تھے؟''
''نہیں۔ وہ یہاں نہیں آئے۔ میں اس وقت اپنے نانا اور نانی کے ہاں ربلہ گئی ہوئی تھی۔ وہاں ابا محترم بھی آن پہنچے۔ مجھے ربلہ میں کافی دن گزر چکے تھے۔ ملکی حالات بھی آج کل اچھے نہیں اس لیے پریشان ہو کر وہ خود مجھے لینے ربلہ آگئے۔ وہاں زمران اور اس کے ماں باپ ان سے ملنے آگئے۔ ابا محترم نے زمران کو بے حد پسند کیا۔ نانا اور نانی کو بھی وہ بہت اچھا لگا۔ بس دونوں خاندانوں کے درمیان دو تین ملاقاتیں ہوئیں اور ہمارا رشتہ طے ہوگیا۔ امی کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہ ہوا کیونکہ انہیں بھی میری پسند اور خوشی منظور تھی۔ اب ہفتہ بھر بعد یہ شادی ہو جائے گی۔ تم تو اس میں آؤ گی ہی۔ تمہارا زمران سے قریبی رشتہ ہے۔''
''ہاں ضرور...... ہم سب اس شادی پر آئیں گے۔'' حرقا نے کہا۔
اسی وقت کنیزیں فواکہات و مشروبات کے تھال لیے کمرے میں داخل ہوگئیں اور ان کے سامنے میز پر سجا گئیں۔
''تمہاری امی کیا گھر پر نہیں؟ میں ان سے بھی مل لیتی ......'' ناؤ نوش کے دوران حرقا نے استفہام کیا۔
''وہ اس وقت بازار گئی ہوئی ہیں ...... انہیں شادی کے سلسلے میں آج کل وہاں کے چکر لگانے پڑ رہے ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ شادی کی تیاریوں میں کوئی کمی رہ جائے۔''
''تم ان کی ایک ہی جو بیٹی ہو۔'' حرقا مسکرا کر بولی۔ ''ایسی محبت قدرتی بات ہے۔''

قوعیلہ اسے شادی کی تیاریوں کے بارے میں بتانے لگی۔ وہ آئندہ زندگی کے خیال سے بے حد مسرور وشاداں دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی باتوں میں حسین خوابوں آرزوؤں تمناؤں کا رنگ تھا۔ زمران کی رفاقت کا خیال اس پر سرشارانہ کیفیت طاری کیے ہوئے تھا۔ وہ گویا ساتویں آسمان پر تھی۔ اس کی یہ کیفیات دیکھ کر حرقا کو اپنی تہی دامنی، محرومی اور ناقدری کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ بے حد دکھ محسوس کر رہی تھی۔ ساتھ ہی اسے وہی جانی پہچانی سی خلش بھی محسوس ہو رہی تھی جب وہ اب تک نہ سمجھ پائی تھی۔

پھر جب وہ وہاں سے جانے کے لیے اٹھی تو اس وقت شام گہری ہونے کو آ رہی تھی۔

''تم کچھ دیر اور رک جاتیں تو اچھا تھا۔ شاید امی سے تمہاری ملاقات ہو جاتی ......'' قوعیلہ غلام گردش میں اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولی۔

''ان سے ملاقات نہ ہو سکنے کا مجھے افسوس ہے۔ لیکن شام بہت ہو چکی ہے۔ آج کل شہر کے حالات بھی اچھے نہیں۔ میرے اتنی دیر گھر سے باہر رہنے پر گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔'' حرقا بولی۔

باہر سیڑھیوں پر پہنچ کر اس نے قوعیلہ کو الوداع کہی اور سیڑھیاں اتر کر اپنے رتھ میں آ بیٹھی اور گھر روانہ ہو گئی۔

جب وہ گھر پہنچی تو انتہائی افسوس ناک خبر اس کی منتظر تھی۔

اس علاقے کے رہائشی بت پرست بابلی جو عرصہ دراز سے حزقی ایل سے منحوس و بدشگون یوآب کو گھر سے نکال دینے کا مطالبہ کرتے چلے آ رہے تھے اور اس کے مسلسل انکار پر بے حد جلے بھنے رہتے تھے۔ مسلح جتھے کی صورت میں اس کے گھر پر حملہ آور ہو گئے تھے اور یوآب کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ انہوں نے سب کو دھمکی دی تھی کہ اگر کسی نے اسے چھڑانے کی کوشش کی تو وہ حزقی ایل کے سارے گھر کو آگ لگا دیں گے۔ حزقی ایل نے اس ڈر سے کہ وہ کہیں الیاسف کے ساتھ بھی ایسا سلوک نہ کر بیٹھیں اسے اسی وقت سپار روانہ کر دیا تھا۔ بت پرست بابلیوں کو اس سے بھی سخت نفرت تھی اس کے اس محلے میں

وجود کو وہ اپنے حق میں نحس شمار کرتے تھے۔

......حزقی ایل نشست گاہ میں سر پکڑے بیٹھا تھا۔ حرقا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

''ابا محترم!'' اس نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے پکارا۔

حزقی ایل نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں نمناک تھیں۔

''وہ ظالم اسے لے گئے بیٹی ...... بے گناہ مظلوم یوآب کو...... میں باوجود کوشش کے اسے نہ بچا سکا۔ اب وہ ظالم اسے کاٹھ پر چڑھا دیں گے!''

''نہیں!'' حرقا وحشت سے چلائی ''چچا یوآب کا کیا قصور! انہوں نے تو ان ظالموں کا کچھ نہیں بگاڑا!'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''اس نے ان ظالموں کو کبھی دکھ یا تکلیف نہیں پہنچائی۔ یہ اس بے چارے کی بگڑی ہوئی شکل وصورت تھی جو ان کے نزدیک منحوس اور بدشگونی کی علامت بنی ہوئی تھی۔ تم یہ سب باتیں جانتی ہی ہو بیٹی ...... یہ ظالم عرصہ سے مجھ پر دباؤ ڈالتے چلے آرہے تھے کہ میں یوآب کو گھر سے نکال دوں۔ بصورت دیگر وہ خود اسے پکڑ کر لے جائیں گے۔ اب ہوا بھی یہی اس آرامی سوداگر والے قصہ سے یہ اس شک میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اس ایرانی جاسوس کی راہنمائی کرنے والا یوآب ہی تھا......''

''لیکن ابا محترم۔ چچا یوآب کی شکل وصورت تو ہر جگہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا کرتی ہے۔ اگر اس ایرانی جاسوس کی راہنمائی کرنے والے واقعی وہی ہوتے تو لوگوں کو ان کی شکل صورت یاد رہتی ......''

''ریموت اور اس کے کارندوں نے یوآب پر ذرّہ بھر شک نہیں کیا۔ بس یہاں کے بت پرستی بابلی اپنی یوآب سے پرانی نفرت اور دشمنی کی بنیاد پر اس پر یہ بے بنیاد شک ظاہر کرتے ہوئے اسے پکڑ لے گئے۔ میں بے بس اور مجبور کیا کروں؟ سرکار دربار میں میری کون سنے گا جبکہ وہاں سب ہی اپنے ہم مذہب وہم نسل بابلیوں ہی کے طرف دار ہوں

گے۔ مجھے تو ایرانی بادشاہ کی فتح بابل میں یہودیوں کے لیے سوائے اس کے اور کوئی فائدہ نہیں دکھائی دیتا کہ انہیں اپنے وطن یہودیہ جانے کی آزادی مل جائے گی۔ فتح بابل کے بعد ایرانی بھی کب تک بابل میں بیٹھے رہیں گے۔ پھر ہوگا یہی کہ بت پرست اہل بابل جن کا اپنا وطن ہی ہے ہم یہودیوں کو ایرانیوں کے آلہ کار مددگار اور حمایتی سمجھ کر ہمیں پھر اپنے غلام بنا لیں گے اور پہلے سے زیادہ سختی اور جبر سے پیش آئیں گے۔ اس وقت کوئی ایرانی بادشاہ ہماری مدد کو نہ پہنچے گا۔ کیونکہ تاریخ کبھی اپنے آپ کو نہیں دہرایا کرتی ......"

حرقا کچھ کچھ اپنے باپ کا مافی الضمیر سمجھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔

"تو ابا محترم...... آپ نے کیا سوچا ہے؟"

"یہی کہ ہم بابل کو خیر باد کہہ دیں۔ کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں ہر طرح سے امن وچین ہو۔ میرے نزدیک ایسی جگہ عیلام کے دارالحکومت شوشان سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ وہ بہت وسیع وعریض نئی نئی عمارات سڑکوں محلات وباغات سے آراستہ خوبصورت صاف ستھرا شہر ہے جس کی آبادی بھی زیادہ نہیں وہاں خاصی تعداد میں یہودی آباد ہیں جو ایرانی بادشاہ کی طرف سے متعین کئے ہوئے نائب گوبارو کے تحت بڑے آرام وامن کی زندگی گزار رہے ہیں۔ سردار گوبارو میرا شروع ہی سے گہرا دوست چلا آ رہا ہے۔ اسی نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں بابل کی رہائش چھوڑوں اور شوشان آ کر آباد ہو جاؤں۔ چنانچہ بڑے سوچ بچار کے بعد میں نے بالآخر اس کے مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے شوشان میں ایک وسیع وعریض رہائشی مکان خرید لیا۔ اسے ہر طرح آراستہ پیراستہ کروایا۔ غلاموں کنیزوں کی کچھ تعداد اس میں چھوڑی اور یہاں آ گیا۔ میرا خیال تھا میری بیٹی کہ تم نے میری آمد کی خوشی میں جو جشن برپا کروایا تھا اس کے چند دن بعد میں تم لوگوں کو اس سے آگاہ کروں گا۔ پھر ہم اطمینان سے یہاں سے ہجرت کی تیاریاں شروع کر دیں گے۔ لیکن موجودہ حالات میں ہمارا اب جلد سے جلد یہاں سے ہجرت کر جانا ناگزیر دکھائی دینے لگا ہے۔"

حرقا نے سر کو جنبش دی۔

''آپ نے بہت اچھا اور مناسب فیصلہ کیا ابا محترم...... لیکن...... آپ نے الیاسف کو تو سپار بھیج دیا ہے۔''

''اس کی جان بچانے کے لیے عزیز بیٹی...... اس جگہ کے لوگ اس کے بارے میں جیسی باتیں کرتے ہیں اور جیسے خیالات رکھتے ہیں تمہیں معلوم ہے۔ یوآب کے بعد مجھے ڈر ہوا کہ یہ بدعقیدہ توہم پرست بابلی کہیں اسے بھی نحوست و بدشگونی کی علامت سمجھتے ہوئے پکڑ نہ لے جائیں۔ اس لیے میں نے چپکے سے اور جلد از جلد اسے سپار روانہ کر دیا۔ سپار عیلام جانے والے راستے میں پڑتا ہے۔ ہم وہاں سے گزرتے ہوئے تمہارے نانا اور نانی کے گھر سے الیاسف کو بھی اپنے ساتھ لے لیں گے۔ شوشان میں ہماری زندگیاں ہر طرح سے پرامن و پرسکون گزریں گی۔ سپار اروک اور دوسرے علاقوں میں پھیلے ہوئے رشتہ داروں سے بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔ تمہاری دونوں پھوپھیاں میری بہنیں بھی اب اروک جا چکی ہیں۔ ان سے بھی میل جول رہے گا......''

''تو ابا محترم چچا یوآب کو ہم ان کی قسمت پر چھوڑ دیں......'' حرقا پھر رونے لگی۔

''انہیں کاٹھ پر چڑھ جانے دیں......''

''ہم کچھ نہیں کر سکتے بیٹی......'' حزقی ایل کا لہجہ جھرجھراتا ہوا سا تھا۔ ''ہم مجبور و بے بس ہیں۔''

حرقا چپکے چپکے آنسو بہانے لگی۔ کتنی محبت تھی اسے چچا یوآب سے جنہوں نے اسے ہمیشہ حقیقی بیٹی کی طرح چاہا تھا۔ اسے اور الیاسف کو اپنی دو آنکھیں بنائے رکھا تھا۔ اب انہوں نے کس تکلیف دہ اور اذیت ناک موت سے دوچار ہونا تھا۔ ہمیشہ سے ان کے خون کے پیاسے بابلیوں نے انہیں بھلا کہاں بخشا تھا!

حزقی ایل نے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

''ہم سوائے صبر کے کچھ نہیں کر سکتے عزیز بیٹی...... ان ظالموں کو ضرور ان کے کیے کی سزا مل کر رہے گی۔ اللہ کی گرفت بڑی سخت ہوا کرتی ہے...... ہاں اب تم اپنا سامان اپنی

چیزیں وغیرہ تیار کرلو۔ ہمیں جلد از جلد یہاں سے کوچ کرنا ہے......" اتنا کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

غلام گردش میں غلام اور کنیزیں سر جھکائے کھڑے تھے۔ ان کے چہروں پر بے پناہ رنج و کرب کے تاثرات تھے۔ کئی چپکے چپکے رو رہے تھے۔ ان میں بوڑھی عمورہ بھی تھی جس کا ناتواں وجود بری طرح سے لرز رہا تھا۔ حرقا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اماں ...... چلئے میرے کمرے میں چلئے۔"

بوڑھی عمورہ اُس کے ساتھ ہولی۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے عمورہ کو مخملیں نشست پر بٹھایا اور اس کے قریب بیٹھ کر اس سے لپٹ کر رونے لگی۔

"یہ کیا ہوگیا اماں ...... بے چارے چچا یوآب......"

عمورہ کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو تھے اور ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ وہ کچھ کہنے کی کوشش میں بڑبڑا کر ہی رہ جاتی تھی ...... پھر اس نے لرزتی ہوئی انگلی اوپر کی طرف اٹھائی۔

"اللہ...... اللہ کی مرضی ...... اس کی ...... حکمت۔" اس کے منہ سے ٹوٹتی بکھرتی سرگوشی نکلی۔

حرقا نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"موت تو اللہ کی مرضی سے آتی ہے اماں۔ لیکن چچا یوآب کی موت میں اس کی کیا حکمت ہے؟"

"اس قادرِ مطلق کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا......" عمورہ سنبھلی سنبھلی سانسوں کے ساتھ بولی۔

"وہ ستار العیوب اور غفار الذنوب ہے۔ جس جذبے کے ساتھ اسے بھلا کرنا مطلوب ہو وہ اس کے ساتھ بھلا کرتا ہے وہ بھی ایسے طریقے سے جو کسی کے سان و گمان میں بھی نہیں آسکتا......"

حرقا الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اماں آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔"

عمورہ نے گہری سانس لی۔

"سب اللہ کی قدرت کے بھید ہیں بیٹی۔ جو ہر کسی کی سمجھ میں آنے والے نہیں۔ اکثر باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ جن کی پردہ داری میں بہت سے لوگوں کے تحفظ اور سلامتی کا دارومدار ہوتا ہے۔ ان کی پردہ دری ان پر تباہی و بربادی کے دروازے کھول دیتی ہے۔ لہٰذا پردہ داری ہی اچھی ہے......"

"کیسی پردہ داری اماں؟ اور کن باتوں کی؟ ان سے بھلا چچا یوآب کی موت کا تعلق؟" حرقا الجھ کر بولی۔

"اللہ کی حکمت ...... آہ اللہ رحم کرے مجھ اپنی گناہ گار بندی پر! مجھے عمر بھر راز کو راز رکھنے کی توفیق دے......" بوڑھی عمورہ نے جھرجھری لی اور دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا۔

"اماں!" حرقا کا صبر جواب دینے لگا۔ "یہ آپ کیا باتیں کر رہی ہیں میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا!"

"کچھ نہیں ...... آہ کچھ نہیں ...... شاید بڑھاپے کے سبب اب میرا دماغ ٹھکانے نہیں رہتا۔" بوڑھی عمورہ کی آواز ٹوٹتی بکھرتی سی تھی۔ "اب ہمیں یہاں سے چل دینا ہے۔ بہت دور۔ سرزمین عیلام کی طرف ...... اور یہ اچھا ہی ہوگا۔ بہت اچھا ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کی عزتوں کا رکھوالا ہے......"

"ہاں اماں ابا محترم کہہ رہے تھے کہ میں اس سفر کے لیے اپنا سامان وغیرہ تیار کرلوں۔ اب تو رات ہونے کو آ رہی ہے۔ یہ کام صبح ہی ہو سکے گا......" حرقا کسلمندی سے بولی۔ ویسے بھی اس وقت چچا یوآب کے حشر کے خیال سے اس کا دل بھر بھر آ رہا تھا۔ اور کچھ اچھا نہ لگ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے حرقا بیٹی ...... اس وقت ویسے بھی کسی کی حالت ایسی نہیں کہ کوئی کام کرسکے۔ یوآب کے غم نے سب کو بدحال بنا رکھا ہے۔ اب صبح ہی دیکھی جائے گی ......" عمورہ نے کہا اور اپنی نشست پر سے اٹھ گئی۔ اس نے حرقا کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ رب موسیٰ ہارون کی رحمتیں ہوں اس گھر پر اور اس کے تمام مکینوں پر، وہ ہمیں مزید آزمائشوں اور ابتلا سے اپنی حفظ امان میں رکھے، آمین۔"

اس کے جانے کے بعد حرقا بستر پر بیٹھ گئی۔ بوڑھی عمورہ کا پُراسرار رویہ اور الجھی الجھی سی باتیں اسے الجھانے لگیں۔ پھر یوآب کی یاد پوری شدت سے اس پر حملہ آور ہوگئی اور وہ منہ ہاتھوں سے ڈھانپ کر چپکے چپکے آنسو بہانے لگی۔

توعیلہ کی شادی میں اب تین چار دن ہی باقی رہ گئے تھے۔ سردار عمون صدوقی کے محل نما عالی شان مکان کی خوب آرائش وزیبائش کی جارہی تھی۔ شادی کی تیاریاں ہر طرح سے مکمل تھیں۔ عجیلہ اور عمون ان سے مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔ جب مریم اپنے رتھ میں سوار عجیلہ سے ملنے آن پہنچی۔ عجیلہ کو اس کی آمد پر مسرت بھی ہوئی اور حیرت بھی۔

"میرا خیال تھا تم ابھی بوسن سے نہیں لوٹیں۔ کب واپس آئیں تم؟" جب وہ دونوں نشست گاہ میں جا کر بیٹھ گئیں تو عجیلہ نے استفہام کیا۔

"کل ہی وہاں سے واپس آئی ہوں۔ میں شاید یوں تمہارے پاس نہ بھاگی چلی آتی لیکن باتیں ہی کچھ ایسی ہوئی ہیں کہ میں نے تمہیں بتانا ضروری سمجھا......" مریم کے لہجے میں سنسنی سی تھی۔

عجیلہ کو نجانے کیوں اپنے دل کی دھڑکن تیز ہوتے ہوئے محسوس ہوئی۔

"کیسی باتیں؟ ذرا بتاؤ؟" اس نے بمشکل تمام اپنے لہجے کو ہموار رکھتے ہوئے استفہام کیا۔

"وہ بدشکل گھناؤنا عفریت نہیں تھا یوآب۔ جسے حزقی ایل نے اپنے گھر کا داروغہ بنا

رکھا تھا۔ جسے وہاں کے بت پرست بابلی منحوس کہتے تھے۔ وہی جسے دیکھ کر تمہاری بھی طبیعت الٹنے لگی تھی؟"

"ہاں پھر؟" عجیلہ کے سوکھے حلق سے بمشکل ہی آواز نکل سکی۔ اسے اپنا آپ سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

"ان بت پرست بابلیوں نے حزقی ایل کے گھر پر حملہ کر کے اسے پکڑ لیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔ انہوں نے اس پر خوب تشدد کیا اور شہر کے سب سے بڑے چوراہے پر کاٹھ پر چڑھوا دیا!"

"میرے اللہ!" عجیلہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اس نے اپنے حلق پر ہاتھ رکھ لیا۔

"ہاں اور کیا ......" مریم اس کی کیفیت سے بے خبر اپنی رو میں کہتی گئی۔ "یہ میری نظروں کے سامنے ہی ہوا۔ بلکہ اس علاقے کے تمام لوگوں نے یہ تماشا دیکھا کہ کافر بابلی حزقی ایل سوداگر کے گھر دھاوا کر کے وہاں سے اس گھناؤنے عفریت یوآب کو پکڑ کر لے گئے۔ میرے گھر کے غلام بتا رہے تھے کہ اس کی لاش ابھی تک چوراہے میں کاٹھ پر چڑھی ہے۔ تمہارے گھر کے نوکروں غلاموں نے کیا تمہیں کچھ نہیں بتایا؟"

"یہاں کے لوگ یوآب کو نہیں جانتے نہ حزقی ایل کے گھر کے معاملات سے کسی کو واقفیت ہے اس لیے شاید کسی نے اس طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی ہوگی۔" عجیلہ نے کہا۔ وہ اپنی حالت کو بڑی حد تک سنبھال چکی تھی۔ لیکن اس کی رنگت ابھی تک اڑی ہوئی تھی اور تنفس ناہموار تھا۔

"حزقی ایل سوداگر نے کافر بابلیوں کے ہاتھوں یوآب کے پکڑے جانے کے بعد کبڑے الیاسف کو گھر سے بھگا دیا ......" مریم نے ایک اور دھماکہ کیا۔ "یہ کافر بابلی اس لڑکے کو شروع ہی سے سخت ناپسند کرتے چلے آرہے تھے۔ اس کے ناجائز اولاد ہونے کے سبب اور کچھ کبڑا ہونے کے سبب اسے اپنے لیے یوآب ہی کی مانند منحوس اور بدشگون سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے بارے میں ان کے یہ جذبات یوآب جیسے شدید نہیں تھے۔ پھر بھی حزقی

ایل کو ڈر لگ گیا کہ وہ کہیں اسے بھی کوئی نقصان نہ پہنچا بیٹھیں اس لیے اس نے اسے فوراً ہی سپار کی طرف فرار کروا دیا جہاں اس کی بیٹی حرقا کے نانا اور نانی رہتے ہیں۔ اب حزقی ایل اور اس کا سارا خاندان بھی بابل سے جا چکے ہیں......"

"کیا!" عجیلہ گویا غش کھاتے بچی۔

"ہاں ...... وہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہاں سے جا چکے ہیں۔ حزقی ایل نے بڑی عجلت میں گھر کا سارا سامان فروخت کر دیا۔ بہت سے غلاموں کنیزوں کو آزاد کر دیا۔ پھر اپنا گھر بھی ایک کافر بابلی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اور اپنی بیٹی حرقا دو چار غلاموں کنیزوں اور تھوڑے سے سامان کے ساتھ ہمیشہ کے لیے بابل سے چلا گیا۔"

عجیلہ کی حالت تیزی سے سنبھلتی جا رہی تھی۔ اڑی ہوئی رنگت واپس آ رہی تھی۔ ایک عجب سکون سا اس کے رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔

"وہ لوگ گئے کہاں؟ کیا سپار؟"

"نہیں ...... عیلام۔ یہ بات اس کے ایک آزاد کردہ غلام نے ہمارے ایک غلام کو بتائی۔ وہ اس کا گہرا دوست ہے۔ حزقی ایل نے عرصہ پہلے عیلام کے دارالحکومت شوشان میں وسیع و عریض رہائش گاہ خرید رکھی تھی۔ اس کا ارادہ بابل چھوڑ کر وہاں جا کر آباد ہو جانے کا تھا کیونکہ بابل کے ماحول کو وہ یہودیوں کے لیے سازگار نہ سمجھتا تھا۔ بس اب اس حادثے کے بعد اس نے یہاں سے ہجرت کرنے میں دیر نہ کی......"

"عیلام تو بہت ہی دور ہے...... راستے میں پہاڑی علاقہ، صحرا ہفتوں کا سفر...... وہاں سے حزقی ایل کے لیے یہاں اپنے رشتہ داروں سے ملنے آنا بھی آسان نہ ہوگا۔" عجیلہ پوری طرح اطمینان کر لینا چاہتی تھی۔

"حزقی ایل کی صرف دو بہنیں ہیں جو اروک میں رہتی ہیں۔ اپنی بیوی کے گھر والوں سے اس کا برائے نام ہی میل جول ہے جو سپار اور اروک میں رہتے ہیں۔ شوشان جانے کے بعد شاید اس کے ان سے روابط ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جائیں۔ کیونکہ وہاں جا کر وہ تو اپنی

تجارت سوداگری میں معروف ہوجائے گا اور حرقا کے لیے اپنے ننھیالی رشتہ داروں اور پھوپھیوں سے ملنے اتنا طول وطویل سفر کرنا ممکن نہیں ہوگا...... ویسے عجیلہ سچ کہتی ہوں۔ ہر چند کہ مجھے یوآب سے بے حد نفرت تھی۔ اس کے ایسے حشر نے مجھے بے حد دکھ پہنچایا ہے۔ اللہ اس کی مغفرت کرے۔ شکل صورت سے قطع نظر وہ ایک بے حد اچھا انسان تھا۔ جس کی سب تعریف کرتے تھے۔" مریم نے گہری سانس لیتے ہوئے منہ پر ہاتھ پھیرے۔

اسی وقت کنیزوں نے ناؤ نوش کی اشیاء ان کے سامنے سنگی میز پر لا کر سجا دیں۔

"اور وہ الیاسف ...... وہ کیا سپار میں ہی رہے گا؟" عجیلہ نے اپنے اور مریم کے بلوریں ساغر میں پھلوں کا رس انڈیلتے ہوئے سرسری سے لہجے میں استفہام کیا۔

"نہیں ...... حزقی ایل اسے وہاں سے اپنے ساتھ عیلام لے جائے گا۔ عیلام جانے والے سب راستے سپار سے ہو کر گزرتے ہیں۔ وہ الیاسف سے جیسی محبت کرتا ہے تو بعید نہیں کہ وہ اپنی بیٹی حرقا کی شادی اس سے کردے۔ الیاسف نہایت وجیہ وحسین ہونے کے ساتھ ہی بے حد نیک سیرت، بہترین کردار و اوصاف کا مالک بھی ہے۔ حزقی ایل کے گھر کے تمام افراد اور اس کے ملنے جلنے والے سب اس کی کرداری واخلاقی خوبیوں کے سبب اس سے بے حد محبت کرتے اور اس کی عزت کرتے تھے۔ ہاں عجیلہ ......" مریم اپنے لہجے میں سنسنی خیزی کا رنگ پیدا کرتے ہوئے بولی۔ "حزقی ایل کا کہنا تھا کہ الیاسف ہرگز ناجائز اولاد نہیں ......"

عجیلہ کی سانس گویا گلے میں گھٹ گئی۔ اس نے تیزی سے ساغر سے ایک جرعہ لیا۔ اسے اپنے حلق میں پھندہ سا پڑتا محسوس ہوا۔ اس نے زور زور سے کھانستے ہوئے ساغر میز پر رکھ دیا۔

"احتیاط سے عجیلہ ......" مریم نے نرمی سے فہمائش کی۔

عجیلہ نے سر جھٹکا اور بمشکل تمام اپنی کیفیات پر قابو پاتے ہوئے اپنا ساغر اٹھا لیا۔

"ہاں حزقی ایل کا یہی کہنا تھا ......" مریم نے پھر اپنی بات سنبھالی۔ "لیکن ہوسکتا ہے

کہ اس نے اپنی بیٹی کی الیاسف سے شادی پر لوگوں کو اعتراض کا موقع نہ دینے کے لیے یہ بات کہی ہو۔ کیونکہ وہ نہ تو کسی کو اس کے باپ کا پتہ بتا سکا نہ ماں کا۔ خیر...... اب تو وہ لوگ یہاں سے چلے گئے ہیں۔ اب ان کے حالات میں کسی کو کیا دلچسپی باقی رہ جاتی ہے۔"

عجیلہ نے سر کو جنبش دی۔ اس نے ایک بار پھر اپنے آپ کو ہلکا پھلکا سا ہوتے محسوس کیا۔ اگر یوآب یا اوریاہ نے حزقی ایل کو اپنی کہانی سنائی ہوگی تو حزقی ایل کے لیے بھی نئے نام اور نئے مقام کے سبب اس کی تلاش ممکن نہ ہو سکتی تھی۔ یہ بھی ناممکن نہیں تھا کہ اوریاہ یوآب نے اسے اور اس کے خاندان کو ہر جگہ تلاش کرنے کی کوشش کی ہو اور اس میں اسے ناکامی ہی ہوئی ہو۔ شاید اس نے الیاسف کو بھی اپنی کہانی سنائی ہوگی اور اس نے بھی اسے اور اس کے خاندان کو ہر جگہ تلاش کیا ہوگا اور ناکام ہی رہا ہوگا۔ نئے نام، نئی حیثیتیں اور مقام واقعی ماضی کا بہترین پردہ ثابت ہوئے تھے۔ ایک مضبوط و مستحکم روک۔

مریم اب اسے اپنے میں ہونے والے ایک اور دلچسپ واقعہ کے بارے میں بتا رہی تھی۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اسے اپنا وجود ایسا ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا گویا ہواؤں میں اڑا جا رہا ہو۔ مدتِ دراز بعد اب اسے پہلی مرتبہ محسوس ہوا تھا کہ حقیقی خوشی، اطمینانِ قلب اور سکونِ روح کیا چیز تھے۔ وہ مسحور سی ہوئی جا رہی تھی۔ سرشارانہ کیفیت اسے بے خود سا کیے دے رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اب تک اس کی روح کسی قفس میں قید تھی اب اسے رہائی مل گئی تھی۔ وہ بکھر بکھر پڑ رہی تھی۔ دبا دبا سا خوف دبا دبا سا ڈر، جان لیوا خدشات اور روح فرسا خلش بے سکونی و بے اطمینانی جو مدتوں سے اسے اندر ہی اندر گھلاتے چلے آ رہے تھے۔ اسے اندر ہی اندر بے سکون، بے چین اور مضطرب رکھتے چلے آ رہے تھے اب ایک دم ہی غبار بن کر نامعلوم فضاؤں میں تحلیل ہوگئے تھے۔ اس کا ذہن آزاد ہوگیا تھا۔ روح کے قفل کھل گئے تھے۔ خیالات جذبات، احساسات، کیفیات کو نیا رنگ نئی زندگی مل گئی تھی۔ اب وہ آزاد تھی، ہر طرح سے آزاد...... اس ہمہ جہت آزادی کا وہ اب بھرپور لطف اٹھا سکتی تھی۔

مریم کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

شاندار، بے حد خوبصورتی سے آراستہ، بے حد نفیس اور قیمتی آرائشی اشیاء سے مزین وسیع خواب گاہ آج اسے حقیقی معنوں میں خوب صورت، دلکش اور پر سکون و آرام دہ محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس میں مست خرامی سے ٹہلتے ہوئے اس کی عطر بیز فضا میں گہرے گہرے سانس لیتی ہوئی اس کی ہر چیز ایک نئی نظر نئے زاویے سے دیکھتی بھالتی رہی۔ اس کے ہونٹ مطمئن و آسودہ سی مسکراہٹ سے کھلے جا رہے تھے۔ وجود لہرایا جا رہا تھا۔ وہ بے خود سی ہوئی جا رہی تھی۔ اب اس کے اور عمون کے درمیان کوئی نادیدہ رکاوٹ نہ رہی تھی۔ ہر نادیدہ رکاوٹ، نامحسوس سی جھجک و گریز سب ہمیشہ کے لیے دور ہو چکے تھے۔ تعلقات کی تمام نادیدہ گرہیں کھل چکی تھیں۔ اب وہ اس کی بھرپور محبت کا جواب بھرپور محبت سے، پورے خلوصِ دل سے اور گرمجوشی سے دے سکتی تھی۔ مصنوعی پن کے بجائے حقیقی پن سے اپنے جذبات عیاں کر سکتی تھی۔ قدرت واقعی اس پر بے حد مہربان ثابت ہوئی تھی!

جب عمون نے قوعیلہ کے ہمراہ ربلہ سے واپس آ جانے کے بعد اسے قوعیلہ کا رشتہ اروک کے معروف یہودی سرمایہ کار ایالون کے بیٹے زمران کے ساتھ طے کر دینے کے بارے میں بتایا تھا تو اس کی زبانی اسے اس یہودی خاندان کے بارے میں جاننے کا موقع ملا تھا۔ اس مشہور اور نیک نام خاندان سے اپنی بیٹی کے رشتے کو اس نے بے حد پسند کیا تھا۔ پھر جب اسے اروک جانے اور ان لوگوں سے ملنے کا موقع ملا تھا تو وہ اور بھی متاثر ہوئی تھی۔ زمران بھی اسے بے حد پسند آیا تھا۔ ان لوگوں سے مل کر اس نے اور عمون نے قوعیلہ کی شادی کی تاریخ طے کی تھی جس کے بعد وہ بابل واپس آ کر شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

پھر ایک بات ایسی ہوئی تھی جس نے اس کی نیندیں اڑا کر رکھ دی تھیں۔

قوعیلہ نے اسے اپنی سہیلی حزقی ایل سوداگر کی بیٹی حرقا کے آنے اور اس انکشاف کے بارے میں بتایا تھا کہ زمران حرقا کی خالہ ماریا اور خالو ایالون کا بیٹا تھا! اس انکشاف نے

اسے بری طرح سے دہلا دیا تھا۔ اس شادی کے موقع پر ہونا یہی تھا کہ اس نے بے پردہ زمران کے سب گھر والوں عزیزوں اور رشتہ داروں کے سامنے آنا تھا۔ الیاسف بھی حزقی ایل کے گھرانے کے ایک فرد کی حیثیت سے اس شادی میں موجود ہوتا اور یوآب بھی ......
الیاسف تو اسے نہ پہچان پاتا لیکن یوآب کی نظریں اس کے بدلے ہوئے نام، نئے روپ، نئی حیثیت کے باوجود ہرگز دھوکہ نہ کھا سکتی تھیں۔ وہ اسے سارا کی حیثیت سے فوراً پہچان لیتا! پھر اس کا کیا نتیجہ نکلتا؟ اپنی بدنامی، رسوائی، ماضی کی پردہ دری، عمون اور سب ملنے جلنے والوں کی نظروں سے گر جانے کی شرمندگی کا خوف ہر دم اس کی جان کو لگا رہنے لگا تھا۔ وہ اندر ہی اندر گھلنے، غم کھانے اور تنہائیوں میں رونے اور خدا سے ہر دم فریادیں کرتی رہنے لگی تھی۔ عمون، اس کے بچے اور دیگر لوگ اس کی اس حالت کو عزیز از جان بیٹی، اپنی پہلی اولاد سے جدائی کا دکھ اور رنج سمجھتے ہوئے اسے بے کار ہی تسلیاں دلاسے دیتے رہتے تھے۔ کئی بار تو اس کی حالت ایسی بگڑی تھی کہ شدید مایوسی اور ناامیدی کی حالت میں آئندہ کے خوف سے لرزاں و ترساں کوئی راہِ نجات نہ دیکھ کر اس نے خودکشی کر لینے کی بھی سوچی تھی۔ لیکن ہر بار وہ اپنی جان لیتے لیتے رہ جاتی تھی۔ پھر جب قوعیلہ کی شادی میں چند ہی دن باقی رہ گئے تھے تو اس نے خودکشی کا پکا اور پختہ ارادہ کر لیا تھا اس مقصد کے لیے اس نے بھاری مقدار میں شیشہ پیس کر اپنے پاس رکھ لیا تھا جسے پانی کے ساتھ نگلنے کے بعد اس کے زندہ بچ رہنے کا کوئی امکان باقی نہ رہتا۔

لیکن ...... اللہ کو اس کی زندگی مقصود تھی۔ اس کارسازِ حقیقی نے اس کی کیسی پردہ داری کی تھی! مریم کی زبانی اسے یوآب یا اوریاہ کے ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے غائب ہو جانے اور الیاسف کے ہمیشہ کے لیے بابل سے رخصت ہو جانے کی جانفزا خبریں ملی تھیں! وہ اب محفوظ تھی۔ ہر طرح سے محفوظ، بدنامی و رسوائی سے، ماضی کی پردہ دری کی ندامت و شرمندگی سے! بے شک اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق کی ذات پاک ستار العیوب اور غفار الذنوب ہے!

اس رات عجیلہ کمرۂ عبادت میں بڑی دیر تک اللہ کے حضور سجدہ ریز روتی گڑگڑاتی اس

کا شکر ادا کرتی اپنی بخشش و مغفرت کی دعائیں مانگتی رہی۔

......اس کے تین دن بعد بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت کے ساتھ قوعیلہ کی شادی زمران سے ہوگئی۔ جس میں طرفین کے عزیزوں رشتہ داروں کے علاوہ اروک اور بابل کے سرکردہ یہودی و دیگر سرمایہ کاروں، زعما اور اعلیٰ سرکاری عہدیداروں نے شرکت کی۔ اس موقع پر عجیلہ کو ایک اور اطمینان بخش خبر یہ سننے کو ملی کہ حزقی ایل الیاسف کو سپار سے اپنے ساتھ عیلام لے گیا تھا۔ انہیں سپار سے رخصت ہوئے کئی دن گزر چکے تھے۔

شادی کے بعد قوعیلہ اروک زمران کے گھر چلی گئی۔

صدائے جرس

موسم گرما کے اختتام پر بل شزر اور ایرانیوں کے مابین پہلا محاربہ ہوا۔ بل شزر پانچ سالوں سے اپنے باپ نبونائی کے ساتھ بابل کی بادشاہت میں شریک چلا آرہا تھا اور اتنی ہی مدت سے ایرانیوں کے خلاف جنگ کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ اس نے فوج جرار کے ساتھ سپار کی میڈیائی فصیل کے عقب میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ وہ اتنے طویل عرصہ سے ایرانیوں کی طرف سے حملے کا انتظار کرتے کرتے تنگ آچکا تھا اور چاہتا تھا کہ باہر نکل کر خود ان پر حملہ آور ہو۔ اب تک اس کے ماتحت سالار اسے ایسا کرنے سے روکتے آرہے تھے۔ لیکن موسم گرما ختم ہونے کے بعد جب دجلہ کی ترائیوں میں ایرانی دستے نمودار ہوئے اور سپار میں خوف وہراس پھیلنے لگا تو بل شزر نے ایرانیوں کو سپار پہنچنے سے پہلے ہی جا لینے کا ارادہ کیا اور بھاری جنگی رتھوں اور بھاری اسلحہ سے لیس فوج کے ساتھ شہر سے باہر کھیتوں کھلیانوں میں لوٹ مار مچانے والے ایرانی دستے پر حملہ آور ہوگیا۔ یہ حملہ اسے بہت مہنگا پڑا۔ کیونکہ تیزی سے نقل وحرکت سے قاصر بھاری رتھ اور بھاری اسلحہ سے لیس سپاہی برق رفتار، ہلکے پھلکے اسلحہ سے لیس ایرانی گھڑ سوار دستوں کا بالکل مقابلہ نہ کرسکے اور بری طرح مرکٹ کر پسپا ہوتے ہوئے واپس سپار آن پہنچے۔

بابلی فوج کی شکست اور ایرانی لشکر کی آمد کی خبر سے سپار میں خوف وہراس پھیل گیا۔ وہاں کے باشندے اپنا مال اسباب سمیٹ کر واپس شہر کی جانب فرار ہونے لگے۔ لیکن سپار کی یہودی آبادی وہیں رہی۔ ان میں حرقا کے نانا اخزیاہ کا خاندان بھی تھا۔ ہر جگہ یہودیوں کو خفیہ طور پر ایرانیوں کی طرف سے پیغامات بھجوا دیئے گئے تھے کہ وہ ان سے مکمل تعاون کریں ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ہر جگہ ہوتا یہی تھا کہ ایرانی جس علاقے کو فتح

کرتے تھے اسے ہر جگہ تباہ و برباد نہ کرتے تھے۔ نہ لوٹ مار قتل و غارت کرتے تھے۔ بلکہ وہاں کے باشندوں اور ان کی جائیدادوں سے کوئی تعرض نہ کرتے تھے۔

نبونائی کو جب ایرانیوں کے مقابلے میں بابلی افواج کی شکست کی خبر ہوئی تو وہ فوراً ہی سپار آن پہنچا۔ اس نے جب اس محاربے کی تفصیلات بل شزر کے کمان داروں کی زبانی سنیں تو وہ بل شزر پر بے حد ناراض ہوا۔

''تمہیں فصیل سے باہر نکل کر ایرانیوں سے نہیں جا بھڑنا تھا۔''

''ایمگور بل اور نمیتی بل کے پیچھے جا کر میری قوت ایک نیا جنم لے گی۔'' اس نے باپ سے کہا۔ ''وہاں رہتے ہوئے میں ایرانی ملحدوں کو اچھا سبق سکھا سکوں گا۔''

بل شزر کی شکست خوردہ تھکی ماندی فوج اب کسی کام کی نہ رہ گئی تھی۔ نبونائی نے یہ دیکھ لیا تھا۔ اس شکست خوردہ فوج کو اب اس کی موجودگی کوئی فائدہ نہ دے سکتی تھی۔ اس لیے اس نے واپس بابل جانے کا فیصلہ کیا۔ اور اپنا رتھ بل شزر کے رتھ کے پیچھے لگا دیا۔

بل شزر اور نبونائی کے سپار سے فرار کے بعد ہخامنشی حکمران نے اپنی ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ بابل کی طرف کوچ کیا۔ وہاں سے کئی میلوں کی دوری پر اس نے ایک جگہ دریائے فرات کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ وہاں اس نے چند اعلانچیوں کو یہ اعلان دے کر سدر اور بابل کی بڑی سڑک کے کناروں پر بکھرے ہوئے دیہاتوں اور قصبات کی طرف جانے کا حکم دیا کہ ''رب الارباب مردوک نے، عظیم بادشاہ سائرس کو، جس نے اسے خوش کیا ہے، اپنا محبوب بندہ چن لیا ہے۔ اس نے سائرس کو اس کے نام سے پکارا ہے۔ اور اپنی خصوصی خدمت کے لیے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ مردوک سائرس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ مردوک نے سائرس کے ہاتھ تھام لیے ہیں۔ یہ باتیں توجہ سے سن لو اور انتظار کرو کہ سائرس کب ظہور کرتا ہے!''

سائرس کی فوج میں ستر سالہ بوڑھا گوباروبھی تھا۔ جسے امید تھی کہ بابل میں داخلے کے بعد اس کی اپنے پرانے دوست حزقی ایل سے ملاقات ہو جائے گی۔ طویل عرصہ بعد

حزقی ایل سے ملاقات کے خیال سے وہ بے حد خوش تھا۔ اسے علم نہ تھا کہ حزقی ایل کچھ عرصہ پہلے اپنے خاندان سمیت بابل سے ہجرت کر کے اس کے صوبہ عیلام سے دارالحکومت شوشان جا کر بس چکا تھا۔

سائرس نے دریا کے کنارے چند دنوں قیام کے دوران اپنے مہندسوں کے ساتھ دریا سے کھجوروں وغیرہ کے باغات کی طرف نکالی گئی نہروں کا معائنہ کیا۔ انہوں نے ایک قدیم خزینہ آب کے گرد چکر لگایا جو بڑی نیچائی پر واقع تھا اور اس وقت اس کی دلدلی سطح پر لمبی لمبی گھاس اور جھاڑ جھنکاڑ اگا ہوا تھا۔ نہروں پر بیگار بھگتنے والے یہودیوں نے انہیں بتایا کہ اس تالاب کو سارگون اوّل یا عظیم ملکہ سمیرامس نے تعمیر کروایا تھا۔ انہوں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ وہاں سے کھودی جانے والی مٹی کنارے پر ڈھیر کر دی گئی تھی۔ اور مٹی کے پشتے میں پتھر جڑ دیئے گئے تھے۔ یہ تالاب خشک سالی کے ایام میں چڑھتے دریا کا پانی ذخیرہ کرنے کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔ مگر بعد میں اس منصوبے کو بے کار سمجھ کر ترک کر دیا گیا تھا۔

ان یہودی غلاموں سے تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد سائرس نے ان سے ان کے کام چھڑوا کر انہیں ساتھ لیا اور تالاب کا اچھی طرح سے معائنہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ پڑاؤ سے چھکڑے وہاں لائے جائیں۔ اس کے بعد اس نے یہودی غلاموں اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ پشتے کے پتھروں کو توڑیں۔ یہ پتھر پشتے کے بہت اندر دریا کی تہہ میں اترتے چلے گئے تھے۔ ساتھ ہی اس پشتے سے شروع ہونے والی دریا سے تالاب کی طرف جانے والی نہر بھی دوبارہ کھودی جانے لگی۔ پشتہ توڑا جاتا رہا اور دریا کا پانی نہر میں سے گزرتا ہوا تالاب کی طرف جاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ تالاب اور اس میں سے نکلنے والی تمام نہریں پانی سے بھر گئیں اور دریائے فرات کی سطح آہستہ آہستہ نیچی ہوتی گئی۔

اگلے روز غروب آفتاب کے وقت اساگیلہ کے محل میں ڈیوٹی پر حاضر کاتبوں نے مٹی کی تختیوں پر تحریر کیا کہ فصلوں کی کٹائی کا جشن شاہ نبونائی کے حکم سے تشری کے مہینے کی تیرہ تاریخ کو منایا جائے گا۔ کاتبوں نے اپنے جھروکے سے یہ بھی توجہ سے دیکھا کہ شہر کے بیچوں

بیچ سے گزرنے والے دریائے فرات میں پانی کی سطح نیچی ہوتی جارہی تھی۔ اسے بھی انہوں نے اپنی تختیوں پر لکھ لیا۔

چراغوں کے جلنے کے وقت جب جشن کا وقت شروع ہوتا تھا۔ شہر کے تمام پھاٹک بند کردیے گئے اور اجنبیوں کا شہر میں داخلہ بند کردیا گیا۔ بل شزر نے اپنے رتھ میں سوار ہوکر ایمگور بل کی فصیل کے اوپر چکر لگایا۔ اس کی فوج فصیلوں کے ساتھ بنی ہوئی چھاؤنیوں پر بالکل تازہ دم اور تیار بیٹھی تھی۔ منڈیروں پر ہر قسم کے سامانِ حرب موجود تھا۔ نیزے اور تیر کمان برسانے والے اور پتھر پھینکنے والے تیار بیٹھے تھے۔ تیل کی دیگیں جلتے چولہوں پر چڑھی تھیں۔ کسی بھی خطرے کا اعلان ہوتے ہی سپاہی تیزی سے رتھوں میں سوار مقامِ خطرہ کی طرف جاسکتے تھے۔ بلند میناروں پر چڑھتے ہوئے نگرانوں نے اطلاع دی کہ میدان میں دور دور تک کسی خطرے کی علامات موجود نہ تھیں۔ ریموت کے جاسوسوں نے اطلاع دی تھی کہ ایرانی ابھی تک سپیرامس کے پرانے تالاب کے پاس پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور گانے بجانے اور کوئی جشن منانے میں مصروف تھے۔

محل کی رصدگاہ کے مینار پر دیوی عشتار کا ستارہ طلوع ہونے کے بعد کلدانی ستارہ شناسوں نے آسمان پر اس رات کے لیے کوئی اہم شگون دریافت کرنے کے لیے اپنی جگہیں سنبھال لی تھیں۔ اپنا معائنہ ختم کرنے کے بعد بل شزر دریا کی ڈھلوان پر اتر آیا اور اس میں آہستہ روی سے بہنے والے پانی کو متجسس نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر تیزی سے محل واپس ہولیا۔ اندر پہنچ کر وہ اس ایوان کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں حسین لڑکیاں بربط بجارہی تھیں اور میز پر مصالحہ دار گوشت اور تیز شرابیں بجی تھیں۔ معبد کے صحن میں جلتی روشنیوں میں مٹھائی فروش مقدس روٹیاں فروخت کررہے تھے۔ اساگیلہ میں ہر چہار سمت سے موسیقی پھوٹ رہی تھی۔ اور رات بھر کے لیے روشنیاں کی گئی تھیں۔

اس وقت تاریکی کی چادر میں کبار نہر کے فقراء ومساکین دریا کی ڈھلوانوں میں اتر رہے تھے۔ وہ ایک نیچی سی پتھر کی سیلابی دیوار کے قریب پہنچ کر وہ تاریکی میں صبر وسکون

سے انتظار کرنے لگے۔ ان میں جو یہودی تھے وہ چپکے چپکے دعائیں مانگنے لگے۔ اب تک دریا کی سطح بے حد نیچے تک جا چکی تھی اور اس کی تہہ میں پڑے ہوئے پتھر دکھائی دینے لگے تھے۔

اس تاریکی کی چادر میں فصیل میں دریا کے اوپر بنی ہوئی محراب کے راستے سے گروہ در گروہ سیاہ پوش ایرانی گھٹنوں تک پانی میں چلتے ہوئے اندر داخل ہونے لگے۔ جب وہ کناروں کی ڈھلوانیں چڑھ کر اوپر آ گئے تو کبار کے فقراء و مساکین نے لکڑی کے بھاری بھرکم رکاوٹی دروازے کھول دیے اور ان سے سرگوشیاں کرنے اور انہیں اشاروں میں کچھ بتانے لگے۔ ان ایرانیوں نے کوئی آواز بلند نہ کی اور اپنے سیاہ لبادوں میں اپنے ہتھیار چھپائے آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔ یہ ایرانیوں کے ہیرکانی اور پارتھی دستوں کے سپاہی تھے۔ اسا گیلہ کے پھاٹکوں پر متعین محافظوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی لیکن حملہ آوروں نے انہیں پکڑ کر بے بس کر دیا۔ اب وہ اندر داخل ہو گئے اور ادھر ادھر بکھر گئے۔ کچھ پہرے داروں کی روشنیوں سے منور چوکیوں کی طرف اور کچھ عظیم مینار کی طرف جانے لگے۔

وسیع و عریض صحن میں عظیم مینار ستاروں کی طرف سر اٹھائے کھڑا تھا۔ جشن کی اس رات کو کوئی آدمی اس کی چوٹی پر موجود نہ تھا۔ درِ عشتار کے دوہرے میناروں پر موجود نگران رات کے اس پہر شمالی سمت نظریں جمائے ہوئے تھے۔ خندق سے پرے مشعل برداروں کا ایک جلوس بابل کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ زرق برق کپڑے پہنے ہوئے سپاہی ایک کرسی اٹھائے ہوئے تھے جس پر سنہرے کپڑے پہنے کوئی شخص بیٹھا تھا۔ اس کے عقب میں بانسریاں بجانے والے چلے آ رہے تھے۔ ان کے گانے اور موسیقی کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ نگرانوں نے اس جلوس کی خبر اپنے سالاروں کو دی جو اسے سنانے بل شزر کے پاس چلے گئے۔

بل شزر نے اپنی شاندار خواب گاہ میں سونے کے چھپر کھٹ پر لیٹے لیٹے اس جلوس کی خبر سنی اور اسے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ کیونکہ اس رات شہر میں بے شمار مشعل بردار جلوس نکل

رہے تھے اور یہ جلوس تو بمشکل ہی دریعشتار میں داخل ہوسکتا تھا۔ اس رات اس نے سونے چاندی کے وہ ظروف منگوائے تھے جو فاتح اعظم بخت نصر ہیکل سلیمانی سے اٹھا لایا تھا اور اپنی کنیزوں کو حکم دیا تھا کہ وہ ان ظروف میں اسے اور اس کی بیگمات کو شراب پلائیں اور خود بھی پئیں۔ اس شراب نوشی نے انہیں مخمور کردیا اور جلد ہی سارا ایوان ہنسی قہقہوں کی آوازوں سے گونجنے لگا۔ انہوں نے سات شاخے شمعدان میں موم بتیاں روشن کیں اور اسے بل شزر کے پاس دیوار کے ساتھ لا کر رکھ دیا۔ اس حرکت کو محل کے بوڑھے یہودی مالیوں اور باغبانوں نے بھی دیکھا جو وہاں بیگار بھگتا کرتے تھے اور اس وقت سیب کے درختوں کے جھنڈ میں جھاڑیوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔ اس جگہ سے دور روشن ایوان کا نظارہ صاف دکھائی دیتا تھا۔

اسی وقت انہوں نے کسی ہاتھ کی انگلیوں کو سات شاخے شمعدان کے اوپر پردے کے پیچھے نمودار ہوتے دیکھا۔ اس ہاتھ نے چونے کے پتھروں کی بنی ہوئی دیوار پر کچھ لکھا اور غائب ہوگیا۔

بل شزر نے بھی اس ہاتھ کی حرکت دیکھ لی تھی وہ مڑ کر دیوار پر لکھے ہوئے الفاظ کو گھورنے لگا۔ لیکن وہ اس تحریر کو نہ پڑھ سکا۔ ایوان میں موجود یہودی غلام کنیزیں بھی اسے نہ پڑھ سکے۔ اس پر اس کے حکم سے کلدانی علماء وہاں بلوائے گئے۔ لیکن وہ بھی اس تحریر کو پڑھنے سے قاصر رہے۔ انہوں نے اسے صرف اتنا ہی بتایا کہ وہ تحریر عبرانی زبان میں تھی۔ اس پر اس نے کسی یہودی عالم کو وہاں بلوانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کے آدمی فوراً ہی ایک یہودی عالم تلاش کر لائے۔ اس نے دیوار پر لکھی وہ تحریر پڑھی۔ ''خدا نے تیری سلطنت کے دن گن لیے ہیں اور اسے ختم کردیا ہے......'' اس نے مزید پڑھا۔ ''تمہیں تولا گیا تھا لیکن تم کم نکلے۔'' اس نے آگے مزید پڑھا۔ ''تیری سلطنت تقسیم ہوچکی ہے۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوچکے ہیں۔ اسے میڈیائیوں اور ایرانیوں کو دے دیا گیا ہے۔''

اس تحریر نے بل شزر کو آتش زیر پا کردیا۔ اسی وقت چند پہریدار دوڑتے ہوئے

ایوان میں گھس آئے انہوں نے بل شزر کو اطلاع دی کہ نامعلوم دشمن باہر صحن میں گھس آئے ہیں۔ بل شزر نے فوراً ہی اپنے ہتھیار سنبھالے اور اکیلا ہی دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کے سالار اس کے پیچھے جانے کے لیے کنیزوں میں راستہ بنانے کے لیے دھکم پیل کرنے لگے۔

بل شزر کے صحن میں نکلتے ہی سیاہ پوش ایرانیوں نے اسے گھیر لیا اور فوراً ہی قتل کر ڈالا۔ اس کی موت کی خبر عام ہوتے ہی سرکار دربار کے اعلیٰ عہدیداروں نے اپنے آپ کو اپنی رہائش گاہوں میں بند کر لیا۔ بیرونی فصیلوں پر موجود کمان داروں کو کوئی حکم دینے والا نہیں تھا۔ وہ ہونق سے حملہ آوروں کو اندر داخل ہوتے دیکھتے رہے۔ بابل کی آدھی سوتی آدھی جاگتی آبادی کو علم ہی نہ ہو سکا کہ ان کے بادشاہوں کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور اب کسی اور نے ان کی جگہ لے لی تھی۔

مشعل بردار ایرانی سپاہیوں کا جلوس کرسی نشین گوبارو کے ساتھ بلا مزاحمت وروک ٹوک آرام سے دریائی راستے کی محراب میں سے گزر کر شہر میں داخل ہو گیا۔ گوبارو محل میں جا کر بل شزر کے چھپر کھٹ پر بیٹھ گیا اس کے حکم پر تمام کنیزوں غلاموں کو باہر نکال دیا گیا خزائن پر قبضہ کر لیا گیا۔ شور وغل اور افراتفری نے دیوتاؤں کے زندان میں مصروف تحقیق شمورا، نبونائی کی بیٹی کو چونکا دیا۔ اسے جب صورتحال کا علم ہوا تو اس نے خنجر اپنی رگِ حیات میں اتار کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔ نبونائی نے بابل سے فرار ہونے کے لیے ایک بند رتھ میں بیٹھ کر اروک کا رخ کیا۔ لیکن ایرانی سپاہیوں نے راستے میں اسے گرفتار کر لیا۔

صبح ہونے تک بڑی بھاری تعداد میں ایرانی فوج دریا کے راستے بابل داخل ہو چکی تھی۔ اس فوج نے ہر دفاعی مقام ہر چوکی پر قبضہ کر لیا۔ اور صبح ہوتے ہی ایمگور بل کے تمام پھاٹک کھول دیے۔ ادھر گوبارو کی طرف سے شہر کے چپے چپے میں اعلان کروا دیا گیا کہ بابل اب ایرانیوں کے قبضہ میں آ چکا ہے۔ اہل بابل ہرگز خوف زدہ نہ ہوں۔ ان کی کسی چیز کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا نہ ہی جان و مال سے کوئی تعرض کیا جائے گا۔ وہ اب اپنے آپ

کو اپنے پرانے ظالم بادشاہوں کی نہیں بلکہ انتہائی رحم دل منصف مزاج اور رعایا پرور حکمران فاتح ارض عظیم شہنشاہ سائرس اعظم کی رعایا سمجھیں جو اس دن بابل پہنچنے ہی والا تھا۔

یہ اعلان سن کر بابل کے ہر خاص و عام نے سکھ اور اطمینان کی سانس لی۔

اس دن سائرس دریعشتار سے شہر میں داخل ہوا۔ اس کے عقب میں پانچ ہزار مسلح گھڑ سوار محافظ تھے۔ سڑک کے دو رویہ کھڑے بابلیوں نے اس کا پر جوش استقبال کیا۔ اساگیلہ محل میں پہنچ کر اس نے تمام مذہبی عمائدین اور اراکین دربار اور دیگر عمائدین سلطنت کو اپنے حضور بلوایا۔ اور ترجمان کی وساطت سے ان سے خطاب کیا۔

''میں سائرس ہخامنشی ہوں۔ زمین کے چوتھائی حصے کا حکمران ہوں۔ انشان کا بادشاہ ہوں اور کمبی سس کا بیٹا۔ میرا خاندان بابل اور نبو کا عقیدت مند اور ان کا محبوب ہے۔ مجھ پر رب الارباب مردوک کی رحمتوں کا سایہ ہے۔ یہاں کے سب خداؤں کو میری حکمرانی پسند ہے۔ میں اس شہر میں بغیر خون بہائے امن سے داخل ہوا ہوں۔ میری یہاں آمد پر یہاں کے باشندوں نے خوشیاں منائی ہیں۔ سکھ کی سانس لی ہے۔ اب میں یہاں بیٹھ کر اپنی حکومت قائم کروں گا۔ بابل کو اپنا دارالخلافہ بناؤں گا۔ میرے زیر حکومت کسی پر ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا۔ سب کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ کسی کی جان و مال سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ پرانے ظالمانہ قوانین، محصولات، بیگار وغیرہ سب ختم کر دیے جائیں گے۔ عوام کی خوش حالی اور ہر طرح سے امن و امان کے قیام کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔۔۔۔''

بابلی فوج چونکہ اب کسی کام کی نہ رہ گئی تھی۔ اس لیے سب سپاہی اپنی ملازمتیں چھوڑ کر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ یوں ایمگور بل اور نمیتی بل کی فصیلیں سپاہیوں سے خالی ہوگئیں۔

پھر نئے سال کی تقریبات کے موقع پر سائرس نے یہ حکم دیا کہ دور دراز کے علاقوں کے جو معبود اساگیلہ میں محبوس تھے۔ انہیں رہا کر دیا جائے اور انہیں ان کے خالی معبدوں میں واپس بھیج دیا جائے۔ شمش کو اس کے سپار والے معبد میں، شوشینک کو شوشان کے معبد میں اور باقی سب معبودوں کو بھی جنہیں بخت نصر ان کے معبدوں سے اٹھا لایا تھا ان کے

معبدوں میں واپس پہنچا دیا جائے۔

اس نے غلامی اور بیگار کا بھی خاتمہ کر دیا۔

اب اس کے حضور ان یہودیوں کا مقدمہ پیش کیا گیا جنہیں بخت نصر یہودیہ کو تاراج کرنے کے بعد لاکھوں کی تعداد میں غلام بنا کر بابل لے آیا تھا۔ اس دن اساگیلہ کے دربار میں سائرس اپنے درباریوں اور فوجی عہدیداروں کے ساتھ ایک اونچی نشست پر بیٹھا تھا جب یہودی مذہبی زعماء و عمائدین ایک وفد کی صورت میں اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

''عظیم المرتبت شہنشاہ کا اقبال بلند رہے۔'' یہودیہ کے ایک شہزادے شش بزر نے اس کے سامنے خم ہو کر اسے تعظیم دی۔ ''ہم یہودی جنہیں بخت نصر یہودیہ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد غلام بنا کر یہاں بابل لے آیا تھا، انصاف کے طلب گار ہیں۔''

سائرس نے عمیق نگاہی سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر وفد کے باقی اراکین پر نظر ڈالی۔

''ہم نے ہر جگہ ہمیشہ سب سے انصاف کیا ہے۔ کسی کے ساتھ ذرّہ بھر بے انصافی نہیں ہونے دی۔ تمہارا مطالبہ کیا ہے؟''

شش بزر پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے وفد کے ایک فرد کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اس دراز قامت جوان العمر شخص نے اپنے سر سے سموری ٹوپی اور آدھے چہرے پر لپٹا سیاہ رومال اتارا اور آگے بڑھ کر سائرس کے سامنے پہنچ کر اسے جھک کر تعظیم دی۔

''معزز و محترم، عظیم شہنشاہ پر اللہ کی رحمتیں سایہ فگن ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھ سے کیے ہوئے اس وعدے کو ہرگز نہ بھولے ہوں گے جو آپ نے اپنے پڑاؤ پر مجھ سے کیا تھا۔''

سائرس مسکرایا۔

''الیاسف...... ہم نہ اپنے محسنوں کو بھولتے ہیں نہ اپنے کیے ہوئے وعدوں کو۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ ہم اپنے وعدے کے مطابق یہاں موجود تمام یہودیوں کو اس کی کھلی اجازت دیتے ہیں کہ وہ بخوشی اپنے وطن یہودیہ چلے جائیں۔ وہ اب کسی کے غلام نہیں۔ وہ آزاد ہیں۔ ہم ان تمام نوادرات اور مقدس اشیاء کو بھی انہیں واگزار کرتے ہیں

جنہیں بخت نصران کی عبادت گاہ ہیکل سلیمانی سے اٹھالایا تھا۔"

الیاسف مودبانہ اس کے سامنے خم ہوا۔

"عظیم شہنشاہ کا یہ احسان ہم یہودی رہتی دنیا تک نہ بھولیں گے۔"

تمام یہودی مذہبی زعماء اور عمائدین نے بھی بھرپور انداز میں سائرس سے اظہارِ ممنونیت کیا۔

......اس شام یہودی کبار نہر کے کنارے اپنی عبادت گاہ میں جمع ہوئے۔ اب انہیں ریموت کے جاسوسوں یا کسی کا بھی خوف نہیں تھا۔ ان میں بڑی پرمسرت آواز میں یسعیاہ کا باب پڑھا جانے لگا۔

"پس خداوند نے کہا...... میں نے اپنے بندے سائرس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور تمام اقوام کو اس کے قدموں میں جھکا دیا۔ تمام بادشاہوں کے تاج میں نے اس کے قدموں میں گرا دیئے۔ میں نے اس کے سامنے وہ دو بڑے دروازے کھول دیے جو اب کبھی بند نہ ہوں گے...... اس نے سائرس سے کہا۔ میں تیرے آگے آگے چلوں گا اور اس گمراہ قوم کو صراطِ مستقیم دکھاؤں گا۔ میں پیتل کے وہ بھاری بھرکم دروازے توڑ دوں گا اور لوہے کی سب رکاوٹیں ہٹا دوں گا۔

......"اور میں تجھے اندھیاروں کے خزانے اور خفیہ جگہوں کی پوشیدہ دولت عطا کروں گا۔ تاکہ تو جان لے کہ میں خدائے جبار وقہار، جس نے تجھے تیرے نام سے پکارا ہے۔ خدائے اسرائیل ہوں......"

"پس کہا خداوند نے کہ سائرس میرا چرواہا ہے۔ اس نے میری خوشنودی کے کام کیے ہیں۔ اس نے یروشلم کی آبادکاری ممکن بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یروشلم سے خطاب کیا ہے۔ "اے یروشلم! اب تو از سر نو تعمیر ہوگا۔ تیرا ہیکل بھی تعمیر ہوگا۔ تیری بنیادیں پھر مستحکم کی جائیں گی......"

ایرانی بادشاہ کے اعلان کے ساتھ ہی بابل میں غلام بنا کر لائے گئے یہودی خوشی خوشی یہودیہ واپس جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ان کا پہلا قافلہ شہزادہ ششن بزر کی سربراہی میں بابل سے روانہ ہوا۔ یہ خاصا بڑا قافلہ تھا۔ جس میں ہزاروں کی تعداد میں سامان بردار گدھے خچر گھوڑے اور اونٹ شامل تھے۔ راستے میں چونکہ اس قافلے کو صحرائے عرب سے گزرنا تھا۔ اس لیے ریگزار میں رتھ اور چھکڑے کام نہ دے سکتے تھے۔ اس قافلے کے تمام تر یہودی، یہودا اور بن یمین کی نسلوں کے تھے۔ اس قافلے میں دوسو کے لگ بھگ مرد اور عورتیں ایسے تھے جو گاتے اور ساز بجاتے جا رہے تھے۔ اس قافلے کی روانگی کا نظارہ کرنے کے لیے شاہراہِ اداد پر لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے تھے۔ سائرس بھی گوبارو کے ہمراہ محل کی بالکونی میں کھڑا اس قافلے کی بابل سے روانگی کا نظارہ کر رہا تھا۔ اس قافلے کے ہمراہ وہ تبرکات اور نوادرات بھی تھے جو بخت نصر ہیکل سلیمانی سے اٹھا لایا تھا۔

"حیرت ہے ان لوگوں کے ہمراہ اپنی عبادت گاہ میں رکھنے کے لیے کوئی بت نہیں ہے۔" سائرس نے گوبارو سے کہا۔

"یہ لوگ بتوں کی نہیں ایک ان دیکھے خدا کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے عقیدے کے مطابق ہر جگہ موجود ہے......" گوبارو نے کہا۔

یہ بات سائرس کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ لیکن اس نے کچھ نہ پوچھا۔

یہودیوں کے اس پہلے قافلے کے بعد بابل سے یہودیہ جانے والے قافلوں کا تانتا بندھ گیا۔ قدیم کلدانیہ کے قدیم یہودی اسے ان یہودیوں کی حماقت اور بے وقوفی قرار دے رہے تھے۔ بابل میں جتنے ایسے قدیم یہودی آباد کار موجود تھے وہ خود تو یہودیہ ہجرت سے مجتنب رہے تھے لیکن انہوں نے اس کی از سر نو آباد کاری اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو کے لیے بھاری مقدار میں چاندی ضرور ان کے ہمراہ کر دی تھی۔

بابل کی فصیلوں کے تقریباً تمام پھاٹکوں سے یہودیہ جانے والے یہودیوں کے قافلوں پر قافلے نکل رہے تھے۔ ہر سڑک روز کے روز ایسے ہی جلوسوں کا سماں پیش کر رہی تھی۔

شارع نرگال سے بھی روزانہ دو یا تین ایسے قافلے ضرور نکلا کرتے تھے۔ وہاں سڑک کے دونوں طرف واقع محلات کے مکین قدیم یہودی اور بت پرست بابلی بڑے ذوق وشوق سے اپنے جھروکوں سے ان گاتے بجاتے مہاجر قافلوں کے گزرنے کا نظارہ کیا کرتے تھے۔ عمون اور اس کے بیٹے بھی اکثر ایسے مواقع پر جھروکے میں آ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ جبکہ عجیلہ پردے کے پیچھے سے اس کی درز سے باہر کا نظارہ کیا کرتی تھی۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟ یہ لوگ کیا واقعی یہودیہ کی از سر نو تعمیر اور آبادکاری میں کامیاب ہو جائیں گے؟'' ایک دن ایسے ہی ایک قافلے کا نظارہ کر چکنے کے بعد عجیلہ نے عمون سے دریافت کیا۔

''اگر یہ ثابت قدم اور مستقل مزاج نکلے تو...... کسی بالکل برباد اور کھنڈر شدہ شہر کی از سر نو تعمیر اور بحالی چند مہینوں چند سالوں کا کام نہیں ہوا کرتا۔ اس کے لیے طویل مدت درکار ہوتی ہے ساتھ ہی بھاری افرادی قوت اور سرمایہ بھی۔ میرے علم میں یہ بات آئی تھی کہ بخت نصر کے یہودیہ سے یہودیوں کو پکڑ لانے کے بعد سے یہاں سے یہ غلام یہودی چوری چھپے فرار ہو ہو کر یہودیہ جاتے رہے تھے اور کسی نہ کسی طرح وسائل مہیا کر کے اس میں مکانات عمارات وغیرہ کھڑی کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔ پھر بد دل ہو کر ادھر ادھر کے علاقوں میں منتشر ہو گئے کیونکہ وہاں زندگی گزارنے کے کوئی لوازم کوئی وسائل مہیا نہیں تھے۔ بہت سے فرار شدہ یہودی تو ایسے تھے جو پھر یہاں واپس آ گئے۔ کیونکہ یہاں ہر چند کہ وہ غلام سہی وہ زندگی تو گزار ہی سکتے تھے۔''

''مجھے تو ان کے خیال سے دکھ سا محسوس ہو رہا ہے۔'' عجیلہ بولی۔ ''یہ کئی ہفتوں کا اتنا طویل اور پر صعوبت سفر کریں گے۔ پھر ایسے شہر میں پہنچیں گے جو بالکل کھنڈر بنا ہوا ہے۔ وہاں انہیں زندگی گزارنے کے کوئی وسائل بھی مہیا نہ ہوں گے۔ خوراک، لباس، رہائش اور ایسی حالت میں یہ ان کھنڈرات پر نیا شہر اٹھانے کی کوشش کریں گے...... خیر...... اللہ ان کی مدد کرے۔ کم از کم ہیکل سلیمانی تو ضرور از سر نو تعمیر ہو جائے۔ اگر اس کے ملبے سے تابوت

سکینہ بھی مل جائے تو اللہ کا بڑا کرم و فضل ہو......"

"ابا محترم۔ پیغمبر خدا ذوالکفل بھی یہاں سے یہودیہ کی حالت زار کا جائزہ لینے گئے تھے اور مایوس ہو کر یہاں واپس آ گئے تھے۔" روبن جو اب تک خاموشی سے ان کی باتیں سنتا آ رہا تھا، بولا۔

عمون عجیلہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"ہمارا بیٹا بڑی معلومات رکھتا ہے۔ ویسے اس نے صحیح بات کہی۔ لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب کسی میں یہودیہ جانے اور اسے آباد کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ وہاں سے پکڑ کر لائے گئے یہودیوں کے گلے میں طوقِ غلامی نیا نیا پڑا تھا...... عرصہٴ دراز گزر جانے کے بعد اب حالات مختلف ہیں۔ ویسے رب موسیٰ و ہارون کا لاکھ لاکھ شکر ہے جو ہم قدیم کلدانیہ کے قدیم آباد کار یہودی اپنے اپنے علاقوں میں امن و چین سے ہیں۔ پھول پھل رہے ہیں۔ ہمارے وطن یہی ہیں جن میں ہم صدیوں سے رہتے چلے آ رہے ہیں۔ ہم اپنے ان وطنوں کو چھوڑ کر کہیں بھی نہیں جا سکتے۔ یہودیہ بھی نہیں......"

عجیلہ نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔

"ہاں...... اپنے مقدس مقامات سے محبت و عقیدت اپنی جگہ...... اپنے وطن سے محبت اور چیز ہوتی ہے۔ ہاں کیا ایرانی بادشاہ واقعی اب یہاں بابل میں ہی رہے گا؟ اس نے اسے اپنا دارالحکومت بنا لیا ہے۔"

"میرا خیال ہے اس کے لیے اپنی سرزمین، اپنا ملک اپنے لوگ چھوڑ کر یہاں بیٹھ رہنا مشکل ہی ہو گا۔" عمون پرسوچ لہجے میں بولا۔ "شاید وہ ایسا کرے گا کہ یہاں اپنے کسی سردار کو اپنا نائب مقرر کر دے۔ اپنی فوج کا کچھ حصہ یہاں چھوڑ دے۔ ہاں ایک بات تو میں تمہیں بتانا بھول ہی گیا۔ ان بت پرست بابلیوں میں اس پر بڑا غم و غصہ پایا جا رہا ہے کہ ایرانیوں کے ہاتھوں بابل کی تسخیر ایک یہودی غدار کی بدولت ممکن ہوئی ہے۔ وہ اپنے معبودوں کی قسمیں کھا کھا کر عہد کر رہے ہیں کہ ایرانیوں کے بابل سے جاتے ہی وہ اس

یہودی غدار کو تلاش کر کے کاٹھ پر چڑھائیں گے......"

"یہ یہودی غدار کون ہے؟" عجیلہ نے استفہام کیا۔

"ہوگا کوئی۔ اس کے بارے میں تو کبار نہر کے معبد والے ہی جانتے ہوں گے جو اب یہاں سے جا چکے ہیں۔ میرے خیال میں وہ غدار اپنے اس کارنامے کے بعد یہاں بابل میں ہی نہ رہ گیا ہوگا۔ بلکہ یہاں سے بھاگ گیا ہوگا۔ بت پرست بابلیوں کے لیے اسے تلاش کرنا ممکن نہ ہوگا۔"

"چلو ہم تو محفوظ رہی رہیں گے۔ ہم نے نہ ان غلام یہودیوں سے ہمدردی کی نہ بت پرست بابلیوں سے دشمنی اور غداری۔ تم نے بھی اچھا کیا جو عین وقت پر پھر بابلی فوج میں چلے گئے۔ ورنہ کافر بابلیوں کی نظروں میں تم مشکوک ٹھہرتے اور غدار شمار ہوتے۔ پھر جانے ہمارا کیا حشر ہوتا......"

عمون نے گہری سانس لی۔

"بروقت صحیح فیصلے کرنا ہمیشہ فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ رب موسیٰ وہارون کا لاکھ لاکھ شکر ہمارے خاندانوں نے اس موقع پر عقل اور ہوش مندی سے کام لیا اور ہرگز حملہ آوروں کی کوئی معاونت نہیں کی۔ اب ہوگا یہی کہ ایرانی جلد ہی یہاں سے چلے جائیں گے۔ پھر بابلی کافروں کی دوبارہ یہاں حکومت قائم ہو جائے گی۔ یہ لوگ بل شزر کی بے شمار اولادوں میں کسی کو اپنا بادشاہ بنالیں گے۔ اور اپنے پرانے قاعدے قوانین بحال کر دیں گے۔ پھر وہی پرانا زمانہ شروع ہو جائے گا۔"

"ابا محترم۔ پھر ہمارے جو ہم مذہب یہودیہ جا چکے ہیں وہ مایوسی کی حالت میں اگر واپس آنا شروع ہو گئے تو پھر غلام بنالیے جائیں گے۔" روبن بولا۔

"آئندہ کا حال تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ غلامی ایک ذلت سے کم نہیں۔ بابلیوں کی غلامی کی صورت میں اللہ نے ہم یہودیوں کو اپنی بداعمالیوں اور سرکشیوں کی اچھی سزا دی ہے۔ دعا کرنی چاہیے کہ اب ہم تمام یہودی اس کے نیک اور صالح بندے بن کر رہیں تاکہ

اس کے غضب سے محفوظ رہیں۔" عمون بولا۔

"ایرانی دوسرے حملہ آوروں کے مقابلے میں بڑے مہذب اور شریف حملہ آور ثابت ہوئے۔ انھوں نے کسی مفتوحہ علاقے کے باشندوں سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ مجھے تو بیٹی کی طرف سے بے حد فکر لگی رہی اور اپنے ماں باپ بھائیوں کی طرف سے بھی۔ اللہ کا شکر کہ سب بالکل محفوظ و مامون رہے۔" عجیلہ بولی۔

عمون نے سر کو جنبش دی۔

"اپنی لخت جگر کی طرف سے میں بھی بے حد پریشان رہا۔ لیکن ایرانی واقعی مہذب اور شریف قوم ہیں۔ جن کے ہاتھوں سب کی جان و مال بالکل محفوظ رہے۔ ہاں تم کیا کہتی ہو؟ ہم ربلہ نہ جائیں؟ وہاں تمہارے ماں باپ کے گھر قیام کے دوران ہم اروک جا کر بیٹی سے بھی مل لیں گے۔"

"اچھا خیال ہے۔ لیکن یہاں کے حالات پوری طرح مطمئن ہو جانے کے بعد ہی جانا اچھا ہے۔" عجیلہ کچھ سوچ کر بولی۔

اسی وقت باہر سڑک پر سے گزرنے والے ہجرتی قافلے کے گانے بجانے کی آواز سنائی دینے لگی۔

"لگتا ہے پھر کوئی ہجرتی قافلہ یہاں سے گزر رہا ہے۔" عجیلہ بولی۔

"ابھی ان قافلوں کا بڑا زور و شور ہے۔ آدھی سے زیادہ یہودی غلام آبادی یہاں سے جا چکی ہے۔ باقی آدھی بھی جلد ہی چلی جائے گی پھر یہ شہر خالی سا دکھائی دینے لگے گا۔" عمون بولا اور اپنی نشست سے اٹھ گیا۔ "ان کافر بابلیوں کے پاس بیگاریں بھگتانے کے لیے یہودی غلام نہ رہیں گے تو وہ پہلے کی طرح افریقی، موآبی، سمیری، حتی پکڑ پکڑ کر انہیں طوقِ غلامی پہنا کر ان سے بیگار لینے لگیں گے۔"

"یہ سب کافر اور بت پرست اقوام ہیں۔ ایسے لوگوں کی یہاں موجودگی سے بابل ایک عظیم بت کدہ بن جائے گا جس میں قسما قسم دیویاں اور دیوتا جمع ہوں گے۔" روبن بولا۔

''ہم یہودی بہر کیف اپنا دین موسوی ہر حال میں محفوظ رکھیں گے۔'' عمون بولا۔
''اچھا اب میں ذرا جا کر سردار ایشیاع سے ملاقات کر آؤں۔''

اس کے جانے کے بعد روبن بھی کمرے سے نکل گیا جبکہ عجیلہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اس سے اگلے ایوان میں باہر کے رخ بنے جھروکے پر سیاہ حریری پردہ سرسرا رہا تھا۔ سڑک پر سے گزرنے والے مہاجر قافلے کے لوگ ہنس رہے تھے، قہقہے لگا رہے تھے، گا بجا رہے تھے۔ یہ قافلہ دوسرے قافلوں سے اس لحاظ سے مختلف تھا کہ یہ یہودیہ نہیں ایرانی علاقے کی طرف جا رہا تھا۔ یعنی عیلام کی طرف، اس کی منزل اس کا دارالحکومت شوشان تھا۔ جہاں سائرس ہخامنشی کی طرف سے گوبارو نائب تھا۔ وہ اب اپنے بھیانک اور کریہہ المنظر دیوتا شوشینک کو شوشان اس کے مدتوں سے اجاڑ اور ویران پڑے معبد میں اٹھا لے گیا تھا۔ جس کی اس نے تعمیر نو کروائی تھی اور خوب شان وشوکت سے آرائش وزیبائش کروائی تھی۔

اس قافلے میں شامل الیاسف کی نظریں دور سے ہی اس شارع پر واقع اس سفید محل نما مکان کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ حلق خشک ہوا جا رہا تھا۔ گھوڑے کو ہلکی رفتار سے چلاتے ہوئے وہ اہل قافلہ کے ہمراہ آگے بڑھا چلا جا رہا تھا۔ وہ سفید مکان قریب سے قریب آتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے اس مخصوص جھروکے کے مقابل پہنچ گیا۔ غیر ارادی طور پر اس نے گھوڑے کی لگامیں کھینچ دیں اور بڑی تمنا، اشتیاق اور وارفتگی سے جھروکے کے اندرونی دروازے پر پڑے سیاہ حریری پردے کو دیکھنے لگا۔ وہ پردہ ہوا سے ہلکے ہلکے سرسرا رہا تھا۔ لیکن اس میں کوئی شگاف کوئی درز نہ دکھائی دے رہی تھی۔ نہ وہ حسین سیاہ آنکھیں جھانکتی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ مایوس سا ہونے لگا۔ وہ اب وہاں سے، اس شہر سے ہمیشہ کے لیے جا رہا تھا۔ جانے سے پہلے وہ آخری مرتبہ ان حسین سیاہ آنکھوں کو دیکھ لینا چاہتا تھا جن سے جانے اس کا کیا رشتہ جڑا تھا کہ اس سڑک پر سے گزرتے ہوئے اس کی نظریں بے اختیار اس جھروکے کی طرف اٹھ جایا کرتی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو انتہائی بے تاب و بے اختیار سا محسوس کرنے لگتا تھا اسے شروع ہی سے یہ

محسوس ہو رہا تھا کہ ان حسین سیاہ آنکھوں والی خاتون سے، جو کبھی پوری طرح اس کے سامنے نہ آئی تھی جس کے بارے میں وہ ٹھیک طرح کچھ جانتا بھی نہ تھا کہ وہ کون تھی، اس کا کوئی واسطہ، کوئی تعلق ضرور تھا۔ جانے وہ سردار عمون کی بیوی تھی یا کوئی اور خاتون؟ اس کی شائستگی اور شرافت نے کبھی اس بارے میں کھوج کرید کرنے کی اجازت نہ دی تھی۔ یوں ہوتے ہوتے یہ وقت آن پہنچا تھا کہ وہ اس خاتون کے بارے میں کچھ جانے بغیر ہمیشہ کے لیے اس شہر سے رخصت ہو جاتا۔

اس سیاہ حریری پردے کو دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے سر جھٹکا اور بوجھل بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دل کے ساتھ گھوڑے کی رفتار بڑھا کر قافلے سے جا ملا جو اس وقت کافی دور نکل گیا تھا۔ اس کی سانسیں گلے میں گھٹ رہی تھیں۔ آنکھیں بھر بھر آ رہی تھیں۔ سینے میں اک کھولن سی ہو رہی تھی۔ شارع نرگال کا موڑ مڑتے مڑتے اس نے گردن موڑ کر اس سفید مکان کی طرف دیکھا۔ وہ مخصوص جھروکہ خالی پڑا تھا۔ اس کے دل سے اک ہوک سی اٹھی۔ اس کے رخساروں پر موٹے موٹے آنسوؤں کے قطرات پھسل پڑے۔ اس نے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لیے۔ ذہن پر لحہ بہ لحہ مسلط ہوتی چلی جانے والی تاریکیوں کو بمشکل تمام جھٹکتے ہوئے اس نے گہری سانس لی۔ اور گھوڑے کی راسیں پکڑے قافلے کے ساتھ ساتھ ہولیا۔

چچا یوآب کے کافر بابلیوں کے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد اس کے آقا حزقی ایل نے بڑی افراتفری کے عالم میں اسے زادِ سفر دے کر سپار فرار کرا دیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اس علاقے، شارع اریوک پر آباد بت پرست بابلی جو یوآب کو منحوس اور بدشگون خیال کرتے تھے اور اس کی جان کے درپے ہوئے رہتے تھے اب یوآب کو پکڑ لے جانے کے بعد کہیں اسے بھی نہ پکڑ لے جائیں جو بے حسب ونسب کا گندگی کے ڈھیروں کی پیدائش اور ان کے نزدیک یوآب ہی کی طرح منحوس اور قابل نفرت تھا۔

سپار جا کر وہ حرقا کے ننھیال میں ٹھہر گیا تھا۔ جہاں بہت جلد حزقی ایل حرقا بوڑھی عمورہ

اور دو تین کنیزیں اور غلام بھی مختصر سے مال اسباب سمیت آن پہنچے تھے۔ حزقی ایل نے اپنا گھر فروخت کر دیا تھا۔ بہت سے غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کر دیا تھا اور اب وہ عیلام کے دارالحکومت شوشان جا کر آباد ہونا چاہتا تھا جہاں اس نے وسیع وعریض شاندار رہائش گاہ خرید رکھی تھی اور غلاموں اور کنیزوں کی خاصی تعداد وہاں چھوڑ رکھی تھی۔ اسے شروع ہی سے بابل میں رہنا ناپسند چلا آرہا تھا۔ یوآب والے واقعہ کے بعد تو اس نے بابل چھوڑنے میں ہرگز دیر نہ کی تھی۔

بوڑھے اخزیاہ، اس کی بیوی تیرزاہ اور حرقا کی خالاؤں ماموؤں وغیرہ نے اسے اتنی دور جا کر آباد ہونے سے روکنے کی بے حد کوشش کی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ وہیں سپار، اوپس، اروک یا گرد و پیش کے کسی علاقے میں بس جائے۔ آرام سے سوداگری تاجری کرتا رہے۔ ان سے ملتا جلتا رہے۔ لیکن حزقی ایل اب بابل کے اردگرد کے علاقوں سے بھی بھر پایا تھا۔ اس نے کسی کی نہ سنی اور سپار چند روز قیام کے بعد عیلام روانہ ہو گیا۔ الیاسف البتہ سپار ہی میں رہا۔ اسے بابل پر ایرانیوں کے قبضے کا انتظار تھا۔ سائرس نے آرامی سوداگر کے روپ میں اس کی راہنمائی میں بابل کا جائزہ لینے کے بعد اس سے کہا تھا کہ وہ فتح بابل کے موقع پر اس سے ملاقات کرے گا۔ اس ملاقات میں الیاسف کو تمام یہودیوں کی طرف سے اس کی خدمت میں ایک درخواست بھی پیش کرنی تھی۔ اس بارے میں کیار نہر والے معبد کے بڑوں نے فیصلہ کیا تھا کہ یہ درخواست وہی پیش کرے۔ چنانچہ وہ حزقی ایل اور اس کے خاندان کے عیلام روانہ ہو جانے کے بعد سپار ہی میں ٹھہرا رہا تھا۔ پھر جب اسے ایرانیوں کے ہاتھوں سقوطِ بابل کی اطلاع ملی تھی تو وہ بابل چلا آیا تھا۔ جہاں وہ معروف یہودی ساہوکار یعقوب عجیبی کے گھر ٹھہر گیا تھا۔ پھر جب کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اساگیلہ کے دربار میں سائرس کے حضور یہودیوں کا مقدمہ پیش ہوا تھا تو اس نے اس سے ملاقات کی تھی اور اسے اس کے پڑاؤ پر اس کا کیا ہوا وعدہ یاد دلایا تھا کہ وہ فتح بابل کے بعد وہاں غلام بنا کر لائے گئے یہودیوں کو بابلیوں کی غلامی سے نجات دلا دے گا انہیں ہیکل سلیمانی سے لوٹے ہوئے تبرکات ونوادرات واپس دلا دے گا اور انہیں دوبارہ یہودیہ جا کر اسے آباد

وتعمیر کرنے کی آزادی دے دے گا۔ ہخامنشی حکمران اپنے قول کا سچا ثابت ہوا تھا۔ اس نے یہ سب کچھ کیا۔ اور اب یہودیوں کے قافلے کے قافلے یہودیہ واپس جا رہے تھے۔ کبار نہر کے معبد کے عمائدین پہلے مہاجر قافلے میں شامل تھے وہ اپنے ہمراہ ہیکل سلیمانی کے تبرکات نوادرات بھی لے گئے تھے۔ سائرس ہخامنشی اس کا احسان مند تھا۔ اسی کے تعاون سے اس کے لیے تسخیر بابل ممکن ہوئی تھی۔ اس نے اس سے بڑا مشفقانہ اور احسان مندانہ سلوک کیا تھا اور اسے بیش قیمت تحائف سے نوازا تھا۔ اس موقع پر سردار گوبارو بھی وہاں موجود تھا۔ جو اس کے آقا حزقی ایل کا دوست تھا۔ اس نے اس اطلاع پر بڑی مسرت کا اظہار کیا تھا کہ حزقی ایل شوشان جا کر آباد ہونے والا تھا۔ وہاں اس کی اس سے ملاقاتیں ہو سکتی تھیں۔

اب چونکہ وہ جس کام سے بابل پہنچا تھا وہ ہو چکا تھا۔ اس لیے اس نے ایک دن اپنے میزبان یعقوب عجیبی سے رخصت لی اور اس مہاجر قافلے میں شامل ہو گیا جو یہودیہ کے بجائے شوشان جا رہا تھا۔ یعقوب عجیبی نے اسے بتایا تھا کہ بت پرست کافر بابلیوں میں اس کے لیے بے حد غیظ وغضب پھیلا ہوا تھا ان کے نزدیک وہ غدار تھا جس نے ایرانیوں کو فتح بابل میں مدد دی تھی۔ اس لیے وہ جلد از جلد بابل سے رخصت ہو جائے۔ کیونکہ بابلی ابھی اس کے بارے میں لاعلم ہی تھے۔ لیکن انہیں جلد یا بدیر یہ معلوم ہو ہی جانا تھا۔ چنانچہ وہ فوراً ہی شوشان جانے والے اس مہاجر قافلے میں شامل ہو گیا تھا۔

ایمگور بل کے چوپٹ کھلے ہوئے اس بھاری بھر کم لمبے چوڑے پیتل کے دروازے سے باہر نکل کر اس قافلے نے فصیل کے پشتے عبور کیے اور مشرقی پہاڑوں کی سمت ہو لیا۔ الیاسف چلتے چلتے مڑ مڑ کر ان عظیم فصیلوں پر نظر ڈال رہا تھا۔ اس کا دل اس وقت کیا محسوس کر رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی انتہائی قیمتی متاع وہاں چھوڑے جا رہا تھا۔ ایک خلش سی اسے بے قرار کر رہی تھی۔ دل میں ایک چبھن سی تھی جس کی جراحت سے وہ بے تاب ہوا جا رہا تھا۔ اس کی سانس بار بار حلق میں پھنس رہی تھی۔ آنکھیں بھیگی جا رہی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک ایسا مسافر محسوس کر رہا تھا جس کو اپنی منزل کا علم نہ ہو، جو

نامعلوم راستے پر اندھا دھند چلتا جا رہا ہو۔

کھلی جگہ پر پہنچ کر قافلے کی رفتار تیز ہو گئی۔ الیاسف نے اپنی حالت سنبھالی اور گھوڑے کو تیزی سے دوڑانے لگا۔

...... قافلے کے شارع نرگال کا موڑ مڑ کر نظروں سے اوجھل ہو جانے کے کافی دیر بعد تک بھی عجیلہ جھروکے کی سجاوٹی دیوار کی درزوں سے اس خالی سڑک کے موڑ کو دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی تھیں۔ اس کی سسکیاں گلے میں گھٹ رہی تھیں۔ کراہیں دل کو چھلنی کیے دے رہی تھیں۔ اس کی روح تڑپ رہی تھی۔ بری طرح سے بے قرار و بے تاب ہوئی جا رہی تھی۔ اسے اپنا صبر و ضبط جواب دیتا محسوس ہو رہا تھا اس کا وجود ٹوٹ بکھر رہا تھا۔ ذہن پر تاریکیاں مسلط ہوئی جا رہی تھیں۔

اس کے گھر کے باہر سڑک پر روز ہی مہاجر قافلے گزرتے رہتے تھے۔ وہ کسی کسی قافلے کا جھروکے سے نظارہ بھی کر لیتی تھی۔ اس نے کبھی کسی قافلے میں دلچسپی نہ لی تھی۔ نہ اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کی تھی۔ لیکن یہ قافلہ کیسا تھا جس کے گزرنے کی آوازوں نے اس پر کچھ عجیب سا ہی اثر کیا تھا۔ اس قافلے کے لوگوں کے گانے اور ساز بجانے کی آوازوں کے بجائے یہ اس میں شامل بار برداری کے اونٹوں کے گلوں میں پڑی ہوئی گھنٹیوں کی آواز تھی جس نے اسے چونکا دیا تھا۔ اسے یہ آواز کوئی المناک کوئی دلگداز سا پیغام دیتی محسوس ہوئی تھی۔ اس آواز نے اسے ایک دم ہی بری طرح سے ہلا دیا تھا۔ وہ بے اختیار لپکتی ہوئے جھروکے کے سیاہ حریری پردے کے پیچھے جا کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی حالت اس وقت ایسی خستہ ہو رہی تھی کہ وہ کھڑی نہ رہ سکی تھی اور پردے سے باہر جھروکے کے نیم گولائی میں بنی ہوئی نیچی سی دیوار کے ساتھ بچھی ہوئی مرمریں نشست پر جا کر بیٹھ گئی تھی۔ وہاں سے دیوار کے تعمیری نمونے میں پڑی ہوئی باریک باریک درزوں سے باہر کا نظارہ واضح اور صاف دکھائی دیتا تھا۔ وہ قافلہ ابھی کچھ دور تھا۔ لیکن اس کے مسافروں کے گانے بجانے اور اونٹوں کی گھنٹیوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی جو آہستہ آہستہ قریب آتی جا

رہی تھی اس کے ساتھ ہی عجیلہ کے دل کی دھڑکنیں بھی بری طرح سے بے ترتیب ہوتی جا رہی تھیں۔ اس کے ہر موئے تن سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ تنفس کی رفتار تیز ہوگئی تھی۔ وہ ایک باریک درز سے آنکھ لگائے بڑی بے قراری اور بے تابی سے باہر خالی سڑک کو دیکھ رہی تھی۔ قافلے کی آوازیں اب بلند اور قریب آتی جا رہی تھیں۔ پھر وہ سڑک پر نمودار ہوگیا۔ باربردار گدھوں خچروں اونٹوں چھکڑوں اور رتھوں پر مشتمل قافلہ...... جس کے مسافر خوب ہنس اور قہقہہ لگا رہے تھے۔ شوشان کا ذکر کر رہے تھے جہاں انہوں نے جا کر آباد ہونا تھا۔ گا رہے تھے ساز بجا رہے تھے۔ اونٹوں کے گلے میں پڑی گھنٹیوں کی آوازیں ان کے سازوں کی آواز پر حاوی اور سب سے بلند تھیں۔ عجیلہ کو یہ آوازیں نوحہ کرتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھیں۔ کوئی الیہ راگ الاپتی معلوم ہو رہی تھیں۔ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوتے وجود اور خنجر بہ دل کے ساتھ، حلق پر ہاتھ رکھے قافلے کو گزرتے دیکھ رہی تھی۔ اس کی تڑپ اور بے قراری اپنی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ پھر قافلے کے پیچھے وہ نمودار ہوگیا۔ سفید تنومند گھوڑے پر سوار، اس کا بیٹا، اس کا لخت جگر، اس کے گلشن کا پہلا پھول، اس کا چاند الیاسف ...... اس کا دل اس کے حلق میں آ کر دھڑکنے لگا۔ بے پناہ اشتیاق، وارفتگی، پیار اور حسرت بھری نظریں اس پر لگ گئیں۔ اس جھروکے کے عین سامنے آ کر اس نے اپنے سست رو گھوڑے کی راسیں کھینچ دیں اور بڑے اشتیاق سے بے پناہ تمنا اور حسرت سے اس سیاہ حریری پردے کو دیکھنے لگا۔ اس کی نظروں سے وارفتگی تھی، دلچسپی تھی، والہانہ پن تھا۔ انتظار کا کرب تھا۔ وہ اس پردے کو دیکھتا رہا۔ عجیلہ کا دل بے تاب ہوتا رہا۔ تڑپتا رہا، فگار ہوتا رہا۔ اپنی مجبوری اور بے بسی کا احساس اسے بری طرح سے اذیت دیتا اسے تڑپاتا رلاتا رہا۔ پھر اس نے الیاسف کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے رخساروں پر پھسلتے دیکھے۔ وہ بے تاب ہو کر اپنی جگہ سے اٹھتے اٹھتے پھر وہیں گر گئی۔ اسے اپنا وجود کسی بھاری سی چٹان جیسا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر اس نے الیاسف کو شدید رنج و کرب کے عالم میں اپنے سر کے بال مٹھی میں جکڑتے اور جھروکے پر الوداعی نظریں ڈالتے ہوئے آگے بڑھتے اور مڑ مڑ کر اس طرف

دیکھتے پھر سڑک کے موڑ پر پہنچ کر نظروں سے غائب ہوجاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے منہ سے ایک جگر دوز آہ خارج ہوئی۔

"الوداع الیاسف...... میرے بیٹے...... میرے لخت جگر...... الوداع...... اللہ تمہاری حفاظت کرے...... زندگی میں کبھی ایسا موقع تو ضرور آئے گا جب تم مجھ سے آن ملوگے اس وقت ہمیں کوئی ایک دوسرے سے جدا کرنے والا نہ ہوگا......"

اسے معلوم تھا کہ یہ کون سا جذبہ تھا جس سے تحریک پاکر الیاسف اس کے گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے بے اختیار رک جاتا تھا اور اس کی نظریں خود بخود اس جھروکے کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ یہ کون کے رشتے کی کشش تھی! یہ اس پاکیزہ اور مقدس رشتے کا ڈھکا چھپا احساس تھا۔ شاید وہ سمجھتا تھا کہ اس گھر سے اس کا کوئی انتہائی قریبی رشتہ ضرور تھا، اس کے کسی مکین سے، جسے اس نے نہ دیکھا تھا نہ اس کے بارے میں وہ کچھ جانتا تھا، اس کا کوئی تعلق کوئی واسطہ ضرور تھا۔ اس نے اب تک صرف اس کی آنکھیں ہی دیکھی تھیں۔ وہ آنکھیں بھی شاید اسے بہت کچھ بتا گئی تھیں۔ اس کے دل میں کوئی خیال کوئی احساس کوئی جذبہ جگا گئی تھیں۔ جب ہی وہ سڑک پر سے گزرتے ہوئے جھروکے پر سرسری سی نگاہ ڈالنے کے بجائے اب اس کے سامنے رک کر بڑی تمنا، وارفتگی اور اشتیاق سے سیاہ حریری پردے کو دیکھنے لگا تھا۔ اسے وہاں موجود نہ پاکر، اس کی آنکھوں کو پردے سے جھانکتے نہ دیکھ کر اسے جو مایوسی اور دکھ ہوتا تھا، قابل دید ہی ہوتا تھا......

اپنے کمرے کی نیم تاریک پرسکون تنہائیوں میں پہنچ کر وہ دیوان پر بیٹھ گئی۔

ایسا وقت ضرور آئے گا...... اسے یقین تھا کہ ایسا وقت ضرور آئے گا جب وہ اپنے اس بیٹے سے مل سکے گی۔ اسے سینے سے لگا کر برسوں سے بھڑکتی مامتا کی آنچ کو سرد کر سکے گی۔ اس وقت کوئی اس رشتے پر انگلی اٹھانے والا نہ ہوگا......

یہ وقت کب آنا تھا؟ اس کے لیے اس نے کتنا انتظار کرنا تھا؟ وہ یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھی۔ لیکن اس کا یقین وایقان اپنی جگہ مستحکم تھا۔

منزل

''تو تم گھر آ ہی گئے الیاسف ......'' حرقا کی آواز میں بے پناہ مسرت کی کھنک اور حسین آنکھوں میں ستاروں کی جگمگاہٹ تھی۔

الیاسف نے بھرپور نظر اس پر ڈالی۔ شوشان جیسے نوتعمیر شدہ کھلے کھلے سرسبز وشاداب، خوبصورت شہر کی آب وہوا نے اس پر بے حد خوشگوار اثر مرتب کیا تھا۔ وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ صحت مند تندرست دکھائی دے رہی تھی۔ سرخ وسفید رنگت اور بھی نکھر چکی تھی۔ چہرے پر چمک آ گئی تھی۔ وہ مسکرایا۔

''ہر کوئی لوٹ کر اپنے گھر ہی آیا کرتا ہے مالکن محترم۔''

حرقا مسکرائی۔ اس نے بھرپور نظر اس پر ڈالی۔

''تم اب بھی مجھے مالکن ہی کہو گے؟''

الیاسف نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ میں سمجھا نہیں۔''

''یہی کہ تم ہمارے غلام یا ملازم کبھی نہیں تھے۔ ابا محترم تو تمہیں بیٹا بنا کر گھر لائے تھے۔''

''یہ ان کا مجھ پر بے پایاں احسان ہے۔ ورنہ مجھے اپنی حیثیت بخوبی معلوم ہے۔'' الیاسف کے لہجے میں اداسی سی گھل گئی۔

حرقا بدستور مسکرا رہی تھی۔ اس کی یہ مسکراہٹ الیاسف کو الجھن میں ڈال رہی تھی۔

''تمہاری حیثیت ابا محترم کو بخوبی معلوم ہے اور یہ وہ نہیں جو تم سمجھے ہوئے ہو۔''

الیاسف اور بھی الجھ گیا۔

"یہ آپ معموں میں کیا باتیں کر رہی ہیں۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔"
حرقا آہستہ سے ہنسی۔
"میری باتیں تمہیں معمہ لگ رہی ہیں۔ ابا محترم کی نہیں۔"
"وہ مجھ سے کیا باتیں کریں گے؟" الیاسف بدستور الجھا ہوا سا تھا۔
"یہ تم خود سن لینا۔ ہاں تمہیں شوشان کیسا لگا؟ میں تو یہاں آ کر بے حد خوش ہوئی ہوں۔ کتنا صاف ستھرا ہرا بھرا شہر ہے۔"
"مجھے بھی یہ بہت اچھا لگا ہے۔ سردار گوبارو نے واقعی خوب کام کر دکھایا جو مدتوں سے کھنڈر پڑے شہر کے ملبے پر ایسا شاندار خوبصورت اور وسیع شہر تعمیر کر دیا۔ اس کی نو تعمیر شدہ عمارات محلات، مکانات سڑکیں معابد اور باغات واقعی دیکھنے کے قابل ہیں۔ اس شہر کی سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ اس میں سے دنیا بھر کے کاروانی راستے گزرتے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب یہ شہر ایک بہت بڑا تجارتی مرکز بن جائے گا۔ آقا حرقی ایل اس کے محل وقوع سے خوب فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"
"ابا محترم یہی کہہ رہے تھے۔ یہاں رہتے ہوئے ان کی سوداگری و تجارت خوب ترقی کرے گی۔ تم تو ان کے دست راست ہو ہی۔ اب وہ بوڑھے ہونے کو آ رہے ہیں شاید وہ اپنے کاروبار تمہارے سپرد کر دیں۔"
"جیسے ان کی مرضی۔ میں ان کی ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔" الیاسف کے لہجے میں اس کی مخصوص احسان مندانہ جانثاری اور خلوص رچا ہوا تھا۔
حرقا نے بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔ جو خلش اسے عرصۂ دراز سے پریشان کیے ہوئے تھی۔ جو اسے ناقابل فہم معلوم ہوتی رہی تھی اب ہمیشہ کے لیے دور ہو چکی تھی۔ اسے اب اس کا بخوبی ادراک ہو گیا تھا کہ اس خلش کی وجہ یہ تھی کہ اس کے دل کے نہاں خانوں میں زمران کی نہیں بلکہ اپنے بچپن کے اس انتہائی پیارے سے، پرخلوص بے پناہ جانثار اور بے پناہ محبت کرنے والے ساتھی کی محبت جاگزیں تھی۔ اس نے اس کا ادراک اس لیے نہ کیا تھا

کہ وہ الیاسف کو اپنے اہل خانہ میں ہی شمار کرتی آئی تھی۔ زمران سے اسے جو محبت اور لگاؤ رہا تھا اس میں وہ گہرائی، گیرائی اور جذباتیت نہیں تھی جس کا اسے بعد میں ادراک ہوا تھا۔ جب اسے زمران کی طرف سے سرد مہری اور بے رخی کا دکھ سہنا پڑا تھا تو اسے اس عجیب سی خلش نے ستانا شروع کیا تھا۔ اس خلش کی اسے نہ سمجھ آ سکی تھی نہ کوئی وجہ معلوم ہو سکی تھی۔ پھر جب اسے زمران کے قوعیلہ کی طرف جھکاؤ اور اس کی محبت میں گرفتار ہونے کا علم ہوا تھا تو یہ خلش اسے بھرپور انداز میں ستانے اور بے چین رکھنے لگی تھی۔ اسے زمران کی اس حرکت کا کوئی دکھ یا صدمہ نہ ہوا تھا۔ بلکہ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس نے اپنے لیے ایک غلط آدمی کا انتخاب کر رکھا تھا۔ وہ عجیب الجھن اور مخمصے میں گرفتار ہوگئی تھی۔ اسے باوجود کوشش کے اس خلش سے نہ نجات مل رہی تھی نہ ہی اس کی کوئی وجہ سمجھ آ رہی تھی۔ پھر جب یوآب کے کافر بابلیوں کے ہاتھوں گرفتار ہونے اور کاٹھ پر چڑھائے جانے اور حزقی ایل کے الیاسف کو سپار فرار کروا دینے کے واقعات رونما ہوئے تو اس وقت اسے ادراک ہونا شروع ہوا کہ اس خلش کی کیا وجہ تھی۔ وہ یوآب کی موت کے بعد الیاسف کی سلامتی کی طرف سے بے حد فکر مند اور پریشان رہنے لگی تھی اس وقت اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنے بچپن کے اس ساتھی سے کتنی محبت کرتی تھی۔ وہ اسے کتنا عزیز تھا۔ دل وجان سے عزیز......
اس ادراک، اس انکشاف کے بعد اسے بے چین ومضطرب کیے رکھنے والی وہ جان لیوا سی خلش ایک دم ہی دور ہوگئی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو نہ صرف بے حد مطمئن اور پرسکون محسوس کیا تھا بلکہ مسرور وشاداں بھی! شوشان پہنچنے کے بعد وہ بڑی بے چینی سے الیاسف کے آنے کا انتظار کرنے لگی تھی۔ اس کی سلامتی کی دن رات دعائیں مانگنے لگی تھی۔ حزقی ایل بھی اسی کی طرح بڑی بے چینی سے الیاسف کی آمد کا منتظر تھا۔ وہ بابل سے شوشان آنے والے ہر قافلے سے اس کا پتہ پوچھتا رہتا تھا۔ وہ اپنے طور جو فیصلہ کر چکا تھا۔ اس سے اس نے سوائے بوڑھی عمورہ کے، جو اب بیمار رہنے لگی تھی، کسی کو آگاہ نہ کیا تھا۔ حرقا کو معلوم تھا کہ اس کا باپ الیاسف سے کتنی محبت رکھتا تھا۔ وہ جو کچھ کرنا چاہتا تھا اس کا اسے کچھ کچھ

انداز ہو چکا تھا اور اس پر وہ بے پناہ خوشی مسرت اور سرشاری سی محسوس کر رہی تھی۔

اب الیاسف گھر آ چکا تھا۔ اس وقت وہ اس کے سامنے مخملیں نشست پر بیٹھا تھا۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ خوبصورت آنکھوں میں وہی مخصوص نرم نرم سی چمک، بے پناہ خلوص، جاںنثاری، وابستگی اور محبت کا رنگ تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے حرقا کا دل اب نئے انداز سے دھڑک رہا تھا۔ اسے کچھ حیا بھی محسوس ہو رہی تھی۔

''تم راستے میں کیا سپار گئے تھے الیاسف؟'' بالآخر اس نے پوچھا۔

''نہیں ...... میں جس قافلے میں شامل تھا اس کے راستے میں سپار یا ارک کوئی بابلی شہر نہیں آئے۔ بلکہ وہ انتہائی دشوار گزار مگر مختصر سے راستے سے سرزمین عیلام میں داخل ہو کر یہاں شوشان پہنچ گیا۔''

''پھر بھی اس سفر میں کئی ہفتے تو لگ گئے۔ میرے خیال میں یہاں رہتے ہوئے ہمارے لیے یہ انتہائی مشکل ہوگا کہ اتنا طول وطویل سفر کر کے اپنے رشتہ داروں سے ملنے جائیں یا وہ یہاں آئیں ......''

''ہاں یہ تو ہے۔ لیکن ہر کوئی اپنے فائدے کو ہی پیش نظر رکھتا ہے۔ ویسے لطف بھی طویل طویل وقفوں کے میل ملاپ میں ہے۔''

حرقا نے سر کو جنبش دی۔

''اب تو بابل میں ہمارا کوئی رشتہ دار باقی نہیں رہا۔ لگتا ہے ہمارا اس شہر سے واسطہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہے۔''

''بابل اب کھلا شہر بن گیا ہے۔ میں نے وہاں کے بت پرست باشندوں کو کہتے سنا تھا کہ ایرانیوں کے وہاں سے چلے جانے کے بعد وہ پھر بابل کی حکومت سنبھال لیں گے اور بخت نصر وغیرہ پرانے بادشاہوں کے آئین وقوانین بحال کر دیں گے۔ اور جو یہودی یہودیہ کی آباد کاری اور تعمیر نو سے مایوس ہو کر وہاں واپس آئیں گے انہیں دوبارہ اپنے غلام بنا لیں گے۔ اس مرتبہ یہ غلامی بہت سخت ہوگی کیونکہ ان کافروں میں اس پر بڑا غم وغصہ پایا

جاتا ہے کہ انہی غلام یہودیوں نے ایرانیوں سے ساز باز کر کے بابل کی فتح کی راہ ہموار کی۔

حزقا شرارتاً مسکرائی۔

''حالانکہ یہ صرف تمہارا کارنامہ ہے۔ اچھا ہوا تم بروقت وہاں سے بھاگ لیے ورنہ کوئی یہودی ہی بابلیوں کی طرف سے بھاری انعام کے لالچ میں تمہاری مخبری کر دیتا۔''

الیاسف آہستہ سے ہنسا۔

''ہاں یہ بعید از امکان نہیں تھا۔ ہم یہودیوں کی تاریخ اپنی ہی قوم سے غداریوں اور نمک حرامیوں کے قصوں سے بھری ہوئی ہے۔ اگر میری وہاں تلاش شروع ہوئی تو یہاں اتنی دور شوشان کی طرف کسی کا دھیان نہ جائے گا۔''

''اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے۔''

......اس رات کھانے سے فارغ ہونے کے بعد حزقی ایل نے الیاسف کو اپنی مخصوص نشست گاہ میں بلوایا۔

الیاسف جب کمرے میں داخل ہوا تو اس نے زیتون کے تیل سے جلتے طاقچوں پر رکھے چراغوں کی چمکیلی تیز روشنی میں وہاں حزقی ایل کے ساتھ ہی بوڑھی عمورہ کو بھی مخملیں فرشی نشست پر بیٹھے دیکھا۔

''آؤ بیٹے الیاسف ......'' حزقی ایل نے اپنے سامنے خالی نشست کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں اس کے لیے بے پناہ محبت و شفقت تھی جو الیاسف کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ لیکن اسے بوڑھی عمورہ کی مسکراہٹ خاصی معنی خیز اور تحیر کن معلوم ہو رہی تھی۔

''آپ کو مجھ سے کوئی ضروری کام ہے آقا محترم؟'' اس نے مؤدبانہ حزقی ایل سے استفہام کیا۔

''نہایت ہی ضروری کام ......'' حزقی ایل مسکرایا۔ الیاسف نے نہ جانے کیوں کچھ بے چینی سی محسوس کی۔ حزقی ایل دھیمی سی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے عمیق نگاہی سے دیکھ

رہا تھا۔

"بیٹے الیاسف...... تمہاری عمر بھلا کتنی ہوگی؟" بالآخر اس نے جانتے بوجھتے استفہام کیا۔

الیاسف نے متحیرانہ اس کی طرف دیکھا۔

"یہ آپ کو معلوم ہی ہے مالک محترم...... اکیس بائیس سال۔"

حزقی ایل مسکرایا۔

"اب تو تمہارا گھر بس جانا چاہیے الیاسف ...... اب تو تمہاری شادی ہوجانی چاہیے۔"

الیاسف گڑبڑا سا گیا۔ کچھ شرم کچھ جھینپ سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس نے تیزی سے سانس بھری۔ پھر ایسے لہجے میں جس میں دکھ اور کرب کی آمیزش تھی بولا۔

"مجھ سے کون شادی کرے گا آقا محترم۔ سب کو معلوم ہی ہے میں کون ہوں۔"

حزقی ایل اور بوڑھی عمورہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرا دیے۔

"میرے عزیز بیٹے الیاسف......" حزقی ایل کے بجائے بوڑھی عمورہ نے اسے مخاطب کیا۔ "تم وہ نہیں ہو جو اپنے آپ کو اب تک سمجھتے چلے آرہے ہو۔ تم کوئی گندگی کے ڈھیروں کی پیدائش یا ناجائز اولاد نہیں ہو۔ تم اپنے ماں باپ کی جائز اولاد ہو جسے خود غرضانہ مفادات کے پیش نظر مر جانے کے لیے کبار نہر کے کنارے پھنکوا دیا گیا تھا۔"

الیاسف کو گویا کوئی کوڑا آ کر لگا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے عمورہ کو دیکھنے لگا۔ اس کا وجود شدید زلزلوں کی زد میں آ گیا تھا۔

"یہ...... یہ...... یہ" اس کے سوکھے حلق سے آواز نکل نہ پا رہی تھی۔ "آپ...... آپ کیا کہہ رہی ہیں اماں؟"

"صحیح اور سچی بات......" عمورہ مسکرا کر بولی۔ "حیرت ہے میرے بیٹے کہ یوآب تم سے اتنی محبت کرتا تھا اور تم اس کی وجہ نہ سمجھ سکے۔"

''کیا!'' الیاسف کو ایک شدید جھٹکا سا لگا۔ ''چچا یوآب!''

''ہاں ......'' عمورہ بدستور مسکرا رہی تھی۔ ''یوآب یا اوریاہ تمہارا حقیقی باپ تھا۔ ہاں اس کا اصل نام اوریاہ ہی تھی۔ اپنی جان کے خوف سے وہ یوآب بنا ہوا تھا۔ آقا محترم آپ اسے تمام قصہ سنایئے تاکہ اس کی روح پر پڑا ہوا برسوں کا بوجھ ہٹ جائے۔''

''ہاں بیٹے الیاسف۔ یوآب تمہارا حقیقی باپ تھا۔ اس کا خیال تھا کچھ عرصہ بعد مناسب موقع دیکھ کر وہ تم پر یہ راز منکشف کرے گا۔ لیکن افسوس اسے اس کا موقع نہ مل سکا اور وہ موت کی وادی میں اتر گیا۔ اس کی داستان سن کر مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی کہ میں تمہیں کتوں اور گدھوں کی خوراک بننے سے بچا کر اپنے گھر لے آیا تھا۔ اللہ نے مجھے تمہاری اچھی پرورش و پرداخت اور تعلیم وتربیت کی توفیق دی۔ میں نے تمہیں حقیقی بیٹے کی طرح عزیز رکھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جانے میرے دل میں یہ خیال کیوں موجود تھا کہ تم ہرگز کسی کے گناہ کی پیداوار نہیں ہو بلکہ تمہارا تعلق کسی اعلیٰ حسب ونسب والے خاندان سے ہے۔ یوآب کی کہانی سن کر مجھے معلوم ہوا کہ میرا خیال ہرگز غلط نہیں تھا......'' حزقی ایل نے گہری سانس لیتے ہوئے چہرے پر ہاتھ پھیرے۔ ''اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوا کرتی ہے میرے بیٹے۔ تم میری زبانی یوآب کی داستان سن لو۔ تمہیں اس کا یقین آ جائے گا۔ ساتھ ہی اپنی ذات کے بارے میں ذہن پر چھایا ہوا غبار بھی صاف ہو جائے گا۔''

الیاسف تیز سانسوں، لرزاں وجود، اور خلفشار زدہ سے ذہن کے ساتھ ہمہ تن اس کی طرف جھک آیا۔

حزقی ایل اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں اسے یوآب یا اوریاہ کی زبانی سنی ہوئی کہانی سنانے لگا۔ کہانی کے ہر موڑ پر الیاسف کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی رہی۔ وہ بے چینی اور اضطراب سے پہلو پر پہلو بدلتا رہا۔ اس پر متنوع کیفیات حملہ آور ہوتی رہیں۔ پھر جب بالآخر حزقی ایل نے اپنا بیان اختتام کو پہنچایا تو الیاسف کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''رب موسیٰ وہارون کی صد ہزار مہربانیاں کہ اس نے مجھے اس گھناؤنی شناخت سے نجات دی۔ لیکن چچا یوآب ...... میرے والد ......'' اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا اور چپکے چپکے رونے لگا۔

''میرے بچے ......'' عمورہ نے پر شفقت ہاتھ اس کے سر پر پھیرا۔ ''وہی ہوتا ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ اس کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ شاید اس میں بھی اس کی کوئی مصلحت ہی ہوگی کہ وہ تمہیں اپنی حقیقت بتائے بغیر ...... اپنی کہانی سنائے بغیر انتقال کر گیا۔ ہم عاجز وحقیر بندے اللہ کے بھیدوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ ہمیں ہر حال میں اس کی اطاعت گزاری اور شکر گزاری کا حکم ہے۔''

حزقی ایل نے آگے ہو کر الیاسف کا سر سینے سے لگا لیا۔

''میرے بیٹے ...... جو کچھ ہوا اللہ کے حکم سے ہوا۔ ہم عاجز و بے بس سے اس کے گناہگار کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم تمہیں خود یوآب کی حقیقت بتا دیتے لیکن اس نے ہمیں اس سے منع کر رکھا تھا کہ وہ خود تم پر تمام حقائق منکشف کرے گا۔''

''میں بہت بدقسمت نکلا ......'' الیاسف روتے ہوئے بولا۔ ''وہ مجھے اکثر اپنے سامنے بٹھا کر میرے چہرے کو غور سے دیکھا کرتے تھے۔ گہری اور ٹٹولتی ہوئی نظروں سے۔ ان کی اس حرکت کی مجھے کچھ سمجھ نہ آتی تھی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ وہ میرے چہرے میں کس کا چہرہ تلاش کیا کرتے تھے ......''

حزقی ایل اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے تسلیاں دلاسے دینے لگا۔ پھر بوڑھی عمورہ نے آگے بڑھ کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اس کی پیشانی چومی۔

''میرے بچے! اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ اس کی مرضی ہوئی تو تم اپنی ماں کو ضرور پا لو گے۔ اس بارے میں تم کسی بے صبری اور جلد بازی سے کام نہ لو۔ ہر کام کو اس کے وقت پر ہو لینے دو۔''

حزقی ایل بھی اسے سمجھاتا بجھاتا رہا۔ الیاسف کو اس وقت اپنے ذہن میں ایک گرہ سی

محسوس ہو رہی تھی۔ وہ شدید الجھن محسوس کر رہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار عمورہ کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ لیکن اس نے خاموشی ہی سادھے رکھی۔

پھر جب بالآخر اس کی حالت سنبھلی۔ اسے سکون وقرار آیا۔ تو حزقی ایل نے اپنی بات چھیڑ دی۔

''اب جبکہ تم اپنی کہانی سن چکے۔ اپنے بارے میں مطمئن ہو لیے۔ تو تم کیا کہتے ہو اپنی شادی کے بارے میں؟''

متذبذب اور الجھن زدہ سا الیاسف فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکا۔

''ہاں بیٹا الیاسف اب تو تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔'' بوڑھی عمورہ مسکرا کر بولی۔

''کہاں ہوسکتی ہے؟ ہر چند کہ اب میرے حسب ونسب پر کوئی داغ دھبہ نہیں۔ لیکن میں کبڑا ہوں۔ ایک کبڑے سے کوئی لڑکی شادی کرنا پسند کرے گی ......'' الیاسف تلخی سے بولا۔

حزقی ایل اور بوڑھی عمورہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہنس دیئے۔

''تم اس بارے میں خاصے حساس اور قنوطی واقع ہوئے ہو الیاسف .....'' حزقی ایل نرم مشفقانہ لہجے میں بولا۔ ''تمہارا کبڑا پن کوئی ایسی چیز نہیں جو شادی میں رکاوٹ بن سکے۔ جو تم سے شادی کے لیے دل وجان سے تیار ہے اسے تم اپنے کبڑے پن کے ساتھ ہمیشہ بے حد عزیز اور پیارے رہو گے......''

الیاسف نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اسے یہ بات عجیب سی محسوس ہوئی تھی۔

''وہ کون ہے؟ کون؟'' اس نے بے صبری سے پوچھا۔

حزقی ایل مسکرایا۔ اس نے بھرپور نظروں سے اسے دیکھا۔

''حرقا!''

الیاسف کو ایک دھچکا سا لگا۔ وہ حزقی ایل کو یوں دیکھنے لگا جیسے اسے اپنی سماعت پر یقین نہ آیا ہو۔ پھر اس نے عمورہ کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

''ہاں بیٹا الیاسف ...... تمہاری بچپن کی ساتھی، تمہاری دوست، تمہاری ہمدرد، تم سے بے پناہ پیار کرنے اور تمہیں بے پناہ عزیز رکھنے والی ...... ہم نے اس سے بات کی تھی۔ وہ اس پر بے پناہ خوش ہوئی۔ ہمیں امید ہی نہیں پختہ یقین ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کی رفاقت میں بڑی خوشگوار اور پر مسرت زندگی گزارو گے۔ تم دونوں تو شروع سے ہی ایک دوسرے کے لیے بنے ہو۔''

الیاسف کو اپنا چہرہ دہکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے کچھ ہچکچاتے کچھ گڑبڑاتے حزقی ایل کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

''ہاں بیٹا الیاسف ...... یہ میری شروع ہی سے دلی تمنا رہی ہے کہ تم واقعی میرے بیٹے بن جاؤ۔ میرے گھر کے فرد بن جاؤ۔ تم اور حرقا جس طرح بچپن ہی سے ایک دوسرے کے ساتھی چلے آ رہے ہو۔ آپس میں محبت کرتے چلے آ رہے ہو۔ مجھے معلوم ہے۔ یہ میں نے شروع ہی سے سوچ رکھا تھا کہ اپنی بیٹی کی شادی میں تم سے ہی کروں گا۔ اگر کسی اور نے اس کا رشتہ مانگا تو میں اپنی بیٹی کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاؤں گا۔ اس کی مرضی اور رضا میں نے معلوم کر لی ہے۔ اب تمہاری مرضی اور رضا معلوم کرنا باقی ہے۔ بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟''

الیاسف نے سر جھکا لیا۔ اسے ایک دم ہی اپنے آس پاس رنگ و نور کی برسات ہوتی دکھائی دینے لگی تھی۔ کانوں میں الوہی نغمات گونجنے لگے تھے۔ یہ تو اس کی دلی خواہش تھی! دل کی انتہا گہرائیوں میں پنہاں خواہش کہ اس کی بچپن کی یہ پیاری پیاری سی ساتھی اس کی عمر بھر کی ساتھی بن جائے، زندگی کے طویل سفر میں اس کی رفیق بن جائے ...... وہ اس سے کتنی محبت کرتا تھا! انتہائی گہری بے غرض و بے لوث محبت ...... وہ اس کے لیے سب کچھ کرنے، جان تک دینے کو تیار رہتا تھا! یہ اس کی اس سے سچی اور بے لوث محبت ہی کا جذبہ تھا جو وہ زمران جیسے رقیب کو انتہائی وسیع القلبی اور عالی ظرفی سے گوارا کرتا رہا تھا۔ اگر حرقا کی زمران سے شادی ہو جاتی۔ تو وہ اپنی تہی دستی اور تہی دامنی کو سینے سے لگائے تنہا ساری

عمر گزار دیتا۔ حرقا کی خوشیاں اور مسرتیں اسے دل وجان سے عزیز رہتی تھیں۔ اسے زمران کی رفاقت میں خوش دیکھ کر وہ بھی خوش رہتا۔

آہ قدرت اس پر کتنی مہربان نکلی تھی! شاید حرقا کو بھی احساس ہوگیا تھا کہ زمران ہرگز اس کی منزل نہیں تھا۔ سچے جذبات احساساتِ خیالات وتصورات کو جو نام دیا جاسکتا تھا زمران اس کا مستحق نہیں تھا۔ اس فہم وادراک نے اسے صحیح اور سچی راہ دکھائی تھی! اللہ بے پناہ رحیم وکریم تھا! اس کی مہربانی سے نہ صرف اس کی شناخت کی سیاہی دور ہوگئی تھی بلکہ بچپن کی محبت بھی مل گئی تھی۔

''بتاؤ نا بیٹے الیاسف تم کیا کہتے ہو؟'' حزقی ایل نے پرمحبت لہجے میں اصرار سے کہا۔

الیاسف نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔ مگر حزقی ایل سے نظریں ملانے سے گریز کیا۔

''مجھے خوشی ہے آقا محترم کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا......'' وہ بمشکل اتنا ہی کہہ سکا۔

حزقی ایل اور عمورہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

''یعنی تم بالکل راضی ہو۔ اب تو تمہاری شادی میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔'' حزقی ایل بولا۔

''جو آپ مناسب سمجھیں......'' الیاسف ہچکچاتے بولا۔

''ٹھیک ہے۔ بس ایک ہفتہ بعد۔ جب سردار گوبارو یہاں شوشان آجائے گا۔ پھر بڑی دھوم دھام سے تمہاری اور بیٹی حرقا کی شادی کردی جائے گی۔ اس میں سردار گوبارو بھی شریک ہوگا۔ اور تمام سرکردہ عمائدین حکومت اور میرے دوست...... یہ شادی ایک یادگار شادی ہوگی...... میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شادی کو ایک کامیاب اور خوشیوں اور راحتوں سے بھرپور بنائے۔ تم اور حرقا بیٹی جب تک زندہ رہو شاد وآباد رہو۔ جس طرح بچپن سے لے کر اب تک اپنے دکھ سکھ کے ساتھی اور مخلص رفیق بنے ہوئے اسی طرح عمر بھر بنے رہو۔ بیٹا الیاسف آج کے دن میں نے اپنے آپ کو جتنا مسرور اور مطمئن محسوس کیا ہے عمر

بھر نہیں محسوس کیا۔ حزقی ایل نے وفورِ جذبات سے نم ہوتی آنکھوں کو خشک کیا اور عمورہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''اب اماں آپ شادی کی تیاریاں شروع کروایئے۔ ذرا خیال رہے کہ کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔''

''آپ فکر نہ کیجیے مالک محترم ...... یہ اس گھر میں برپا ہونے والی واحد شادی کی تقریب ہوگی۔ اس لیے اسے بھرپور طور پر برپا کیا جائے گا۔'' بوڑھی عمورہ بولی۔

الیاسف کو ذہن میں پڑی وہ گرہ بار بار ستا رہی تھی۔ وہ بار بار عمورہ کی طرف دیکھ کر رہ جاتا تھا۔

اس رات جب بوڑھی عمورہ رات کے کھانے پر اِدھر اُدھر کی مصروفیات سے فارغ ہوکر اپنے کمرے میں پہنچی تو الیاسف وہاں آن پہنچا۔ اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا اور عمورہ کے سامنے نشست پر بیٹھ گیا۔ وہ بے حد سنجیدہ اور کچھ الجھن زدہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ عمورہ اسے عمیق نگاہی سے دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی کہ کوئی چیز اسے تنگ کر رہی تھی۔

''بیٹا الیاسف...... اس وقت تمہاری یہاں آمد کا مقصد؟''

''اماں......'' الیاسف کا لہجہ ہچکچاتا تھا۔ لیکن اس میں گہری سنجیدگی تھی۔ ''اماں آپ نے کہا تھا میں اپنی ماں کو ضرور پالوں گا۔ آپ کو یاد ہوگا ایک مرتبہ بابل میں آپ نے ایسی ہی باتیں کی تھیں۔ جو کچھ مبہم اور غیر واضح سی تھیں۔ جب آپ سردار الیشاع کے گھر برپا ہونے والی محفل نشاط میں گئی تھیں اس وقت......''

عمورہ کی بوڑھی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے ایک تیز چمک پیدا ہوئی اور معدوم ہوگئی۔ وہ سرد و گرم چشیدہ عورت اپنے چہرے کے تاثرات کو بڑی ہوشیاری سے چھپا گئی۔

''اس بات کو بہت عرصہ گزر چکا ہے بیٹے الیاسف...... اب مجھ قبر میں پیر لٹکائے بیٹھی بوڑھی اور بیمار عورت کو، جس کا اب حافظہ بھی کم ہی کام کرتا ہے کیا بات یاد رہ گئی ہوگی۔''

الیاسف اسے گہری اور سنجیدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"اماں..... ابھی آپ نے کہا تھا کہ میں اپنی ماں کو پالوں گا۔ آپ کو کیا اس بارے میں کوئی خبر ہے؟ کچھ معلوم ہے؟"

"یہ تو بیٹا میں نے ممکنات و ناممکنات والی بات کہی تھی کہ اگر تم نے یوں حادثاتی طور پر اپنے حقیقی باپ کو پالیا ہے تو اسی طرح شاید اپنی ماں کو بھی پالو۔" عمورہ کا لہجہ سرسری سا تھا۔

الیاسف بدستور اسے سنجیدہ، عمیق نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"لیکن اس وقت آپ کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا جیسے آپ نے میری ماں کو دیکھ لیا ہے۔ یاد نہیں آپ کو؟ آپ سردار عمون کی بیوی کا ذکر کر رہی تھیں......"

بوڑھی عمورہ یہ سننے کے لیے تیار ہی تھی۔ اس لیے اس نے اپنے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آنے دی۔ اسے الیاسف نے بھی دیکھا۔ وہ اب کچھ متذبذب اور الجھن زدہ سا دکھائی دینے لگا تھا۔ معلوم ہوتا تھا بوڑھی عمورہ شاید سب کچھ بھول چکی تھی۔

"سردار عمون کی بیوی؟" اس نے یوں دہرایا گویا اسے کچھ یاد نہ آ رہا ہو۔ "بیٹا الیاسف معلوم ہوتا ہے میرے جسم کے ساتھ ساتھ میری یادداشت بھی بوڑھی ہوگئی ہے۔ اگر میں بہتیرا کچھ یاد کروں، دماغ پر زور دوں تب بھی مجھے گئے گزرے وقتوں کی باتیں ایسی یاد نہیں آتیں۔ کم وقت میں پیش آنے والے واقعات تو میرے ذہن سے فوراً ہی محو ہو جاتے ہیں۔ سردار ایشیاع کے گھر کی اس محفل نشاط کی تفصیلات مجھے بھلا کہاں یاد رہتی ہیں جو کم وقتی کی ہی کی ایک تقریب تھی۔"

الیاسف کچھ مایوس سا ہونے لگا۔ اس نے سوچا وہ اسے سردار عمون کے گھر کے جھروکے کے سیاہ حریری پردے سے جھانکتی ان حسین سیاہ آنکھوں کے بارے میں بتادے۔ جو اس کی منتظر رہتی تھیں۔ جو اُسے بڑی حسرت مایوسی اور تمنا سے دیکھا کرتی تھیں اور وہ بھی ان آنکھوں کی مالکہ کے لیے اپنے دل میں عجیب جذبات غیر معمولی کشش، اپنائیت اور وابستگی محسوس کرتا تھا۔ لیکن وہ خاموش رہا۔

بوڑھی عمورہ سر جھکائے کسی گہری سوچ میں مستغرق تھی۔ کبھی کبھی وہ سر کو اثبات میں یوں ہلا دیتی تھی گویا کسی نتیجے پر پہنچ گئی ہو۔ پھر اس نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"بیٹا الیاسف...... میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت، کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ جسے ہم اس کے ادنیٰ اور حقیر سے بندے یا تو سمجھتے نہیں یا بہت دیر سے سمجھتے ہیں۔ تم اپنی اب تک کی زندگی پر نظر ڈالو گے تو تمہیں اس میں اللہ کی بے شمار مصلحتیں اور حکمتیں کارفرما نظر آئیں گی۔ تمہارا کیا نہر کے کنارے کتوں اور گدھوں کی خوراک بننے کے بجائے آقا حزقی ایل کے گھر آنا، ناز و نعم سے، ایک شہزادے کی طرح پرورش پانا، اعلیٰ تعلیم، تربیت حاصل کرنا...... پھر اپنے باپ سے ملنا، اس کی افسوس ناک موت، بابل جیسے بڑے شہر سے ہجرت، یہاں آنا اور صاحبزادی حرقا سے شادی...... میرے بیٹے! ذرا سوچو اگر یہ سب کچھ نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ تم نے اپنے باپ کو پالیا۔ اپنی حقیقی شناخت سے آگاہ ہو لیے۔ تمہارے دل میں اب اپنی ماں کے بارے میں کھوج کرید کرنے کی خواہش قدرتی بات ہے، لیکن میری نصیحت ہے کہ تم ایسا ہرگز نہ کرو۔ اللہ کے رازوں سے پردہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔ اللہ اپنے راز، اپنے بھید، وقت آنے پر خود ہی افشا کر دیا کرتا ہے۔ جب اس کی مرضی ہوگی جب اس راز اس بھید پر سے پردہ اٹھانے کا وقت آئے گا، تمہیں اپنی ماں کے بارے میں معلوم ہو جائے گا۔ تم صبر و سکون سے رہو۔ تمہاری خواہ مخواہ کی بے چینی، بے صبری، تجسس و اضطراب اور دوڑ دھوپ لوگوں کو مشکوک ہونے کا موقع دینے کے سوا کچھ نہ کرے گی۔ آقا حزقی ایل اور حرقا بھی اسے پسند نہ کریں گے۔ تم صرف اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں سوچو جو تمہیں صاحبزادی حرقا کے ساتھ گزارنی ہے۔ اس شادی کے بعد تم پر آقا حزقی ایل کے تجارت و کاروبار کی ذمہ داریاں بھی پڑنے والی ہیں۔ ان کے بارے میں سوچو۔ اللہ کے کام اللہ پر چھوڑ دو۔ فلاح کی راہ یہی ہے۔"

الیاسف نے سر جھکائے بڑی توجہ، صبر و سکون سے اس کی باتیں سنیں اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے بوڑھی عمورہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"اماں...... آپ نے مجھ سے بہت اچھی باتیں کہیں۔ یہ میرے ذہن نشین ہو چکی ہیں۔ میں ان شاء اللہ آپ کی تمام نصائح پر کار بند رہوں گا۔ میں اپنے تمام معاملات اللہ پر چھوڑتا ہوں۔ جب اس کی مرضی ہوئی جب وقت آیا تو مجھے اپنی ماں بھی مل جائے گی۔ میں اس کی کوئی تلاش یا جستجو نہ کروں گا۔ کوئی ایسا کام نہ کروں گا جو لوگوں کو چونکائے انہیں شکوک وشبہات میں مبتلا کرے۔ آقا حزقی ایل کی عزت پر حرف آئے انہیں اور حرقا کو پریشانی اور اذیت میں مبتلا کرے۔ میری تمام زندگی آپ کے سامنے ہے اماں۔ آپ خوب جانتی ہیں کہ اس گھر والے مجھے کتنے عزیز رہے ہیں۔ ان کی عزت، ان کی نیک نامی وقار اور ان کا مجھے کتنا خیال رہا ہے۔ آپ ان شاء اللہ مجھے عمر بھر ایسا ہی پائیں گی۔ دعا کیجیے جس طرح میں آقا حزقی ایل کے لیے ایک فرمانبردار سعادت مند بیٹا ثابت ہوتا رہا ہوں اسی طرح صاحبزادی حرقا کے لیے بھی مثالی رفیق حیات ثابت ہوں......"

عمورہ مسکرائی۔ اس نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی۔

"مجھے اس کی امید ہی نہیں پختہ یقین، یقین کامل ہے کہ تم ایسے ہی ثابت ہوگے۔ تمہاری رگوں میں بے حد نیک اور شریف ماں باپ کا خون رواں ہے۔ صرف میں اور آقا حزقی ایل ہی نہیں سب لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم آسمان سے اترے ہوئے کوئی فرشتے ہو۔ بیٹا الیاسف...... میں شروع ہی سے تمہارے لیے دعا گو رہی ہوں۔ ہمیشہ رہوں گی۔ میری دعائیں ہر دم ہر آن تمہارے ساتھ رہیں گی۔ رب موسیٰ و ہارون کی رحمتیں تم پر اور بیٹی حرقا پر ہمیشہ سایہ فگن رہیں......"

"شکریہ اماں محترم......" الیاسف نے اس کے ہاتھ آنکھوں سے لگا لیے۔ "مجھے بس آپ کی دعائیں ہی چاہئیں......"

اس کے دروازہ کھولنے کے ساتھ ہی کمرے کی کھڑکی سے لگا ہوا ایک سایہ خاموشی سے سرکتا ہوا نیم تاریک راہداری کا موڑ مڑ کر تاریکی میں مدغم ہو گیا۔

یہ حرقا تھی......

وہ اس وقت کسی ضروری کام سے بوڑھی عمورہ کی طرف پہنچی تھی کہ بند دروازے کے دوسری طرف کمرے سے آتی الیاسف کی آواز سن کر وہیں رک گئی تھی۔ ہر چند کہ اسے کن سوئیاں لینا بے حد معیوب معلوم ہوتا تھا۔ باتوں کے موضوع نے اسے اندر سے آتی آوازیں سننے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ دروازے سے لپٹ کر کھڑکی کے باہر آ کر کھڑی ہو گئی تھی جو تھوڑی سی کھلی ہوئی تھی۔ یہاں سے اسے اندر سے آتی آوازیں صاف سنائی دینے لگی تھیں۔ اس نے وہاں کھڑے کھڑے الیاسف اور بوڑھی عمورہ کے درمیان ہونے والی تمام باتیں سن لی تھیں پھر الیاسف کے کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے وہاں سے ہٹ آئی تھی۔

الیاسف کی ماں کے بارے میں اس کا ذہن کسی الجھاؤ، تشکیک اور مخمصے کا شکار نہیں تھا۔ بابل میں رہائش کے دوران اس نے بوڑھی عمورہ سے توعیلہ اور اس کی ماں عجیلہ کے بارے میں جو باتیں کی تھیں اسے بخوبی یاد تھیں۔ عمورہ کی نصائح اور ہدایات بھی اس نے نہ بھلائی تھیں۔ اس کی تنبیہات بھی اسے بخوبی یاد تھیں۔ اس نے عہد کر رکھا تھا کہ وہ جو کچھ جانتی تھی اس کے متعلق کسی کو ہرگز کچھ نہ بتائے گی الیاسف کو بھی نہیں جواب اس کا زندگی بھر کا ساتھی بننے والا تھا۔ اس نے عمورہ کو یہ تو ضرور کہا تھا کہ سردار عمون کی بیوی عجیلہ اور الیاسف میں بے حد مشابہت تھی۔ لیکن یہ کہنے سے اس نے اپنی زبان روک لی تھی کہ اسے اس پر شک ہی نہیں یقین کامل بھی تھا۔ اس نے اکثر چچا یوآب کو، جو الیاسف سے بے پناہ محبت کرتے تھے، الیاسف کے چہرے کو اس طرح غور سے دیکھتے ہوئے دیکھا تھا جیسے وہ اس میں کچھ کھوج رہے ہوں، کچھ تلاش کر رہے ہوں۔ الیاسف کے بچپن سے لے کر جوانی کی عمر تک پہنچنے تک چچا یوآب کی اس سے محبت کا یہی عالم رہا تھا۔ جوانی کی عمر کو پہنچ کر الیاسف جیسا حسین و جمیل نکلا تھا اس نے تمام گھر والوں کو ہی نہیں دوسرے لوگوں کو بھی یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اس کے ماں باپ ضرور حسن و جمال میں اپنی نظیر رکھتے ہوں گے۔ چچا یوآب البتہ اس بارے میں کچھ نہ کہتے تھے۔ لیکن اب ہونے یہ لگا تھا کہ الیاسف کے چہرے کو کھوجتی کریدتی کچھ حسرت کچھ دکھ بھری نظروں سے دیکھتے دیکھتے ان کی نظروں

میں بے اختیار آنسو بھر آتے تھے۔ وہ الیاسف کو لپٹا کر رونے لگتے تھے۔ کبھی کبھی وہ الیاسف کے دائیں کان کے نیچے گردن کے سیاہ تل کو بے تحاشہ چومنے لگتے تھے۔ اسے ان کی الیاسف سے یہ جنونی حد تک بڑھی ہوئی محبت کچھ سمجھ نہ آتی تھی۔ اس نے ایک بار اپنے والد حزقی ایل سے جب اس کا ذکر کیا تھا تو ان کے چہرے پر بے پناہ دکھ اور کرب کے تاثرات بکھر گئے تھے۔ انہوں نے صرف اتنا ہی کہا تھا۔

"یوآب بے حد دکھی اور زمانے کا ستایا ہوا انسان ہے بیٹی۔ وہ اپنی بیوی اور بچے کو کھو بیٹھا ہے۔ ہوسکتا ہے الیاسف میں اسے اپنے بچے کی جھلک دکھائی دیتی ہو اسی لیئے وہ اسے بے پناہ عزیز رکھتا ہے۔ اور اس پر نثار ہوتا رہتا ہے......"

اس نے جب بوڑھی عمورہ سے یہ تذکرہ کیا تھا تو اس نے بھی کم و بیش حزقی ایل کے بیان کو ہی دہرا دیا تھا۔ اس پر وہ خاموش ہو رہی تھی۔ لیکن جب سردار یعقوب عجیبی کے گھر برپا ہونے والی محفل نشاط میں اس نے توعیلہ کو دیکھا تو وہ کچھ چونکی تھی۔ اسے اس کے چہرے کے خدوخال میں الیاسف کی جھلک دکھائی دی تھی۔ جیسے اس کا اس کے ساتھ کوئی قریبی رشتہ ہو۔ پھر جب اس نے اس کی ماں عجیلہ کو دیکھا تھا تو اس کی حیرت اور الجھن کا ٹھکانہ نہ رہا تھا۔ اس کے نہ صرف چہرے کے نقوش و نگار اور رنگ روپ الیاسف جیسے تھے بلکہ اس کے دائیں کان کے نیچے گردن پر سیاہ تل بھی موجود تھا! کیا وہ الیاسف کی ماں تھی؟ اس کے ذہن میں کیسے کیسے خیال آ کر گزرے تھے۔ کیسی کیسی سوچوں نے اسے الجھن اور مخمصے میں ڈالا تھا۔ اسے جانے کیوں یہ معاملہ کچھ پر اسرار کچھ خطرناک سا محسوس ہوا تھا۔ اس نے اس کا تذکرہ سوائے بوڑھی عمورہ کے کسی سے نہ کیا تھا جس نے اسے زبان بندی اور محتاط رہنے کی ہدایت کی تھی۔ چنانچہ اس نے اب تک اپنی زبان بند رکھی تھی۔ اس وقت بھی جب اس نے اس کے والد حزقی ایل نے اسے چچا یوآب یا اوریاہ کی کہانی سے آگاہ کرتے ہوئے اس کی الیاسف سے شادی کے بارے میں مرضی معلوم کی تھی۔

الیاسف سردار عمون کی بیوی کا علم تو رکھتا تھا لیکن نہ جانتا تھا کہ وہ اس کی ماں تھی۔

حقیقی ماں۔ وہ اس کا جائز اور حقیقی بیٹا تھا۔ چچا یوآب یا اوریاہ کی کہانی سے آگاہ ہونے کے بعد اسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی تھی کہ سارا یا نجیلہ کے گھر والوں نے...... سردار عمون صدوقی جیسے دولت مند اور بارسوخ شخص سے اس کی شادی کرنے کے لیے یہ گھناؤنی سازش تیار کی تھی۔ ان کے نام مقام حیثیتیں سب بدل چکے تھے اس لیے چچا یوآب یا اوریاہ باوجود سر مارنے کے انہیں کہیں تلاش نہ کر پائے تھے۔ ان کے لیے اتنا ہی بہت تھا کہ انہوں نے کم از کم اپنے لخت جگر کو تو پا ہی لیا تھا......

اپنے کمرے میں نیم تاریک فضا میں اپنے بستر پر بیٹھی حرقا نے بالآخر اپنی سوچوں کو حتمی صورت دیتے ہوئے سر کو جنبش دی اور بستر پر دراز ہوگئی۔

وہ الیاسف کو کچھ نہ بتائے گی۔ کبھی اشارہ تک نہ دے گی کہ وہ اس کی ماں کو جانتی ہے۔ اس سے مل چکی ہے اسے دیکھ چکی ہے۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا کہ زمران اور قوعیلہ کی شادی کے وقت وہ بابل یا سپار میں نہیں تھے۔ ورنہ اس موقع پر الیاسف اور نجیلہ کا آمنا سامنا بعید از امکان نہیں تھا۔ اب جبکہ وہ سرزمین بابل سے دور، بہت دور آچکے تھے، ایسے امکانات قریب قریب معدوم ہو چکے تھے۔

لیکن...... یہ ممکن تھا۔ عین ممکن تھا کہ جس طرح الیاسف کو اس کا باپ مل گیا تھا اسی طرح اسے اپنی ماں بھی مل جائے؟ یہ وقت کب آنا تھا؟ اس کے لیے الیاسف کے ساتھ ہی اسے بھی انتظار کرنا تھا۔ خاموشی سے، صبر سے، سکون سے......

اس نے بستر پر دوسری طرف کروٹ لی۔ اس پر نیند طاری ہو رہی تھی۔ اب اس نے الیاسف کی رفاقت کے حسین و رنگین خواب دیکھنے تھے۔

نورا کینہ قاضی

G-733 محلہ اسلام پورہ

ڈی اے وی کالج روڈ، راولپنڈی

ادارہ کی دیگر شاہکار کتب
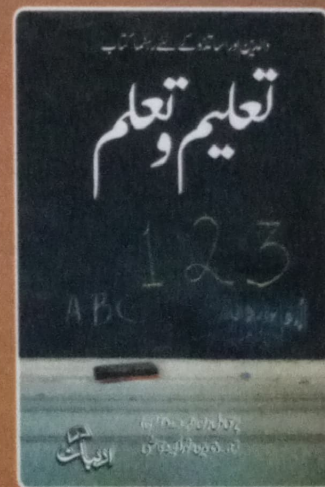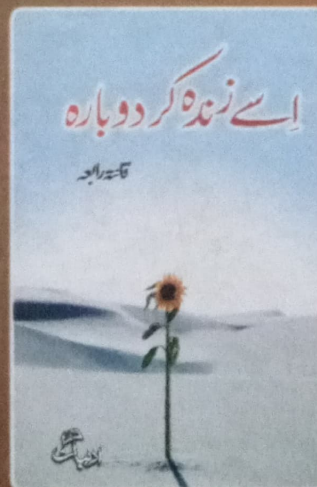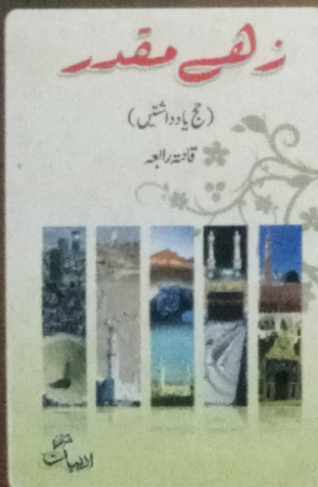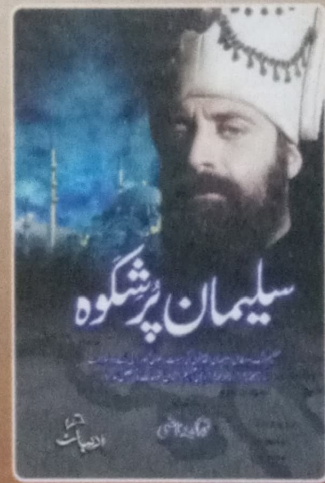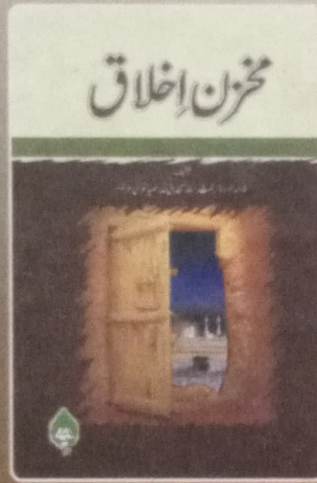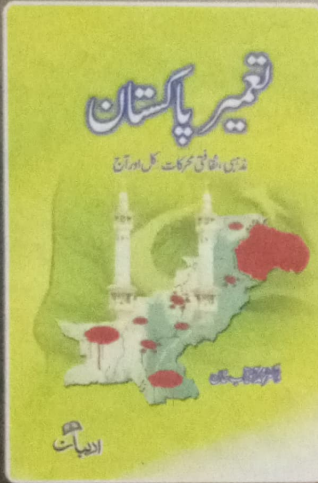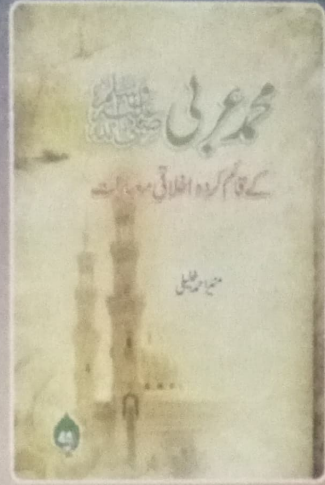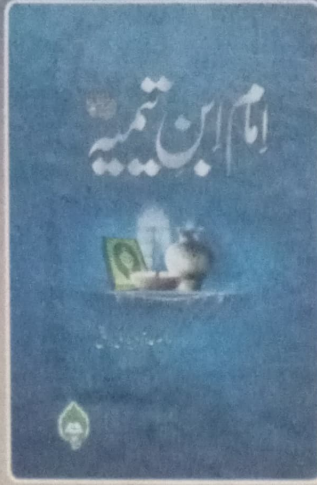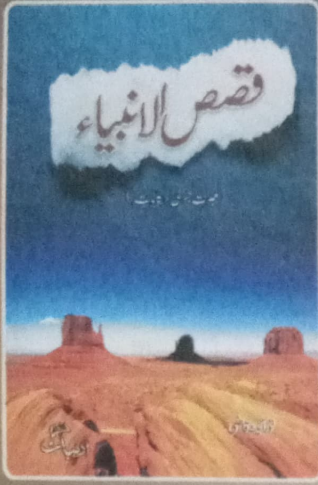
ادبیات

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
فون: 042-37361408, 042-37232788
E-mail: sulemani@gmail.com
www.sulemani.com.pk
facebook.com/sulemani5